

جلد 4

ایک عظیم علمی شاہکار

جدید موضوعات پر مشتمل علمی، فکری، اصلاحی خطبات کا نادر مجموعہ

خطباتِ شیخوپوری

افادات

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

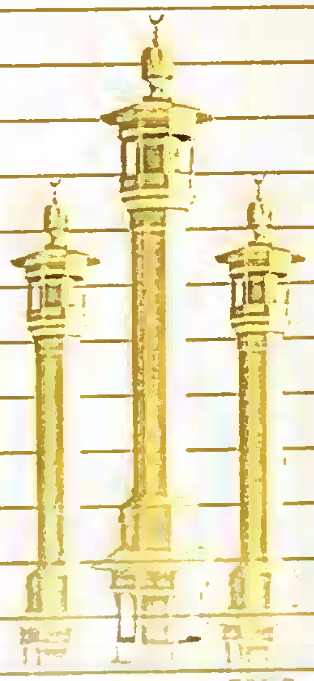
شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس پاکستان

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد





مکتبہ عمر فاروقؓ

ایک عظیم علمی شاہکار

جدید موضوعات پر مشتمل علمی، فکری، اصلاحی خطبات کا نادر مجموعہ

خطباتِ شیخوپوری

جلد 4

افادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس پاکستان

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

نام کتاب .... خطباتِ شیخوپوری
ازافادات .... حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمہ اللہ
اشاعتِ اوّل .... نومبر 2015ء
تعداد 1100
طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
021-34594144 Cell: 0334-3432345
ای میل .... Mfarooq12317@yahoo.com
maktabaumarfarooq@gmail.com

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جاسکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

مکتبہ معارف القرآن ۔ احاطہ دار العلوم کورنگی کراچی 021-35031565
دار الاشاعت ، اردو بازار کراچی -------------------- 021-32631834
سعدی اسلامی کتب خانہ گلشن اقبال نمبر۲ کراچی 0333-2305791
اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی -------- 021-34927159
مکتبہ لدھیانوی علامہ بنوری ٹاؤن کراچی -------- 021-34130020
قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ----------- 021-32212220
مکتبہ رشیدیہ ، سرکی روڈ کوئٹہ --------------- 081-2662263
کتب خانہ رشیدیہ ، راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد --------------- 041-2631204
مکتبہ رحمانیہ ، اردو بازار لاہور --------------- 042-37224228
مکتبہ سید احمد شہید ، اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ -------- 092-3630594
مکتبہ عمر فاروق محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور
دار الاخلاص محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

JAMIA FAROOQIA KARACHI
P.O. Box No. 11020, Shah Faisal Town, Block 4, Karachi, Pakistan

جامعہ فاروقیہ کراچی



باسمہ سبحانہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الاولین والآخرین احمد المجتبیٰ ومحمد المصطفیٰ ومن والاہ ۔

مولانا اشتیاق احمد امام وخطیب جامع مسجد بلال ناظم آباد کراچی نے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دروس قرآن مجید کے سلسلے کے بیان کام کا اہتمام اور اشاعت کا نظم قائم کر رکھا ہے ۔

پہلے انہوں نے "آسان درس قرآن" کے نام سے مولانا شہید کے دروس قرآن کو شائع کیا جو حضرت شہید رح کی حیات ہی میں منظر عام پر آ گئے تھے ۔

پھر دوسرا سلسلہ ~~شروع کیا~~ "درس کیوں اور کیسے" کو شائع کیا ۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رح "القرآن کورس سینٹر" بہادر آباد میں ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو درس دیا کرتے تھے جو جدید اور انتہائی فکری موضوعات پر مشتمل ہیں ۔ ان دروس میں ۶۰ درس کمپوز ہو چکے ہیں ۔ ان کی اشاعت کا مرحلہ [illegible]

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رح بالکل معذور تھے چلنے پھرنے سے قاصر تھے لیکن وہ آیۃ من آیات اللہ تھے اللہ جل وعلا نے ان سے تفسیر قرآن کریم کی عظیم خدمت کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہت کام لیا (خود بہترین مدرس بھی تھے) (نیز مولانا مرحوم اصلی مقصد کی ... کے باوجود دینی اصلاحی و تربیتی خدمات انجام دینے کے لئے دور دراز علاقوں کے سفر کو برداشت کر جاتے رہتے تھے ۔) اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات کو صدقہ جاریہ بنا کر ان کو ان کے والدین ابناء واقرباء اساتذہ اور معاونین ومحبین کو اجر جزیل تا یوم الآباد عطا فرمائیں ۔ آمین ثم آمین ۔

مولانا اشتیاق احمد انتہائی خوش نصیب اور قابل رشک ہیں جنکو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا شہید رح کی قرآنی خدمات کو منظر عام پر لانے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے ۔ ان کی ان مساعی کو اللہ پاک حسن قبول عطا فرمائیں ان کے لئے ان کے والدین، اساتذہ اور معاونین کے لئے بطور صدقہ جاریہ قبول فرمائیں ۔ آمین ثم آمین ۔

[illegible]

۲۷ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ　سلیم اللہ خان خادم جامعہ فاروقیہ کراچی
۱۲ ستمبر ۲۰۱۵ء

تقـــریظ

استاذ المحدثین، یادگارِ اسلاف، مخدوم العلماء صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ادام اللہ ظلہم و فیوضہم



باسمہٖ تعالیٰ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصا علی سید الاولین
والآخرین احمد مجتبیٰ و محمد ن المصطفیٰ ومن والاہ

مولانا اشفاق احمد امام خطیب جامع مسجد بلال ناظم آباد ۲ نے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن مجید کے سلسلے پر کام کا اہتمام اور اشاعت کا نظم قائم کر رکھا ہے۔

پہلے انہوں نے ''آسان درسِ قرآن'' کے نام سے مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دروسِ قرآن کو شائع کیا جو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں منظر عام پر آگئے تھے۔ پھر دوسرا سلسلہ ''درسِ قرآن کیوں اور کیسے'' کو شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ ''القرآن کورسز سینٹر'' بہادر آباد میں ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو درس دیا کرتے تھے جو جدید اور انتہائی فکری موضوعات پر مشتمل ہیں۔

ان دروس میں ۶۰ درس کمپوز ہو چکے ہیں ان کی اشاعت کا مرحلہ درپیش ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مرحلہ کو آسان فرمادیں۔ آمین

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ بالکل معذور تھے، چلنے پھرنے سے قاصر تھے، لیکن وہ آیۃ من آیات اللہ تھے اللہ جل وعلانے اُن کے تفسیر قرآن کی عظیم خدمت کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہت کام لیا، وہ بہترین مدرّس بھی تھے۔ مولانا مرحوم اس معذوری کے باوجود اپنی اصلاحی تربیتی خدمات انجام دینے کے لئے بیرونِ پاکستان مختلف دور دراز ملکوں کے سفر پر جاتے رہتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنا کر اُن کو، اُن کے والدین کو، اعزاء، اقرباء، اساتذہ اور معاونین ومحبین کو ابدالاباد تک اجروثواب عطافرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا اشفاق احمد انتہائی خوش نصیب اور قابلِ رشک ہیں جن کو اللہ بزرگ وبرتر نے مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی خدمات کو مرتب کرنے اور نشر کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے ان کی مساعی کو اللہ پاک حُسن قبول عطافرمائیں اُن کے لئے اُن کے والدین، اعزاء، اساتذہ اور معاونین کے لئے بطورِ صدقہ جاریہ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ

۱۲ ستمبر ۲۰۱۵ء

تقــــریظ

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم

نائب مفتی واستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

محمد عبدالمنان
نائب مفتی واستاذ جامعہ دارالعلوم کراتشی
التاریخ ۱۴۳۶.۱۱.۲۸ھ

Muhammad Abdul Mannan
Naib Mufti & Ustad Jamia Darul-Uloom Karachi
Date:13.9.2015.

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین

امابعد!

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ العصر میں ایمان والوں کے اوصاف میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کرتے ہیں، اور صبر کی تعلیم دیتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (سورۃ العصر)

اسی طرح حدیثِ مُبارکہ ہے ”الدین النصیحۃ“ کہ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے ایک اور حدیثِ مبارکہ ہے: ”بلغوا عنی ولو آیۃ“ میری طرف سے اگر دین کی ایک بات بھی تمہیں معلوم ہو تو آگے دوسروں تک پہنچاؤ“۔

مندرجہ بالا ارشادات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دین کی نشر و اشاعت تمام مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری ہے، اور اسی ذمہ داری کے مختلف شعبے درس وتدریس، تصنیف تالف، وعظ اور تبلیغ وغیرہ کو مسلمانوں نے بحسن وخوبی سنبھالا ہے، اور

اپنی اس ذمہ داری سے توفیق اور اپنی استطاعت کے مطابق عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

عوامی سطح پر سب سے زیادہ نافع ترین سلسلہ وعظ وتقریر، بیانات وخطبات کا ہے۔ اور اصلاح معاشرہ میں یہ بیانات وخطبات ایک کلیدی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ عام مسلمان جو دینی مدارس میں داخلہ لے کر باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کرسکتے وہ زیادہ تر علماء کے بیانات ہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے مستند علماء کے خطبات ایک مؤثر ذریعہ تبلیغ ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''خطبات شیخوپوری'' ہے، جو کہ داعی قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سالہا سال کے خطبات کا قیمتی مجموعہ ہے جو مولانا موصوف کے علمی، فکری، اور اصلاحی کاوشوں کا بہترین نمونہ ہیں۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ بیک وقت مفسرِ قرآن، کہنہ مشق مدرس اور عوامی سطح کے بہترین خطیب بھی تھے، جن کے اصلاحی، فکری بیانات اور درس قرآن سے بلاشبہ لاکھوں لوگوں نے استفادہ کیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (سورۃ الجمعہ)

مولانا اشفاق احمد صاحب حفظہ اللہ، فاضل جامعہ دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے انتھک کوششوں کے ذریعہ خطبات کے اس مجموعہ کو مرتب کیا، مولانا موصوف کا نام علماء کے حلقے میں محتاج تعارف نہیں ہے، وہ اس سے پہلے بھی مولانا شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن پر کام کرچکے ہیں اور آسان درسِ قرآن کے نام سے ''عَمَّ پَارہ'' کی تفسیر اور ''درس قرآن کیوں اور کیسے؟'' شائع کرچکے

ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکتیں عطاء فرمائے اور مزید علمی کاموں کی توفیق بخشے، آمین۔

مذکورہ خطبات کے حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ درحقیقت عوامی بیانات کا مجموعہ ہے، کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، لہٰذا اس میں تقریری رنگ غالب اور نمایاں نظر آتا ہے، تاہم مجموعی طور پر یہ ایک فکر انگیز خطبات کا مجموعہ ہے جس سے کوئی خطیب مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے طلبہ، طالبات علماء اور عام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، اور مرتب موصوف کے والدین اور اساتذہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔۔۔۔ واللہ المستعان

محمد عبد المنان

نائب مفتی: جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

13/09/2015

عرضِ مرتب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی: امّا بعد!

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی سچا دین ہے)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی حیات ابدیہ اپنے مبارک دین اسلام میں رکھی ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو دین کی آغوش میں اپنی دنیا کی چندروزہ حیاتِ مستعار گزار کر ہمیشہ کی کامیابیاں پالیتا ہے، صدیوں سے اسلام کا یہ ابدی پیغام پہنچانے کے لئے ہر دور کے پاسبان دین وملت تحریر وتقریر دونوں انداز سے امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں۔

دورِ حاضر میں امت مسلمہ جس جدیدیت کے فتنہ کا شکار ہے، ان کا یہ اعتراض زبانِ زدعام ہے کہ اکیسویں صدی کے جدید مسائل پر برسوں پرانے اسلام کی تعلیمات کی تطبیق ناممکن ہے امت کے ایسے ہی سوالات نیز دورِ حاضر کے دوسرے اہم مسائل کا جواب دینے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے داعیِ قرآن، مفسر قرآن، واعظ شیریں بیان حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ، جیسی عظیم علمی شخصیت کا انتخاب فرمایا اور ''القرآن کورسز نیٹ ورک'' بہادرآباد، کراچی پاکستان کے اسٹیج سے بھائی محمد الطاف موتی صاحب اوران کی ٹیم کی معاونت سے دورِ حاضر کے نت نئے

جدید موضوعات پر سیر حاصل بیانات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ جو 2006ء تا 2012ء تک ہر ماہ کے دوسرے اتوار نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوتے رہے۔ انہی بیانات کو محترم جناب بھائی محمد الطاف موتی صاحب معیاری سی ڈیز پر ریکارڈ کر کے افادۂ عام کے لئے پیش فرماتے رہے۔ داعی قرآن حضرت شیخوپوری رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کا آخری یادگار بیان ''مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا'' مورخہ 13 مئی، 2012ء کو فرمایا اس کے بعد وہ جامِ شہادت نوش فرما کر داعیٔ اُجل کو لبیک کہتے ہوئے اُمت کو سوگوار چھوڑ گئے۔

حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص اور باوفا دوست برادرِ مکرم جناب محمد شفیق اجمل صاحب حفظہ اللہ جہاں اہل حق کی ترجمان ایک معیاری ویب سائٹ درس قرآن ڈاٹ کام www.darsequran.com پر حضرت کے دروسِ قرآن کریم نشر کرتے رہے، وہیں ان نت نئے موضوعات پر مشتمل بیانات کو بھی نشر کرتے چلے آرہے ہیں اور امت کے نفع کا سامان مہیا کرتے چلے آرہے ہیں۔

تاہم بندہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اس علمی ذخیرہ کو تقریر سے تحریر کی شکل میں لانے کا کام حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش کو سامنے رکھ کر کرنے کے لئے کمربستہ ہو گیا۔ بندہ نے جب کام شروع کیا تو اس وقت بنیادی طور پر پیشِ نظر ''القرآن کورسز سینٹر'' میں ہونے والے بیانات کا مجموعہ تھا، جس میں سے کچھ بیانات ''ندائے منبر و محراب'' جلد ۷ میں شائع ہو گئے۔ افادۂ عام کے لئے انہیں بھی شامل کر لیا گیا۔

بعد میں حضرت شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اہم موضوعات پر مشتمل چند دیگر

بیانات دستیاب ہوئے، اکابر اساتذہ اور اپنے رفقاء کی مشاورت سے انہیں بھی خطباتِ شیخ چترپوری کا حصہ بنا دیا گیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ۸۰ بیانات کا مسودہ تیار ہونے کے بعد کمپوزنگ کے مراحل سے بحمد اللہ گزر چکا ہے حضراتِ اکابر اور اساتذۂ کرام زید مجدہم کے مشورہ سے تقریباً ۱۰ جلدوں پر مشتمل خطباتِ شیخ چترپوری کے نام سے ایک عظیم علمی شاہکار وجود میں آرہا ہے۔

بلاشبہ تمام تر لوازمات کی کماحقہٗ رعایت کرتے ہوئے تقریر سے تحریر کا اسلوب اختیار کرنا مجھ جیسے عاجز انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ تاہم بندہ عاجز نے چند امور کا لحاظ رکھا ہے۔

① ۔حتی الوسع حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا حقیقی مواد تحریر میں لایا گیا ہے۔

② ۔مکررات کو حذف کر کے تحریر کو آسان اسلوب میں رکھا گیا ہے۔

③ ۔ہر موضوع پر اٹھنے والے سوالات کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

④ ۔ انہی اجمالی سوالات کو حل کرتے ہوئے اس میں عام فہم ضروری عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

یہ خطباتِ شیخ چترپوری تقاریر کا مجموعہ ہے جنہیں قلم بند کر کے زیور طبع سے آراستہ کرنے میں میرے جن معاونین کا خلوص اور محنت میرے ساتھ رہی ان کا میں تہہ دل سے بے حد ممنون وشکر گزار ہوں جن میں برادر مکرم جناب محمد الطاف موتی صاحب، جناب مولانا خالد محمود صاحب اور جناب بھائی محمد فیاض صاحب (مالک مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی) وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔

قابلِ ذکر بھائی محمد فیاض صاحب علم اور علماء کے وہ قدردان شخص ہیں جو میرے حوصلے ''آسان درسِ قرآن'' سے لے کر ''خطبات شیخوپوری'' تک مسلسل بڑھاتے رہے اور میرے اس کام پر بھرپور توجہ اور لگن کا اظہار فرماتے رہے۔ یقیناً ان خطبات کو منظر عام پر لانے کا پہلا سہرا بھی پھر انہی کے سر سجتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام مساعیٔ جمیلہ میں ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

اور میں بے حد ممنون ہوں اپنے شفیق و مہربان استاذ محترم جناب حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب زید مجدہم (نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) کا جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود نظر ثانی فرما کر بعض جگہ تصحیح فرمائی اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام متوسلین حضرات اساتذۂ کرام، والدین اور میرے تمام معاونین کے لئے اس کتاب کو ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

تقبل اللہ منّا و ممّن سعٰی فیہ۔ آمین

دعا گو و دعا جو

بندہ مولانا اشفاق احمد عفا اللہ عنہ

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
امام و خطیب جامع مسجد بلال
ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
0321-2343648

اجمالی فہرست

برائے

خطباتِ شیخوپوری

صفحات	موضوعات	نمبرشمار

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

وراثت کی تقسیم کا شرعی طریقہ کار

نشست اول

- ......تقسیم میراث کی اہمیت۔
- ......وراثت کی تقسیم میں ہونے والی کوتاہیاں۔
- ......کیا بیٹیوں کو دیا جانے والا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟
- ......کیا اولاد کو عاق کیا جاسکتا ہے؟
- ......کیا مال حرام میں بھی قانون وراثت جاری ہوسکتا ہے؟
- ......کیا بہنوں کے معاف کرنے سے وراثت معاف ہوجاتی ہے؟
- ......کیا اپنے وارث کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

وراثت کی تقسیم کا شرعی طریقہ کار

نشست ثانی

- ...... تقسیم میراث کی اہمیت۔
- ......وراثت کی تقسیم میں ہونے والی کوتاہیاں۔
- ......کیا بیٹیوں کو دیا جانے والا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟
- ......کیا اولاد کو عاق کیا جاسکتا ہے؟
- ......کیا مال حرام میں بھی قانون وراثت جاری ہوسکتا ہے؟
- ......کیا بہنوں کے معاف کرنے سے وراثت معاف ہوجاتی ہے؟
- ......کیا اپنے وارث کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

جبرواکراہ
کی شرعی حیثیت

- ......فطری جبر اور قانونی جبر میں کیا فرق ہے؟
- ...... جہاد کا مقصد کیا ہے؟ قبول اسلام کے یے جبر یا کچھ اور!
- ......کیا اسلامی حدود وتعزیرات کا اجرا جبر کے ضمن میں آتا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

منصب خلافت امت مسلمہ کی متاعِ گم گشتہ

۞......بیعت، خلافت اور امامت میں کیا فرق ہے؟

۞......اسلام میں خلافت کی کیا اہمیت ہے؟

۞......نظام خلافت کیسے قائم ہوگا؟

۞......خلیفہ میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

۞......کیا ایک وقت میں کئی خلفاء ہو سکتے ہیں؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

میڈیا کا
مثبت اور منفی کردار

نشست اول

- ......دورحاضر میں میڈیا کی اہمیت
- ......کیا الیکٹرونک میڈیا مطلقاً حرام ہے۔
- ......میڈیا کے ذریعے اسلامی تشخص کیسے تباہ کیا جارہا ہے؟
- ......کیا جدید دنیا میں جنگیں میدان جنگ کے بجائے میڈیا پر لڑی جارہی ہیں؟
- ......عالمی سطح پر یہودی لابی کا ہر قسم کے میڈیا پر قبضہ مسلم دنیا کو کیا پیغام دے رہا ہے؟
- ......حال ہی میں بنائی جانے والی ایک فلم میں اسلامی شعائر اور ضروریات دین کا مذاق کیسے اڑایا گیا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

میڈیا کا
مثبت اور منفی کردار

نشستِ ثانی

- ......دور حاضر میں میڈیا کی اہمیت
- ......کیا الیکٹرونک میدیا مطلقاً حرام ہے۔
- ......میڈیا کے ذریعے اسلامی تشخص کیسے تباہ کیا جا رہا ہے؟
- ......کیا جدید دنیا میں جنگیں میدان جنگ کے بجائے میڈیا پر لڑی جا رہی ہیں؟
- ......عالمی سطح پر یہودی لابی کا ہر قسم کے میڈیا پر قبضہ مسلم دنیا کو کیا پیغام دے رہا ہے؟
- ......حال ہی میں بنائی جانے والی ایک فلم میں اسلامی شعائر اور ضروریات دین کا مذاق کیسے اڑایا گیا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

تقلید کی شرعی حیثیت

- ......قرآن وحدیث کی موجودگی میں کسی امام کی تقلید کیوں؟
- ......تقلید وعدم تقلید کے فوائد ونقصانات
- ......تقلید مطلق اور تقلید شخصی میں کیا فرق ہے؟
- ......ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں ضروری ہے؟
- ......کیا کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے؟
- ......کیا صحابہ کرامؓ، تابعین اور کبار محدثین نے بھی تقلید کی؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

مسلم معاشرے میں مسجد کا حقیقی تصور

- ......اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی تربیت میں مسجد کا کردار کیا ہے؟
- ......معاشرے میں مسجد کا کردار محدود کرنے پر ایک نظر
- ......مسجد میں ادائیگی نماز کے علاوہ اور کون سے امور سرانجام دینا ضروری ہیں؟
- ......مسجد کے تاریخی کردار کو زندہ کرنے کے لئے ہم کیا کرسکتے ہیں؟
- ......مسجد اور دوسری عبادت گاہوں میں کیا فرق ہے؟
- ......مسجد کے ضروری آداب کیا ہیں؟
- ......مسجد کی تزیین و آرائش کہاں تک جائز ہے؟

اسلام کا نظامِ وراثت

۞......شریعت کی اصطلاح میں علم میراث کو علم فرائض کہا جاتا ہے۔

۞......نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ وہ نصف علم ہے اور بلاشک وہ بھلا دیا جائے گا اور میری امت سے یہی علم سب سے پہلے سلب کیا جائے گا۔

۞......نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم فرائض کو ایسے اہتمام سے سیکھو جیسے قرآن کو سیکھتے ہو۔

تفصیلی فہرست

خطباتِ شیخوپوری جلد چہارم

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

ختم شد

وراثت کی تقسیم کا شرعی طریقہ کار

نشست اول

ازافادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

پہلی نشست

- تقسیم میراث کی اہمیت
- وراثت کی تقسیم میں ہونے والی کوتاہیاں
- کیا بیٹیوں کو دیا جانے والا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟
- کیا اولاد کو عاق کیا جاسکتا ہے؟
- کیا مال حرام میں بھی قانون وراثت جاری ہوسکتا ہے؟
- کیا بہنوں کے معاف کرنے سے وراثت معاف ہوجاتی ہے؟
- کیا اپنے وارث کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَحۡدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَهٗ

اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ وَلِلنِّسَآءِ
نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ
نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝

(النساء آیت نمبر 7 پارہ 4)

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡمُ

میرے بزرگو اور دوستو! ماؤں، بہنوں اور بیٹیو!

جیسا کہ آپ کو بتایا گیا آج کی نشست میں ہم کتاب وسنت کی روشنی میں

وراثت کی تقسیم کا جائزہ لیں گے، اور اس موضوع پر گفتگو کے آغاز سے قبل میں آپ سے درخواست کروں گا کہ دل میں نیت کر لیجیے کہ انشاء اللہ ہم وراثت کی تقسیم میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات واحکامات کو اہمیت دیں گے، اور ان پر دل وجان سے عمل کریں گے، اس لیے کہ آج کے دور میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو وراثت کی تقسیم میں قرآن کریم اور احادیث کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہیں۔ جن شعبوں میں ہم نے قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر خاندان اور رسم ورواج اور قوم وقبیلے کے تعارف کو اہمیت دی ہے، اور اپنی زندگی میں انہیں پر عمل کر رہے ہیں، تو ان میں سے ایک شعبہ میراث کا بھی ہے۔ اور تقسیم میراث میں گڑبڑ اور کمزوری صرف اس طبقے میں نہیں پائی جاتی جو بظاہر دین سے دور ہے بلکہ وہ حضرات جو اپنی شکل وصورت کی وجہ سے اور عبادات کی پابندی کی وجہ سے دین دار کہلاتے ہیں، ان میں بھی ایسے لوگ بہت کم ہیں جو تقسیم میراث میں اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے احکامات کو بالاتر تسلیم کریں اور اپنے مفادات اور اپنی خواہشات کو کچل کر اس مٹے ہوئے فریضے کو زندہ کریں۔

موت پر سب کا اتفاق

محترم خواتین وحضرات! اس دنیا میں رہنے والے انسانوں میں بے شمار اختلافات پائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ اللہ کی ذات کے بارے میں اختلاف، نبوت ورسالت کے بارے میں اختلاف، آخرت کے بارے میں اختلاف، فرشتوں کے بارے میں اختلاف، بہت سارے اختلاف ہیں، لیکن ایک چیز

ایسی ہے جس پر ہر قوم اور مذہب والے لوگ متفق ہیں، اور وہ یہ کہ انسان اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا، جو آیا ہے وہ جانے کے لیے آیا ہے کوئی جاندار چیز ایسی نہیں جو موت کا مزہ چکھے بغیر رہ سکے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: کل نفس ذائقة الموت جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو وہ اپنے پیچھے کچھ نہ کچھ چھوڑ کر جاتا ہے، کوئی مکان، کوئی پلاٹ، کوئی زیور، کوئی گاڑی، کوئی برتن، کوئی دکان، کوئی فیکٹری، کوئی کارخانہ، اور کچھ نہیں تو تن کا لباس۔ انسان جو کچھ چھوڑ کر جاتا ہے اسے ترکہ بھی کہا جاتا ہے، اور اس کو میراث بھی کہا جاتا ہے، اور ترکہ اور میراث کی تقسیم کے بارے میں ہر مذہب اور ملت نے کچھ ہدایات دی ہیں۔

اسلام کا ممتاز نظامِ تقسیم میراث

منصفانہ قانون تقسیم وراثت صرف اسلام کا ہے میری معلومات کی حد تک کوئی ایسا مذہب نہیں ہے، جس میں مرنے والے کی میراث کے بٹوارے کا طریقہ نہ بتایا گیا ہو، لیکن اسلام کا جو نظام تقسیم میراث ہے یہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے سارے مذاہب کے نظام تقسیم میراث سے ممتاز ہے، اور انسان جب ان خصوصیات پر غور کرتا ہے تو وہ اسلام کی سچائی تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس مذہب میں ایسی باریکیوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ مذہب یقیناً انسانی اختراع نہیں ہوسکتا اور بشری سوچ کا نتیجہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ مذہب ایسی ذات کا بنایا ہوا اور نازل کیا ہوا ہے جو صرف پہلی صدی کے انسانوں کے نہیں بلکہ سارے

زمانوں اور سارے جہانوں کے انسانوں کی ضروریات سے، ان کی کمزوریوں سے، ان کے کی طبیعت میں پائے جانے والے مالی رجحانات سے، اور پھر زیادتی ہونے کی صورت میں اٹھنے والے فتنوں فساد سے قتل و قتال سے اور جھگڑوں سے تو اچھی طرح واقف ہیں۔

اسلامی قانون وارثت کی خصوصیات

اسلام نے میراث کی تقسیم کا جو نظام دیا اس کی پانچ بڑی خصوصیات ہیں:

پہلی خصوصیت یہ کہ اسلام کہتا ہے کہ: میت اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑ جائے اسے حقداروں میں تقسیم کیا جائے گا، خواہ وہ استعمال کی چیزیں ہوں، خواہ وہ تجارتی سامان ہو، خواہ وہ دکان اور زمین ہو، ہر چیز کو تقسیم کیا جائے گا، حتی کہ اس کے بدن کے کپڑے اور استعمال کے جوتے برتن اور خوشبویات، یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جن کی طرف عام طور پر نظر نہیں جاتی، اسلام کا حکم یہ ہے کہ سب کچھ وارثوں میں اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں ترکہ کے ساتھ معاملہ

جبکہ اسلام سے پہلے صرف وہی اشیا تقسیم کی جاتی تھیں جن سے نفع حاصل ہونا ممکن ہوتا تھا باقی رہی مرنے والے کی استعمالی چیزیں، تو بعض مذاہب میں تو یہ تھا کہ ان چیزوں کو میت کے ساتھ ہی دفن کردیا جائے۔ آج جو مصر کے فرماں رواؤں کی حنوط شدہ لاشیں احراموں میں دریافت ہو رہی ہیں تو وہ لاشیں بڑے بڑے صندوقوں میں اور ان صندوقوں میں دیکھا گیا کہ ان کے استعمال

کی چیزیں بھی ان کے ساتھ ہی رکھ دی گئی ہیں تو بعض مذاہب میں تو یہ تھا کہ مرنے والے کی استعمالی چیزیں اس کے ساتھ ہی قبر، میں صندوق میں، تابوت میں دفن کردی جاتی تھیں، بعض ان چیزوں کو جلا دیتے تھے، میرا اپنا ناقص خیال یہ ہے کہ شاید اس میں تقدس کا پہلو ہو کہ اتنی بڑی شخصیت کے استعمال میں جو چیزیں رہیں تو اب ان چیزوں کو کسی ناقص اور کمزور آدمی کو استعمال نہیں کرنا چاہیے، یا خود ان کی غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی ہو جیسا کہ میں سنتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب! یہ کہاں تک حقیقت ہے۔

بعض مسلمان شہزادے ایسے ہیں کہ جو گاڑیاں وہ استعمال کر لیتے ہیں تو ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان گاڑیوں کو کوئی دوسرا استعمال نہ کر سکے چاہے وہ کھڑی کباڑ ہی بن جائیں۔ اور خواتین کے بارے میں تو یہ کہ عام معمول بن گیا، خود بڑے بڑے مسلمانوں کے اندر، دین داروں کے اندر بھی کہ جو خاتون کسی بڑے کے نکاح میں رہے اگرچہ اس کے شوہر کا جوانی میں انتقال ہو جائے، تو پھر بھی اس کی شادی کسی اور سے نہیں کرتے، بیوہ کے نکاح کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے، بالخصوص جب وہ کسی بڑی شخصیت کے نکاح میں رہی ہو، تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ عام بزرگوں کو بھی معاذ اللہ! پیغمبر کا مقام دے دیا گیا کہ جیسے پیغمبر کی جو بیوائیں تھیں ان کے ساتھ نکاح کرنا امت کے لیے جائز نہیں تھا، اور جائز نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ امت کی روحانی مائیں تھیں اور ساری امت ان کے روحانی بیٹے، تو روحانی بیٹوں کے لیے اپنی روحانی ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں تھا، لیکن ہمارے ہاں عام بزرگوں کے لیے بھی یہ چیز بنالی گئی کہ

جو خاتون ان کے نکاح میں رہی اگر ان کا انتقال ہو جائے تو کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں دیتے، تو میرا یہ ایک ذاتی قسم کا تجزیہ ہے اور خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں تقدس کا کوئی پہلو ہو، جس کی وجہ سے وہ مرنے والے کی استعمالی چیزوں کو تقسیم نہیں کرتے اور جلا دیتے ہیں، اور تیسرا طریقہ یہ تھا کہ مرنے والے کی استعمالی اشیاء ہتھیا لیتے، جس کا داؤ چل گیا جس کے ہاتھ میں جو آ گیا وہ لے اڑا، جیسا کہا گیا کہ:

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

آپ اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بدل کر یہ بھی کہہ سکتے ہیں: جو بڑھ کر اٹھا لے کپڑے اسی کے ہیں، جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں گھڑی اسی کی ہے، جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں موبائل اسی کا ہے جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں فرنیچر اسی کا ہے، بلکہ ہم تو ایسے پیٹو اور لالچی بن گئے کہ جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں مکان اسی کا ہے، جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں گاڑی اسی کی ہے، جو بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں جائیداد اسی کی ہے۔

کمزور پر ظلم

ایسا ہو رہا ہے کہ جو زور آور بھائی ہیں وہ قبضہ جما لیتے ہیں اور کمزور بے چارہ محروم رہتا ہے۔ ہماری مسجد میں ایک نمازی ہے، وہ بے چارہ دو دو تین تین ڈیوٹیاں کرتا ہے، اور جہاں بے چارے کو جگہ ملتی ہے وہاں رات گذار لیتا ہے،

اس لیے کہ کرائے کا مکان لینے کی طاقت نہیں ہے، کبھی رات مسجد میں گذار لیتا ہے، کبھی اس کو کوئی چوکیدار کے طور پر اپنی جگہ میں سلا دیتا ہے، وہاں سو جاتا ہے۔ اس نے چند دن پہلے مجھے بتایا کہ میری جائیداد پر میرے حقیقی بھائی نے قبضہ کیا ہوا ہے، اور وہ اپنے علاقے کا سردار ہے اور اس کے پاس کئی کئی گاڑیاں ہیں۔ ایک بھائی کا حال یہ ہے اور دوسرا بھائی کس کسمپرسی کی زندگی گذار رہا ہے! تو پہلی خصوصیت اسلام کے نظام تقسیم میراث کی یہ ہے کہ مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو ہر چیز کو تقسیم کیا جائے۔

مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کی احتیاط

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنے والد مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بتایا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں خاص طور پر وہ اس چیز کا بڑا اہتمام کرتے تھے کہ ان کے کمرے میں اگر گھر کی کوئی چیز آجاتی تو اسے فوراً واپس کر دیتے تھے، حتیٰ کہ پیالی پلیٹ اور کپ تک اسے واپس کر دیتے تھے، کمرے میں جو کچھ ہے میری ذاتی ملکیت ہے اور اس سے باہر جو ہے وہ گھر والوں کا مشترکہ ہے یا بیٹوں کا ہے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال ہو جائے تو جو گلاس جو کپ کسی بیٹے کی ملکیت ہے اسے بھی میری ملکیت سمجھ کر وراثت میں تقسیم کر دیا جائے، اس قدر اہتمام! کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والے کی ہر چیز کو تقسیم کیا جائے، اس کا چشمہ تک، اس کی ٹوپی تک، گھڑی تک، اس کے موزے تک، اس کی چپلیں

تک۔

اسلام میں وراثت رشتہ داروں کا حق ہے

دوسری خصوصیت نظام تقسیم میراث کی یہ ہے کہ وراثت اقارب کا حق ہے رشتہ داروں کا حق ہے، غیر رشتہ داروں کا حق نہیں ہے جبکہ بعض اقوام کے ہاں یہ تصور ملتا ہے کہ وہ وراثت کی تقسیم کے وقت پڑوسیوں کو ترجیح دیتے تھے، مرنے والے کے دوست احباب کو ترجیح دیتے تھے اس کے ساتھ معاہدہ کرنے والوں اور تعاون کرنے والوں کو ترجیح دیتے تھے اور رشتہ داروں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کہتا ہے کہ وراثت مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں سب کا حق ہے جو قریبی رشتہ دار ہے اور جس کا حصہ اللہ نے بیان فرمایا ان سب کا حق ہے، نہ اس میں جنس کی تقسیم کے فرق کو رکاوٹ بننے دیا جائے گا نہ کسی کا چھوٹا بڑا ہونے کا لحاظ کیا جائے گا چنانچہ جو آیت کریمہ میں نے خطبہ میں تلاوت کی:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

(النساء آیت نمبر 7 پارہ نمبر 4)

مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو کچھ والدین چھوڑ کر مر گئے یا رشتہ دار چھوڑ کر مر گئے:

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

(النساء آیت نمبر 7 پارہ نمبر 4)

عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں جو والدین چھوڑ کر مر گئے یا رشتہ دار، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورت۔ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کے کلام میں بڑی باریکیوں کا لحاظ کیا گیا ہے، دیکھیے! اسی سے یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا وہ وراثت میں تقسیم کیا جائے۔

مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

علماء جانتے ہیں یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہے اسے تقسیم کیا جائے خواہ قلیل ہو یا کثیر استعمال کی چیزیں ہوں یا تجارتی سامان یہ بات سمجھ میں آجانے کے باوجود اللہ پاک نے صراحۃً فرمایا مما قل منہ او کثر چاہے مرنے والے نے قلیل چھوڑا ہو یا کثیر چھوڑا ہو تھوڑا چھوڑا ہو یا زیادہ چھوڑا ہو سب کچھ تقسیم کیا جائے گا اس نے دس روپے چھوڑے ہیں تو اس کو بھی تقسیم کیا جائے گا۔

نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

اللہ کہتا ہے میں نے خود اسے متعین کر دیا ہے جو حصے میں نے متعین کیے جن رشتہ داروں کے لیے ان میں مرنے والے کے چھوڑے ہوئے مال کو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو تقسیم کیا جائے۔

قرآن کا یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب خود قرآن کے نازل ہونے کے مقام پر اور پوری دنیا میں جنس کا فرق کیا جاتا تھا اور چھوٹا بڑا ہونے کا بھی فرق کیا جاتا تھا اسلام نے تو بڑا سادہ رکھا بہت ہی سادہ رکھا کفن دفن، حتی کہ اس لباس میں

بھی کفن دیا جا سکتا ہے، میں قربان جاؤں اپنے آقا کے پہلے خلیفہ کے قدموں کی خاک پر، جب ان کے لیے اچھے کپڑے کا انتظام کیا جانے لگا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ امت کے کسی غریب فرد کے کام آجائے گا، قبر میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کفن کیسا پہنا ہے؟ قبر میں تو دیکھا جائے گا کہ میرے اعمال کیسے ہیں؟ لہٰذا مجھے اسی میں دفن کردو! تو اسلام نے ممکن بنایا، سادہ کفن دفن، مرد کے لیے ازار ہے، لفافہ ہے، کرتا ہے، عورت کے لیے دو چیزیں اور ہیں، سینہ بند ہے، اوڑھنی ہے۔

سب سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے

اور سن لیجیے عجیب مسئلہ ہے! اگر قرض خواہوں نے مطالبہ کیا کہ کفن اور مختصر کرو تاکہ ہمارا قرض ادا ہو سکے تو اس سامان میں بھی تخفیف کرنا جائز ہے، پرانے کپڑے میں کفن دے سکتے ہیں، اسی لباس میں کفن دے سکتے ہیں، انہیں کپڑوں میں کفن دے سکتے ہیں، یہ پانچ کپڑے یا تین کپڑے ہونا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے، آپ اندازہ کیجیے کہ قرض کی ادائیگی کتنی اہم ہے کہ ان کے مطالبہ پر ان کے کفن میں کمی کی جا سکتی ہے، ہم کفن کے سامان میں تو کیا کمی کریں گے، ہم تو اپنی رسموں میں بھی، بدعتوں میں بھی کمی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ قرض خواہوں کا قرض ملے یا نہ ملے لیکن چالیسواں ایسا زوردار ہونا چاہیے کہ پورے علاقے کو پتا چل جائے کہ کتنے بڑے جاگیردار کی ماں فوت ہوئی ہے، تو کسی کے انتقال کے بعد جو کچھ اس نے چھوڑا ہے اس میں سب سے پہلے

کفن کا انتظام کیا جائے۔

عرب کا پُرانا قانون

اور دوسری چیز اگر اس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو تو قرض ادا کیا جائے۔
عرب، خواتین کو میراث نہیں دیتے تھے، بیٹیوں کو نہیں دیتے تھے، چھوٹے بچوں کو بھی نہیں دیتے تھے، ان کے ہاں ایک محاورہ تھا جسے انہوں نے گویا کہ ایک قانون کی حیثیت دے رکھی تھی کہ میراث میں حق صرف اس کا ہے جو گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر دشمن کے ساتھ جنگ کر سکتا ہے، اور کسی کا میراث میں حق نہیں ہے، لہٰذا بچوں کا بھی حق نہیں اور عورتوں کا بھی حق نہیں۔

اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا واقعہ

احادیث میں ایک واقعہ بیان کیا گیا: حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا انہوں نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں اور ایک نابالغ بیٹا اور بیوی چھوڑی۔ یہ کل چار افراد انہوں نے چھوڑے تو عرب کے چلے ہوئے طریقے کے مطابق حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے چچازاد بھائیوں نے ان کی ساری میراث پر قبضہ کر لیا، اس بے چاری بیوہ نے انہیں پیشکش کی یہ ظلم نہ کرو اگر میراث ہتھیانا ہی چاہتے ہیں تو کم از کم یہ جو دو تمہاری چچازاد بہنیں ہیں ان کے ساتھ نکاح ہی کر لو، میں ان کا بوجھ کہاں اور کیسے اٹھاؤں گی؟ وہ رشتہ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یتیم بچیاں رہ جاتیں ان کے کزن ان کے چچازاد ان کی جائیداد پر تو قبضہ جما لیتے، لیکن خود بعض وجوہ سے ان کے ساتھ رشتہ کرنے

کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے تھے، اس لیے اللہ نے اس سے پہلے سورۂ نساء کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالی نے فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

(النساءآیت نمبر 3پارہ4)

اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر ان کے ساتھ نکاح نہ کرو دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرلو۔ جب ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی جائیداد میں سے بھی حصہ دینے کے لیے بھی وہ تیار نہ ہوئے اور بچیوں کے ساتھ رشتہ کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی مظلومیت کی داستان حضور ﷺ کے سامنے بیان کی حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حکم کا انتظار کرو، چنانچہ اللہ پاک نے آسمان سے یہ حکم اتار دیا:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ

وراثت کا معیار اقربیت ہے

تو یہ تیسری خصوصیت ہے اسلام کے نظام کی کہ وراثت میں مردوں اور عورتوں بچوں اور بڑوں سب کا حق ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اقربیت قریبی رشتہ وراثت کا معیار ہے کوئی دوسری

چیز معیار نہیں ان میں سے کون زیادہ غریب ہے کون امیر ہے؟ اس بات کو بھی نہیں دیکھا جائے گا کہ غریب کو زیادہ اور امیر کو کم دیا جائے کون چھوٹا ہے کون بڑا اس کو بھی نہیں دیکھا جائے بلکہ اقربیت کو دیکھا جائے گا کہ قریبی رشتہ کس کا ہے یہ وراثت کی تقسیم کا معیار ہے، جبکہ عیسائیوں کے ہاں بڑے بیٹے کو ترجیح دی جاتی ہے بڑا بیٹا ہی سفید اور سیاہ کا مالک بن جاتا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ چھوٹے بھائیوں پر چھوٹے بچوں پر صاف صاف ظلم تھا۔

پانچویں خصوصیت اسلام کے نظام تقسیم میراث کی وہ یہ کہ وراثت کی وجہ سے ہر وارث کو قطعی طور پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے جبکہ ہندوؤں کے ہاں، رومیوں اور یونانیوں کے ہاں اور ہم کیسے کہیں کہ خود بعض مسلمانوں کے ہاں بھی یہ ہے کہ زمین مکان یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو خاندان میں مشترک رکھا جاتا ہے اور کسی ایک وارث کو بیچنے کی یا اپنا حصہ الگ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، لیکن اسلام نے بتایا کہ ہر وارث کو قطعی طور پر وراثت حاصل ہوگئی اپنا حصہ وہ الگ بھی کر سکتا ہے اور اپنے حصے کو ضرورت کے تحت وہ بیچ بھی سکتا ہے، ہمارے ہاں دیہاتوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ زمین کا بیچنا یہ ایسے ہے جیسے ماں کا بیچنا ہے چنانچہ وارثوں میں سے کسی وارث کو اپنا حصہ بیچنے کی جرات نہیں ہوتی کیونکہ ذہنوں میں یہ بٹھا دیا گیا کہ دھرتی، یہ زمین، یہ مال اس کو بیچنا ماں کو بیچنا ہے سود کھالیں گے، سودی قرضے لے لیں گے، اپنی زندگی کو اجیرن بنالیں گے حج فرض ہونے کے باوجود کبھی حج نہیں کریں گے اتنی جائیداد کے مالک کہ حج فرض ہو چکا۔

کیونکہ علماء کہتے ہیں؛ جو زمین اور جائیداد کا مالک ہو اور اسے بیچ کر حج کے

اخراجات حاصل ہو سکتے ہوں اس پر حج فرض ہے اور آپ بھی جانتے ہوں گے اور میں ایسے بڑے بڑے جاگیرداروں کو جانتا ہوں کہ جن کی زمین لاکھوں کی نہیں، کروڑوں کی اربوں کی ہے مگر کوئی وارث بیچنے کی جرأت نہیں کرتا اور بیچ کر حج نہیں کرتا۔

میں کل ہی پنجاب سے آیا ہوں وہاں ایک جگہ جانے کا اتفاق ہوا جہاں گیا ان کے والد نے ویسے تو بہت کچھ بنایا اس بہت کچھ میں ایک تیس ایکڑ کا رقبہ بھی تھا اب وہ شہر میں آچکا ہے تیس ایکڑ شہر میں آچکا ہے۔ اس وقت تو اس نے کل ساڑھے تین لاکھ میں یہ رقبہ خریدا تھا اور آج ان کے بقول اس کی قیمت کروڑوں میں یا شاید ارب سے بھی زیادہ ہو ایسا قیمتی رقبہ کہ آج ایک ایک مرلے اور گز کی قیمت لگ رہی ہے اور کئی بھائی ہیں مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہیں ہے کہ وہ اپنا حصہ الگ کر لیں یا کچھ بیچ کر حج ہی کر لیں یہ جرأت نہیں ہے۔ اور شرم کی بات یہ ہے کہ ویسے وہ دین دار بھی ہے ماشاء اللہ! ان میں حافظ بھی ہیں نمازی بھی ہیں مسجدوں مدرسوں کے ساتھ تعاون کرنے والے بھی ہیں۔ یہ ایک مثال نہیں بہت ساری مثالیں ہیں، لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ ہر وارث کا اپنے حصے پر قبضہ ہوگا، ہر وارث اپنے حصّے کا قطعی طور پر مالک ہوگا، اور اسے اختیار ہوگا، چاہے اسے بیچے چاہے الگ کر کے اسے تقسیم کرے۔

قانون وراثت کی اہمیت

یہ تو پانچ خصوصیات ہیں اسلام کے نظام تقسیم میراث کی۔ دوسری چیز جو آج

کی نشست میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اس کی اہمیت ہے، اہمیت کا اندازہ آپ ایک اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ وراثت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور اسلام کا مطالعہ رکھنے والا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسلام میں حقوق اللہ سے کہیں زیادہ حقوق العباد کو اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق اللہ میں، نماز روزہ میں کوئی کمی رہ جائے ممکن ہے اللہ پاک اس بندے کو اس کی کسی دوسری نیکی کی وجہ سے معاف فرما دیں لیکن اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے تو اس وقت تک معاف نہیں کیا جائے گا کہ جب تک خود صاحب حق معاف نہ کرے یا اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے اس کو دے کر راضی نہ کر دے اس وقت تک معاف نہیں کیا جائے گا۔

پھر قرآن کریم کو دیکھیں ایک تو الفاظ ایسے ہیں اللہ فرماتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۔

(النساء آیت 11 پارہ 4)

اللہ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ واراثت کی تقسیم کو بیان کیا تو یہ الفاظ استعمال کیے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ

اللہ وصیت کرتا ہے، اللہ تاکید کرتا ہے پھر قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ کلیات کو بیان کرتا ہے جزئیات کو نہیں، لیکن وراثت میں اللہ پاک نے جزئیات کو بھی خود بیان کیا ہے۔ قرآن کے بعد سرور عالم ﷺ کے ارشادات کو دیکھیں تو آپ نے علم میراث سیکھنے کی بڑی تاکید فرمائی۔ یہ بھی جان لیجیے کہ علم میراث کو علم الفرائض

بھی کہا جاتا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ فَإِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ

فرائض کا علم وراثت کا علم سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ! اس لیے کہ یہ آدھا علم ہے، نصف علم ہے، کیونکہ موت سے پہلے جو کچھ تھا اس کا زندگی سے تعلق تھا اور اب جو کچھ ہے میراث، اس کا موت کے بعد سے تعلق ہے۔

تو گویا کہ مومن کی زندگی کے دو حصے ہیں ایک کا تعلق زندگی سے ہے اور دوسرے کا تعلق اس کے مرنے کے بعد سے ہے تو علم میراث، نصف علم، آدھا علم قرار دیا اور فرمایا کہ:

وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْسٰى

سب سے پہلے جس علم کو میری امت میں بھلایا جائے گا وہ میراث کا علم ہے

وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْتَزَعُ مِنْ أُمَّتِيْ

اور وہ پہلی چیز ہے جس سے میری امت کو محروم کر دیا جائے گا، علم سے بھی محروم ہوسکتی ہے امت؟ یہ تو سیدھا سادھا معنی ہے، اور عمل سے بھی امت محروم ہوسکتی ہے، جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ

قرآن سیکھو لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض اور میراث کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ اور علم سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ فرمایا اس لیے کہ میں تو جلد ہی دنیا

سے اٹھا لیا جاؤں گا اور علم اٹھ جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ یہ صورت ہوگی کہ دو شخص وراثت کے بارے میں اختلاف کریں گے لیکن انہیں کوئی ایسا نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔

انتقال کے بعد ورثاء کو سب سے پہلے کیا کرنا چاہئے

تیسری چیز جو آج کی نشست میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکے اور میراث کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کون سا حق پہلے ادا کیا جائے گا اور کون سا حق بعد میں ادا کیا جائے گا؟ تو جان لیجیے کہ جب کسی انسان کا انتقال ہو تو اس نے جو کچھ چھوڑا ہے سب سے پہلے اس کے چھوڑے ہوئے مال سے تجہیز اور تکفین کا انتظام کیا جائے اور اس میں سادگی کو ملحوظ رکھا جائے، تکلفات نہیں، اسراف اور فضول خرچی نہیں، اللہ کا شکر ادا کیجیے ابھی تک ہمارے لیے سادگی پر عمل کرنا ممکن ہے، وگرنہ بعض ممالک میں مردے کو دفن کرنا اتنا بڑا معاملہ ہے کہ اتنا ہی خرچہ ہو جاتا ہے جتنا شادی پر خرچ ہوتا ہے۔

عیسائیوں کا حیرت انگیز طرزِ عمل

مجھے جنوبی افریقہ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں عیسائیوں کی اکثریت ہے تو پتا چلا کہ بعض اوقات رسومات کے انتظار میں کئی کئی دن انتظار کیا جاتا ہے انتظامات کا انتظار کیا جاتا ہے پیسے کے حصول کا انتظار کیا جاتا ہے کہ وہ سب وسائل جمع ہو جائیں تو ہم مردے کو دفن کر سکیں، مردے کو دفن کرنے کے لیے سودی قرضے

تک لیے جاتے ہیں۔

سادگی اپنائیے

ہمارے لیے سادگی پر عمل کرنا اس ملک میں ممکن ہے لیکن ہم نے کچھ اور چیزیں اپنے ساتھ ملا دی ہیں اور ان کو بھی تجہیز وتکفین کا حصہ بنا دیا ہے، جب مردہ دفن کیا جاتا ہے اسی وقت سے بعض حریص اور لالچی لوگ وصول کرنا شروع کر دیتے ہیں، اللہ معاف فرمائے! دینی برادری کا نام لیتے ہوئے اچھا نہیں لگتا، لیکن بہت سے مولویوں کا پیشہ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ تو بڈھوں کی موت کی دعا کرتے ہیں: اللہ! جلدی رخصت ہو جائے، خاص طور پر کوئی مالدار بڈھا ہو تو دعا کرتے ہیں کہ جلدی رخصت ہو جائے تاکہ میری بھی دال روٹی کا انتظام ہو جائے، ہم نے دیکھا کہ وہ کسی دوسرے کو غسل نہیں دینے دیتے تمہیں حق نہیں ہے تم نہیں جانتے کیسے غسل دیا جائے۔ اور مقصد کیا ہے؟ وارثوں سے کچھ نہ کچھ بٹورنا، ہتھیانا، اڑانا، ورنہ یہ نہیں کہ اس کے دل میں مرنے والی کی بڑی محبت ہے یا اسے کارِ ثواب سمجھ کر یہ کرتا ہے، حالانکہ ہر مسلمان کو غسل دینے کا طریقہ سیکھنا چاہیے اور ایسے لوگ ہونے چاہیے کہ جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں بالخصوص خواتین اس لیے کہ مردوں کو غسل دینے والے تو بہت مل جاتے ہیں اور خواتین کو غسل دینے والی خواتین بہت کم ملتی ہیں۔ تو کچھ نہ کچھ تو اسی وقت وصول کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد ابھی ذکر آئے گا۔

ایک حیلۂ اسقاط ہوتا ہے سرحد میں وہ بھی عجیب تماشا ہے اور پھر تیجا، دسواں، چالیسواں اور دیہاتوں میں چالیس دن تک مولوی صاحب کے گھر میں

با قاعدہ لوازمات کے ساتھ کھانا بھیجنا دینا ضروری سمجھا جاتا ہے، جس کا چالیس دن کا کھانے کا انتظام ہو جائے لوازمات کے ساتھ وہ پھر کسی کے مرنے کی دعا نہیں کرے گا تو کیا کرے گا؟

تجہیز و تکفین کے بعد دوسرا کام قرض کی ادائیگی

ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے، اللہ کے نبی! جہاد میں حصہ لینا چاہتا ہوں مجھے اگر اللہ پاک شہادت نصیب فرما دیں تو کیا ملے گا؟ آقا نے فرمایا کہ تیرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، خوشی خوشی چلا کہ اللہ کی راہ میں جان دیتا ہوں کہ میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں حضور ﷺ نے واپس بلایا کہ ادھر آؤ مجھے ابھی جبرئیل امین نے بتایا کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں الا الدین مگر قرض شہید کو بھی معاف نہیں ہونگے شہید کون ہے؟ جس کے بارے میں اللہ کہتے ہیں کہ اسے مردہ نہ کہو یہ زندہ ہے، تمہیں اس کی زندگی کا شعور نہیں ہے، فرمایا اس کو بھی قرض معاف نہیں ہوتا۔

اور صحیح مسلم میں روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو نبی اکرم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے تھے: اس کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ اگر بتایا جاتا کہ قرض نہیں ہے تو آپ جنازہ پڑھاتے تھے، اور اگر بتایا جاتا کہ اس کے ذمہ قرض ہے تو پھر آپ صرف جنازے پڑھانے سے ہی انکار نہیں فرماتے بلکہ جنازے میں شرکت سے بھی انکار کرتے تھے، میں نہیں جنازہ پڑھتا تم پڑھ لو! ہاں جب خوشحالی کا دور آیا،

فتوحات ہوئیں، مال غنیمت، آنے لگا تو پھر آقا کو جب پتا چلتا کہ مرنے والے کے ذمے قرضہ ہے تو قرض کو اپنے اوپر لے لیتے اور جنازہ پڑھا دیتے حالانکہ صحابہ کرام کے قرض بہت محدود ہوتے تھے بعض اوقات تو وہ دو وقت کھانا پکانے کے لیے گھر میں قرض لیتے تھے ہماری طرح تعیشات کی خریداری کے لیے قرض نہیں لیتے تھے آج تعیشات کا رواج پڑ گیا، افراد سے قرضے لے رہے ہیں، بینکوں سے قرضے لے رہے ہیں، کس لیے؟ چھوٹا مکان ہے بڑا مکان بنانا چاہتا ہوں، کس لیے؟ بڑی گاڑی لینا چاہتا ہوں، کس لیے؟ بیٹے کی، بیٹی کی شادی ہے، ذرا دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہیں ہمارے قرضے! صحابہ کرام کے قرضے تو ایسے نہیں ہوتے تھے۔

ہمارے آقا ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن کے طور پر رکھی ہوئی تھی کہ آپ نے اس سے تھوڑا سا غلہ قرض کے طور پر خریدا ہوا تھا، تو محدود ہونے کے باوجود اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے ذمہ قرضہ ہوتا تو حضور ﷺ جنازے میں شرکت نہ کرتے تاکہ نبی ﷺ کے صحابہ کے دل میں قرض کی نفرت پیدا ہو۔

قرض دخولِ جنّت سے رکاوٹ

ایک حدیث میں آتا ہے سرور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب تک مومن کا قرض ادا نہ ہو اس کی روح کو روک دیا جاتا ہے، جنت سے روک لیا جاتا ہے، اعلیٰ مقام پر جانے سے روک دیا جاتا ہے، آقا نے فرمایا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے

سنا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں اور اس کے ذمہ قرض بھی ہے، میں کیا کروں؟ ان چھوٹے بچوں پر خرچ کروں یا اس کے ذمہ جو قرض تھا اس کو ادا کروں؟ آقا نے فرمایا: تیرا بھائی قرض کی وجہ سے قید میں ہے، قرض ادا کرو تا کہ اسے رہائی مل سکے۔ اور اگر اپنے ذمے جو قرض تھا کوئی ادا نہ کر سکا تو حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اس کی نیکیاں قرض خواہوں میں تقسیم کر دی جائیں گیں اور پھر بھی قرض ادا نہ ہو سکا تو قرض خواہوں کے گناہ اس کے ذمہ لاد دیئے جائیں گے۔ تو میرے بھائیو میری بہنو! قرض کا معاملہ بڑا حساس معاملہ ہے، اس میں احتیاط کیجیے! اگر کسی کا کوئی حق ہے اس کو ادا کرنے کی کوشش کیجیے۔ اور یہ ہمارے آقا کا وعدہ ہے آقا نے فرمایا: اگر کسی کے ذمہ قرض ہو اور وہ خلوص دل سے ادا کرنا چاہتا ہو اللہ ادائیگی کی صورت پیدا فرما دیتے ہیں، اور اگر وہ ادا ہی نہیں کرنا چاہتا اس کے لیے بے شمار بہانے ہیں۔

تو مرنے کے بعد سب سے پہلے تو کفن دفن کا انتظام، دوسرے نمبر پر قرض کی ادائیگی۔ اور یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہے کہ اگر اللہ توفیق دے تو مرنے والے کو آپ قرض معاف ہی کر دیا کریں، معاف کرنے کی عادت ڈالو بھائی! الحمد للہ! نہ صرف مرنے کی صورت میں بلکہ میں اپنی زندگی ہی میں شاید ہر رات اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے ہر فرد کو معاف کر کے ہی سوتا ہوں اور زندگی میں یہ معمول بنایا ہوا ہے کہ جس نے جو زیادتی کی حق کھا گیا یا ستایا یا غیبت چغلی کی میں نے اس کو معاف

کردیا اور نیت یہ کی کہ میں ان کو معاف کرتا ہوں شاید اللہ مجھے معاف کردیں۔

اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ایک شخص تھا جو لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اس نے اپنے خادم کو یہ تاکید کی ہوئی تھی کہ اگر کوئی مقروض تنگ دست ہو اس سے درگذر کیا جائے شاید اللہ قیامت کے دن مجھ سے درگذر فرمائیں چنانچہ جب انتقال ہوگیا اللہ نے فرشتوں سے فرمایا: یہ میرے کمزور غریب اور تنگ دست بندوں کو معاف کرتا تھا، ان سے درگذر کرتا تھا میں زیادہ حق دار ہوں اس بات کا کہ میں اس کے گناہوں سے درگذر کروں میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ تو اگر اللہ توفیق دے تو اس پر عمل کرلیں درجہ بہت بڑا ہے۔

کفن دفن اور ادائیگی قرض کے بعد میت کی وصیت پوری کی جائے

تیسری چیز قرض کے بعد جائز وصیت کی تکمیل ہے، اسلام اختیار دیتا ہے ہر عاقل بالغ شخص کو کہ وہ اپنے مال میں اتنی وصیت کرسکتا ہے کہ کفن دفن کا انتظام ہونے اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو ترکہ بچے اس کے ایک تہائی میں اس کی وصیت کو پورا کیا جاسکتا ہے اتنی وصیت کرنے کی اسلام ہر عاقل بالغ کو اختیار دیتا ہے۔ کسی مسجد کے لیے وصیت کردی، کسی مدرسے کے لیے وصیت کردی، ہسپتال کے لیے وصیت کردی، ایسے غریب رشتہ داروں کے لیے وصیت کردی جن کا وراثت میں حق نہیں تھا تو ایک تہائی تک جو اس نے مال چھوڑا ہے اس میں اس کی وصیت کو پورا کیا جائے گا لیکن اگر اس کے ذمہ قرضہ اتنا ہو کہ قرض کی ادائیگی

کے بعد کچھ نہیں بچتا تو اس کی وصیت باطل ہو جائے گی، وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ قرض ادا کیا جائے گا۔ اسی طریقے سے اگر کوئی سارے مال کی وصیت کر جائے تو یہ وصیت بھی باطل ہو جائے گی اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حدیث میں یہ واقعہ بیان کیا گیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیمار تھے، اور بظاہر بیماری ایسی شدید تھی کہ حضرت سعد نے سمجھا کہ میری زندگی کا آخری وقت آ پہنچا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ حضور کو دیکھ کر رونے لگے حضور نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا: میں مکہ میں مر رہا ہوں، اس سرزمین میں مر رہا ہوں جہاں سے ہجرت کی تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا ہجرت کا عمل باطل ہو جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اللہ پاک تمہیں اجر عطا فرمائیں گے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ دعا فرمائی :اَللّٰھُمَّ اَشْفِ سَعْدًا اے اللہ! تو سعد کو شفا عطا فرما! اے اللہ! تو سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ! تو سعد کو شفا عطا فرما۔ تو حضرت سعد نے اس موقع پر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے پاس اس وقت بہت سارا مال ہے لیکن میرے وارثوں میں سوائے بیٹی کے اور کوئی بھی نہیں ہے، کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں سارا مال اللہ کی راہ میں وصیت کر جاؤں، سارا مال جہاد کے لیے دے جاؤں، سارا مال بیت المال کے لیے دے جاؤں، سارا مال یتیموں

غریبوں کو دینے کی وصیت کر جاؤں، کیا مجھے آپ اجازت دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا: نہیں! اللہ اکبر! ہم میں سے کوئی پہنچا ہو کسی کے پاس اور وہ کہے مولوی صاحب! سارا مال آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں، جیسے چاہیں آپ خرچ کر لیں، اپنی مسجد میں اپنے مدرسے میں، ممکن ہمارے جیسا کوئی کمزور کہے بھائی جتنا زیادہ دو گے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ملے گا، لیکن آقا ﷺ نے فرمایا: نہیں، سارے مال کی وصیت کی اجازت نہیں دیتا۔ انہوں نے عرض کیا دو تہائی کی اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا نہیں! عرض کیا آدھے کی؟ فرمایا: نہیں! آدھے کی بھی اجازت نہیں، عرض کیا ایک تہائی کی اجازت دیتے ہیں؟ تو آقا ﷺ نے فرمایا کہ ایک تہائی کی اجازت دیتا ہوں اور ساتھ یہ بھی فرمادیا: وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ ایک تہائی بھی زیادہ ہے، ایک تہائی بھی زیادہ ہے! دیکھو امت کو یہ سبق دیا کہ وصیت بھی کرو تو ایک تہائی سے کم، اور اس موقع پر آقا ﷺ نے فرمایا: یہ مت سمجھو کہ وصیت کرنے ہی سے ثواب ملتا ہے، اور جہاد میں اور مسجد اور مدرسہ کو دینے ہی سے ثواب ملتا ہے بلکہ فرمایا کہ: تم اپنے مال میں سے جو صدقہ کرو وہ بھی صدقہ ہے، اپنے بیوی بچوں پر جو خرچ کرو وہ بھی صدقہ ہے، اپنی بیوی کو جو کھلاؤ وہ بھی صدقہ ہے، اور فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کو اچھے حال میں چھوڑ جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو کنگلا بنا کر چھوڑ جاؤ کہ کل کو لوگوں کے سامنے بھیک مانگتے پھریں۔

توکّل کا اصل مفہوم

جو لوگ توکل کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ: توکل کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت سے

بالکل کنارہ کشی ہو اور کہتے ہیں میں نے اللہ پر توکل کر کے اولاد کو چھوڑا، وہ آقا کے اس فرمان سے سبق سیکھیں، حقیقت کو سمجھیں، آقا نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کو بہتر حالت میں چھوڑو۔ اصل بات یہ ہے میرے بھائیو اور بہنو! ہر کسی کی اولاد اعلیٰ یقین اور اعلیٰ ایمان سے متصف نہیں ہوسکتی اور ہر والد بھی، ہر ماں بھی اعلی یقین اور اعلی ایمان سے متصف نہیں ہو سکتے۔ ہم کہہ رہے ہیں وہ اللہ پر توکل کریں لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کہیں وہ حرام راستہ اختیار کریں، وہ چوریاں کرنے لگیں، وہ بھیک مانگنے لگیں، وہ زکوٰۃ صدقہ سے گذارہ کرنے لگیں۔

آقا ﷺ نے فرمایا: اس سے بہتر یہ ہے کہ ان کو اچھی حالت میں چھوڑ جاؤ، ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

وارث کے لیے وصیت

جیسا کہ اشتہار میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا وارث کے لیے وصیت جائز ہے؟

یاد رکھیں! وارث کے لیے وصیت جائز نہیں وارث کو تو بس وہی ملے گا جو اس کا قرآن نے حصہ بیان کر دیا۔ ہاں اپنی زندگی میں اگر اس کو کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا چاہتا ہے تو دے سکتا تھا۔ اسی طریقے سے گناہ کے کام میں خرچ کرنے کی وصیت بھی باطل ہے، عرب انتقال کرتے تھے تو ایسی ایسی وصیتیں بھی کرتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد رونے دھونے کا وی آئی پی انتظام کیا جائے، اور رونے دھونے والے اور والیاں اجرت پر ملتے تھے، جیسے ہنسانے والے اور ہنسانے والیاں اور ناچ گانے والے اور والیاں اجرت پر ملتے ہیں، اسی طرح رونے

دھونے والے اور والیاں اجرت پر ملتے تھے ان کو اجرت دی جاتی تھی اور وہ رو رو کر اور سینہ پیٹ پیٹ کر اپنا برا حال کر دیتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ روزی اور اجرت حلال کرتے تھے تو ایسی ایسی وصیتیں بھی کر جاتے تھے۔ ہمارے ہاں ایسی وصیتیں تو نہیں کرتے لیکن یہ وصیت کرتے ہیں کہ تیجا زوردار طریقہ سے ہونا چاہیے دسواں اور چالیسواں زوردار ہونا چاہیے، اور میرا سالانہ یوم وفات بھی منایا جائے بڑا ہو تو اس کا عرس ہے یا عام ہے تو اس کا یوم وفات منایا جائے اور میری قبر ایسی بنائی جائے کہ دور دور سے لوگ دیکھنے کے لیے آئیں ایسی وصیت کر جاتے ہیں قبر پر شاندار قسم کا گنبد بنایا جائے یہ ساری وصیتیں باطل ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب! یہ بات کہاں تک صحیح ہے کہاں تک غلط ہے میں نے ایک جگہ خود پڑھا ہے صرف سنا ہی نہیں، ایک دفعہ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ ایک صاحب مر رہے تھے تو انہوں نے یہ تاکید کی کہ میرے مرنے کے بعد لوگوں کو فلاں فلاں فلم دکھائی جائے یہ میں نے خبر خود پڑھی واللہ اعلم بالصواب! کہاں تک صحیح ہے تو اس قسم کی ناجائز وصیتوں پر عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ مرنے والے کو وصیت کرنی چاہیے تو اس بات کی کہ میرے ذمہ جو قرض ہے وہ ادا کیا جائے یہ قرض تو ایسی چیز ہے کہ کفن دفن کے بعد اگر وصیت نہ بھی کی جائے تو پہلے قرض ادا کیا جائے گا، اسی طریقے سے اگر اس نے سالہا سال کی زکوٰۃ نہ دی ہو تو وصیت کرے میری زکوٰۃ ادا کی جائے اگر اس کے ذمہ روزے ہیں زیادہ ہوں یا کم تو وصیت کرے کہ ان روزوں کا فدیہ دیا جائے، اگر اس نے فرض ہونے

کے باوجود حج نہیں کیا تو وصیت کرے کہ حج بدل کروایا جائے، اور اگر اس کے ذمہ قضا نمازیں ہیں تو وصیت کرے کہ ان نمازوں کا فدیہ دیا جائے۔ اگرچہ قرآن وحدیث سے جو فدیہ ثابت ہے وہ صرف روزوں کا ہے، لیکن نمازوں کے فدیوں کے بارے میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی فدیہ دے دے تو ہم اللہ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں کہ اللہ قبول فرمالے اور اللہ اس کو معاف فرما دے۔ اور صرف ایک دن کی جو پانچ نمازیں ہیں وتر سمیت چھ ان کا فدیہ ۱۴ سیر گندم بنتا ہے اور اللہ معاف فرمائے کہ اگر کسی نے پچاس ساٹھ سال تک نماز کبھی پڑھی ہی نہیں تو آپ اندازہ کیجئے کہ کتنا فدیہ اس کا بنے گا! اب یہ فدیہ کا حکم تو ہے، روزوں کا فدیہ دیا جائے، زکوٰۃ کا دیا جائے، حج نہیں کیا تو حج بدل کروایا جائے، اور نمازوں کا فدیہ دیا جائے اب جب دیکھا تو فدیہ تو بہت بڑی رقم بن جائے گی ۱۴ سیر گندم تو ایک دن کا فدیہ ہے۔

حیلۂ اسقاط ناجائز ہے

بعض لوگوں نے حیلۂ اسقاط شروع کیا جس کی طرف میں نے پہلے اشارہ کیا یہ عجیب تماشا ہے! وہ یہ کرتے ہیں کہ دائرہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

تو مثال کے طور پر ۱۴ سیر گندم یہ ایک دن کا فدیہ ہے اور اس کی قیمت مثال کے طور پر پانچ سو روپے بنتی ہے تو اس مرنے والے کا جو وارث ہوتا ہے وہ پانچ سو روپے اس کے دیتا ہے وہ اس کو دیتا ہے وہ اس کو دیتا ہے چلتے چلتے وہ پانچ سو روپے دوبارہ اس کے پاس واپس آجاتے ہیں گویا کہ اس نے تو چھ نمازوں کا

فدیہ دے دیا مگر دوسرے نے پھر اس کو واپس لوٹا دیا یعنی ہدیہ دے دیا! اب ایک دن کی نمازیں تو ہو گئیں معاف۔ اب پھر چکر بازی! اسی طریقے سے پانچ سو روپے گھومتے گھومتے پھر اسی کے پاس آجاتے ہیں کہ دوسرے دن کی نمازیں ہو گئیں، اور پانچ سو کو آپ بڑھالیں پانچ ہزار کرلیں تو یوں ایک ایک چکر میں کئی کئی دن کی نمازیں معاف ہوتی جاتی ہیں، فدیہ دس بیس لاکھ روپے بنتا تھا انہوں نے پانچ سو روپے میں اس فدیہ کو نمٹا دیا، اڑا دیا، اب سمجھتے ہیں حیلۂ اسقاط یعنی اس کے ذمہ جو نمازیں تھیں اب ساقط ہو گئیں۔ اور آخر میں یہ پانچ سو روپے جو پیشہ ور مولوی ہوتا ہے اس کی ملکیت بن جاتے ہیں، لکڑ ہضم پتھر ہضم۔

تو بھائی وصیت کرنے کی چیز تو اصل یہ ہے کہ وصیت کی جائے تو ان چیزوں کی وصیت کی جائے، زکوۃ کی وصیت، روزوں کی وصیت، نماز کی وصیت، حج کی وصیت، اللہ طاقت دے تو مدرسہ بنانے کی وصیت، مسجد بنانے کی وصیت، ہسپتال بنانے کی وصیت، غریبوں سے تعاون کی وصیت۔

اللہ پاک مجھے اور آپ سب کو ایسی ہی وصیتیں کرنے کی توفیق دے، یہ وصیت والا مسئلہ بھی تفصیلی مسئلہ ہے انشاء اللہ دوسرے مسائل کے ساتھ اگلی نشست میں ہم اس مسئلے کو چھیڑیں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وراثت کی تقسیم کا شرعی طریقہ کار

نشستِ ثانی

از افادات

داعیٔ قرآن، مُفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

دوسری نشست

- تقسیم میراث کی اہمیت
- وراثت کی تقسیم میں ہونے والی کوتاہیاں
- کیا بیٹیوں کو دیا جانے والا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟
- کیا اولاد کو عاق کیا جاسکتا ہے؟
- کیا مال حرام مین بھی قانون وراثت جاری ہوسکتا ہے؟
- کیا بہنوں کے معاف کرنے سے وراثت معاف ہوجاتی ہے؟
- کیا اپنے وارث کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ کَثُرَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۷﴾

(النساء آیت نمبر 7 پارہ نمبر 4)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمَ

قابلِ احترام مسلمان بھائیو اور بہنوں!

وراثت کا شرعی طریقہ کے عنوان سے گذشتہ درس میں جو معروضات آپ

کے سامنے پیش کی تھیں ان میں سب سے پہلے اسلام کے نظام تقسیم میراث کی خصوصیات بیان کی گئی تھیں، جن میں سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑا ہو خواہ وہ استعمالی چیزیں ہوں یا تجارتی سامان ہو یا پلاٹ اور جائیداد کی شکل میں ہو، سب کچھ وراثت میں تقسیم کیا جائے گا۔ نمبر ۲ وراثت قریبی رشتہ داروں کا حق ہے غیروں کا حق نہیں ہے، نمبر ۳ وراثت میں بلا امتیاز جنس و عمر مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں سب کا حق ہے۔ نمبر ۴: اقربیت یعنی زیادہ قریبی رشتہ دار ہونا وراثت میں کسی کا حق ہونے کا اصل معیار ہے۔ نمبر ۵: وراثت سے ہر وارث کے لیے قطعی اور حقیقی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ دوسرے نمبر پر کتاب وسنت کی روشنی میں وراثت کی اہمیت کو بیان کیا گیا تھا، اور تیسرے نمبر پر یہ کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے کچھ چھوڑ کر چلا جائے تو اس کے مال سے حقوق ادا کرنے کی کیا ترتیب ہو گی؟ اور اس کے مال کو وارثوں میں تقسیم کرنے کی کیا ترتیب ہو گی؟ اس سلسلے میں عرض کیا گیا تھا کہ:

پہلی چیز کفن دفن کا انتظام

سب سے پہلے تو مرنے والے کے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا، اور اسلام اس سلسلے میں سادگی کی تعلیم دیتا ہے فضول خرچی کی نہیں، تعیش کی نہیں، نمود و نمائش، اور دکھاوے کی نہیں، بدعات کی نہیں، رسم ورواج کی نہیں۔

دوسری چیز ''قرض کی ادائیگی''

دوسرے نمبر پر مرنے والے کے ذمہ اگر کچھ لوگوں کا قرض ہو تو وہ قرض ادا کیا جائے کہ قرض ایک ایسی چیز ہے کہ جو نہ عام کو معاف ہوتا ہے اور نہ خاص کو معاف ہوتا ہے، نہ نیک کو معاف ہوتا ہے نہ بد کو معاف ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی اللہ کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دے اور شہید ہو جائے تو شہید کو بھی قرض معاف نہیں ہوتا۔

تیسری چیز ''وصیت پر عملدرآمد''

تیسرے نمبر پر اگر مرنے والے نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ وصیت بھی جائز ہو تو اس جائز وصیت کی تکمیل کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ جائز وصیت کے ضمن میں عرض کیا گیا تھا کہ ہر شخص کو اپنی وراثت میں سے ایک تہائی حد تک وصیت کرنے کا اختیار ہے، لیکن اگر ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اور اس وصیت پر بھی اسی صورت میں ہم عمل کریں گے جب کفن دفن کا انتظام ہو جائے، اور قرض خواہوں کا حق ادا ہو جائے۔

اسی طرح اگر کسی نے گناہ کے کام میں خرچ کرنے کی وصیت کی ہو تو یہ وصیت بھی باطل ہے، اس وصیت پر بھی عمل نہیں کیا جائے گا۔

وصیت پر عمل کرنے کی ترتیب

اور اگر کسی نے ایک سے زائد وصیتیں کی ہوں تو ان وصیتوں میں سے جو زیادہ اہم ہو اسے پہلے نمبر پر رکھا جائے گا، جو اس سے کم ہو اسے دوسرے نمبر پر رکھا جائے گا، اور اس سے بھی جو کم ہے اسے تیسرے نمبر پر۔ مثال کے طور پر مرنے والے کے ذمہ قضا روزے بھی تھے جو کہ فرض ہیں، صدقۂ فطر بھی تھا جو کہ واجب ہے، اور مسجد اور مدرسہ اور دینی جماعتوں کے لیے بھی اس نے کچھ وصیت کی تھی جو کہ مستحب ہے، تو سب سے پہلے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا، اس کے بعد واجب صدقہ فطر ادا کیا جائے گا اور اس کے بعد مساجد و مدارس اور رفاہی اداروں کے لیے اگر کچھ وصیت کی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

وصیت کے بارے میں رائج کوتاہیاں

وصیت کے بارے میں خاص طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ویسے تو وراثت میں بھی ہمارے ہاں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، لیکن وصیت کا مسئلہ تو لگتا یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے ذہنوں سے تو بالکل محو ہی ہو گیا، اکثر لوگ تو وصیت کرتے ہی نہیں، وصیت یا تو اس لیے نہیں کرتے کہ دلوں سے اہمیت نکل گئی، اور یا اس لیے وصیت نہیں کرتے کہ ابھی مرنا نہیں چاہتے، مرنے کا کوئی ارادہ، کوئی پروگرام نہیں ہے، اور خیال یہ ہے کہ ابھی تو میری بہت زندگی پڑی ہے، دیکھا

جائے گا، اگر کبھی بیمار ہو گیا یا موت کے آثار نظر آئے تو پھر وصیت کر جاؤں گا۔ حالانکہ جب موت کے آثار نظر آ جائیں یا کسی کو اچانک موت دبوچ لے تو اس وقت تو بات کرنے کا موقع بھی نہ ملے گا، چہ جائے کہ اس کا دماغ کام کر رہا ہو۔

یہ تیسری چیز جو میں نے محسوس کی، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ بس اب تو میں جانے والا ہوں، چنانچہ رشتہ دار اور بیوی بچے بھی وصیت کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ الحمدللہ! اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اجمالی حد تک وصیت میں نے لکھی ہوئی ہے، اور وہ ہر وقت میری جیب میں ہوتی ہے، میری جیب میں پرس ہے اور اس میں میں نے وصیت لکھ کر رکھی ہوئی ہے۔ تو میں نے جب پہلے پہل گھر والوں کو بتایا کہ میں نے وصیت لکھی ہوئی ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے، کیوں ۔۔۔۔۔۔؟ وصیت لکھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ۔۔۔! یہ کیا کیا آپ نے ۔۔۔؟ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے وصیت کی ہے بس وہ کل ہم سے جدا ہو جائے گا، اور ابھی ہم جدائی کو پسند کرتے نہیں ہیں، تو اس لیے وصیت کرتے نہیں ہیں۔

وصیت نہ کرنے کی وجوہات

تو یہ تین چیزیں ہیں، میں نے جہاں تک محسوس کیا ایک یہ کہ وصیت کی اہمیت دلوں سے نکل گئی، اور دوسری بات یہ کہ مرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں،

بالخصوص جس کی صحت اچھی ہے اور ابھی وہ کسی خطرناک بیماری میں مبتلا نہیں ہے تو مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

اور تیسرے نمبر پر یہ کہ خود رشتہ دار اور بیوی بچے بھی پسند نہیں کرتے کہ ہمارا شوہر یا والد ابھی سے وصیتیں لکھنا شروع کردے۔ حالانکہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں) کہ جس مسلمان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے متعلق اسے وصیت کرنی چاہیے تو اس پر دو راتیں بھی بغیر وصیت کے گذرنی نہیں چاہئیں، جائز نہیں کہ دو راتیں بھی گذر جائیں بغیر وصیت کے! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب سے میں نے حضور ﷺ سے یہ فرمان سنا اس کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کبھی ایک رات بھی ایسی نہیں گذاری جس میں میری وصیت میرے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔

وصیت کے فضائل

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں، فرمایا کہ جس شخص کا انتقال اس حال میں ہوا کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہوئی تھی تو اس کا انتقال سنت طریقے پر ہوگا، تقوی پر ہوگا، شہادت پر ہوگا، اور اسے موت اس حال میں آئے گی کہ اللہ پاک

اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، اتنی تاکید سے، فضیلت بیان فرمائی۔

ظاہر ہے کہ جس نے وصیت لکھی ہوئی ہے وہ گویا کہ ہر وقت موت کے لیے تیار ہے۔ ایک اللہ والے سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر آپ کو بتا دیا جائے کہ آپ کا کل انتقال ہونے والا ہے تو آپ اس ایک دن میں کیا کریں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہی جو کچھ روزانہ کرتا ہوں، اس لیے کہ الحمد اللہ! ہر دن اسی نیت سے گذارتا ہوں کہ یہ زندگی کا آخری دن ہے، تو مجھے اپنے معمولات میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے، میں ہر وقت موت کے لیے تیار ہوں، تو جس نے ہر وقت موت کے لیے اپنے تمام معاملات کے بارے میں وصیت لکھی ہوئی ہے تو گویا کہ وہ ہر وقت موت کے لیے تیار ہے، اس کے دل میں ہر وقت موت کا خوف ہے، اور آخرت کے حساب کتاب کی فکر ہے، اور مالی معاملات کی نزاکت کا اسے احساس ہے، تو آقا ﷺ نے فرمایا کہ: اس کا انتقال اس حال میں ہوگا کہ اللہ پاک اس کی مغفرت فرمادیں گے۔

وصیت کس چیز کی کرنی چاہئے

وصیت کس چیز کی کرنی چاہیے؟ میں اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کرتا ہوں، اللہ پاک مجھے عمل کی توفیق عطا فرمائے، سب سے پہلے وصیت تو حقوق العباد کی ہے، اگر ہمارے ذمہ کسی کا قرض ہے تو ہر وقت ہماری ڈائری میں اور ہماری

پرچے میں ہماری وصیت میں اس کے قرض کا ذکر ہونا چاہیے، کہ اگر اچانک مجھے موت آجائے تو فلاں کا اتنا قرض میرے ذمہ ہے وہ ادا کر دیا جائے، یا اگر کسی پر ہم نے کوئی زیادتی کی ہے تو اس کے معاف کروانے کی وصیت ہو، زندگی میں بے شمار مواقع آتے ہیں کہ انسان سے، اپنے قریبی عزیزوں سے تعلق والوں کے ساتھ زیادتیاں ہو جاتی ہیں، اور معافی مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، یا جھجک ہوتی ہے یا خوف ہوتا ہے پتا نہیں معاف کرے گا یا نہیں کرے گا! تو لکھ جائے ہوسکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا دل نرم ہو جائے، اور وہ معاف کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ تو اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو اس کے معاف کروانے کی وصیت کر جائے۔

اگر کسی کا کوئی حق غصب کیا ہوا ہے، بھائیوں کا حق، بہنوں کا حق، عزیزوں کا حق، بیوی کا حق، یا بیوی کے ذمہ شوہر کا حق، تو اس حق کی ادائیگی کے لیے وصیت کر جائے، تو سب سے پہلے جو وصیت کی جائے گی وہ تو حقوق العباد کے بارے میں ہے، دوسرے نمبر پر وصیت کی جائے گی حقوق اللہ کے حوالے سے، اگر اس نے کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی یا کسی ایک سال زکوٰۃ ادا نہیں کی، تو اس زکوٰۃ کو ادا کرنے کی وصیت کر جائے، بسا اوقات ہم زکوٰۃ نہیں دیتے یا زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت نہیں کرتے، ہماری اولاد کہیں غریب نہ ہو جائے، لیکن وہ اولاد ہمارے چھوڑے ہوئے مال کو جب بدمعاشی میں، عیاشی میں، فحاشی

وعریانی میں، گناہوں میں اللہ کے حکموں کو توڑنے میں صرف کرتی ہے تو اس کا وبال ہمارے اوپر بھی پڑے گا، تو بجائے ہم اولاد کے لیے اتنے حساس ہوں سب سے زیادہ حقوق اللہ کے لیے حساس ہونا ضروری ہے، کہ میرے ذمہ جو اللہ کے حقوق ہیں وہ ادا ہو جائیں، اگر کسی کے ذمہ ایک سال کی یا چند سالوں کی زکوٰۃ ہے تو اس زکوٰۃ کے ادا کرنے کی وصیت کر جائے، اگر فرض ہونے کے باوجود کسی نے حج نہیں کیا تو حج بدل کی وصیت کر جائے، اگر ایک سال یا چند سالوں کے روزے اس کے ذمہ ہیں تو روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے، اور اگر کسی نے نمازیں چھوڑی ہیں نمازیں قضا کرتا رہا تو جتنے عرصہ کی نمازیں قضا کی ہیں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے، اور میں نے عرض کیا تھا کہ نمازوں کا فدیہ اگرچہ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر بعض حضرات نے روزے پر قیاس کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ جیسے روزے کا فدیہ ہے اگر کوئی نماز کا فدیہ ادا کر دے تو اللہ کی رحمت سے ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ پاک اس کے فدیہ کو قبول کر لے، مگر صراحۃً قرآن اور حدیث میں نماز کے فدیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، نماز کا فدیہ تھوڑا نہیں بنتا، میں نے بتایا تھا کہ ایک دن کی وتر سمیت چھ نمازوں کا فدیہ تقریباً ۱۴ سیر گندم بنتا ہے، تو اس سے آپ اندازہ لگا لیجیے کہ جس کسی کے ذمہ ایک سال، دس سال، پچاس سال کی نمازیں ہیں تو اس پر کتنا فدیہ ہے، اور کتنے لوگ ہیں جن کو اس کی فکر ہوتی ہے۔

تو یہ دوسری چیز ہے کہ وصیت کر دی جائے حقوق اللہ کی ادائیگی کی۔
تیسرے نمبر پر اگر اللہ پاک توفیق دے مسجد بنانے کی یا مسجد کے ساتھ تعاون کی مدرسہ تعمیر کرنے کی یا مدرسے کے ساتھ تعاون کی یا ہسپتال کوئی رفاہی ادارہ اس کے ساتھ تعاون کی وصیت کر جائے، اور اللہ پاک آپ کو توفیق دے بلکہ میں تو ہر آج کے شریک درس مرد ہوں یا عورت اسے درخواست کروں گا کہ وہ قرآن کریم کے حقوق کی ادئیگی کے لیے اپنے مال میں سے کچھ نہ کچھ وصیت ضرور کر جائیں، زندگی میں ہو سکے تو خود اپنے ہاتھوں سے خرچ کر دیں، تو سب سے بہتر یہی ہے، اگر اس کی توفیق نہیں ملی تو اپنے مرنے کے بعد اپنے مال کا کچھ حصہ قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی کے لیے خرچ کرنے کی وصیت کریں۔

قرآن کریم کا ایک اہم حق

قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی میں سے ایک حق جس کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ باقی تو حقوق ایسے ہیں کہ عام طور پر بار بار مساجد میں اور مجالس وعظ میں بیان کیے جاتے ہیں، لیکن ایک حق جو میں پامال ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، وہ یہ کہ قرآن کریم کے جو اوراق ہیں ان کی بے ادبی اور بے حرمتی کی جاتی ہے۔

ایک صاحب نے تو اخبار میں بڑے بڑے اشتہار بھی دیے اور اس اللہ کے

بندے نے متوجہ کرنے کی کوشش بھی کی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جو آج بہت بڑے مصائب وآلام ہمارے اوپر بارش کی طرح برس رہے ہیں تو ان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے اوراق کی بڑی بے دردی سے بے حرمتی کی جاتی ہے۔ گذشتہ دنوں میں نے اخبار میں دیکھا کہ بارش کی آمد آمد کی وجہ سے بلدیہ کے ذمہ داروں نے گندے نالوں کی جو صفائی کی تو بعض گندے نالوں سے اوراق کے بورے برآمد ہوئے، بعض لوگ نیٹی جیٹی کے پل پر جاکر بوریاں بھر بھر کر پھینک دیتے ہیں اور بعض کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی طریقہ بھی میری نظر میں مقدس اوراق کو بے ادبی سے نہیں بچاتا ہے۔

مقدس اوراق کی حفاظت

جتنے لوگوں نے مقدس اوراق کی حفاظت کے مختلف انتظامات کیے میرے ناقص خیال کے مطابق ان لوگوں میں سے سب سے بہتر طریقہ جو اختیار کیا گیا وہ یہ کہ مقدس اوراق سے خاص طریقہ سے حروف اور الفاظ کو مٹا کر ان کے کاغذ کو دوبارہ قابل استعمال بنایا گیا، اور بعض لوگوں نے دوبارہ اسے اشاعت قرآن کے لیے، طباعت قرآن کے لیے استعمال کیا اور بعض نے اس کی جلد وغیرہ کے لیے اسے استعمال کیا، اس میں اوراق کا تحفظ بھی ہے، ادب بھی ہے، اور کروڑوں اربوں روپے کو ضائع ہونے سے بچانا بھی ہے۔ تو بہر حال یہ ایک

پہلو ہے جس کی طرف میں نے متوجہ کیا، ورنہ قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی کے دوسرے پہلو بھی ہیں اور دوسرے حقوق بھی ہیں جن کے ادا کرنے کے لیے وصیت کرنی چاہیے۔ قرآن کریم کے الفاظ سکھانے کے لیے، قرآن کریم کے معانی سکھانے کے لیے، قرآن کریم کے حوالے سے کتابوں کو چھاپنے کے لیے وصیت کرنی چاہیے الحمدللہ! اللہ تبارک وتعالی نے مجھے قرآن کریم کے حوالے سے چھوٹی بڑی پانچ کتابیں لکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اور بغیر کسی مادی منفعت کے ان پانچوں میں سے ہر کتاب کے شائع کرنے کی ہر کسی کو اجازت دیتا ہوں: بچوں کے لیے ''تفہیمات برائے حفاظ وحافظات'' دوسری: ''عشاق قرآن کے ایمان افروز واقعات'' تیسری: ''خلاصۃ القرآن'' اردو میں بھی ہے، اور انگلش میں بھی، چوتھی: ''درس قرآن وحدیث'' اور پانچویں: جو ابھی زیر تالیف ہے ''تسہیل البیان فی تفسیر القرآن'' جس کی ابھی تک تین جلدیں آچکی ہیں اور چوتھی جلد انشاء اللہ عنقریب آنے والی ہے۔ تو تیسرے نمبر پر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ وصیت کردی جائے۔

کفن دفن میں تاخیر نہ کرنے کی وصیت بھی کریں

چوتھے نمبر پر وصیت یہ کی جائے کہ میرے وارث میرے کفن دفن میں تاخیر نہ کریں، بلکہ میری نماز جنازہ میں جلدی کی جائے، کیونکہ ہمارے آقا

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز کا جب وقت ہو جائے تو ادائیگی میں تاخیر نہ کرو، جنازہ جب تیار ہو تو جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ کرو، اور بے نکاحی عورت کا جب مناسب رشتہ مل جائے تو رشتہ کرنے میں تاخیر نہ کرو، ان تین چیزوں میں تاخیر سے ہمارے آقا ﷺ نے منع فرمایا، لیکن آج ہم ان تینوں چیزوں میں تاخیر کے مرتکب ہوتے ہیں، جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں ان کا معاملہ تو الگ ہے، لیکن جن کی جماعت رہ جاتی ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ وہ گھڑی پر نظر رکھتے ہیں اور نماز کو آخری وقت تک موخر کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ پھر وہ وقت آجاتا ہے کہ مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ نماز ادا کرتے ہیں، اسی طریقے سے جنازے کا معاملہ بھی آج کل فیشن سا بن گیا، بڑا مجمع اکٹھا کرنے کے لیے یا ملک اور بیرون ملک میں دور دراز علاقوں میں رہنے والے رشتہ داروں کی آمد کا انتظار کرنے کے لیے جنازوں میں تاخیر در تاخیر کی جاتی ہے، بارہ گھنٹے چوبیس گھنٹے اڑتالیس گھنٹے بھی جنازے میں تاخیر کر دی جاتی ہے۔

اسی طریقے سے رشتوں کا معاملہ تو آپ کے سامنے ہے، معیار کی تلاش میں لوگ رشتوں میں تاخیر کرتے جاتے ہیں کرتے جاتے ہیں؛ حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ معیاری رشتہ تو کیا پھر غیر معیاری رشتہ بھی نہیں ملتا، اور والدین اپنی بیٹیوں کو بوڑھا ہوتے ہوئے اور ان کے بالوں کو سفید ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں،

روتے ہیں اور شرماتے ہیں، تو اس کی وصیت کی جائے کہ میرے دفنانے میں دیر نہ کی جائے۔

پانچویں نمبر پر وصیت کی جائے بدعات سے بچنے کی، کہ آج دنیا میں اپنی ناک رکھنے کے لیے اور رشتہ داروں کو اور دوست احباب کو اور سوسائٹی کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بہت سی بدعات ہیں جن کا ارتکاب کیا جاتا ہے، باوجودیکہ دل میں ان کی اہمیت نہیں ہوتی، پھر بھی بدعات کرتے ہیں، تیجا، دسواں، چالیسواں، یہ سب بدعات ہیں، چراغاں کرنا، قبر پر چادر چڑھانا، یہ بدعات ہیں، تو ان بدعات سے بچنے کی اپنی اولاد کو تاکید کی جائے کہ میرا جنازہ سنت کے مطابق پڑھا جائے، اور میرے ایصالِ ثواب کے لیے علماء سے پوچھ کر سنت طریقے اختیار کیے جائیں، اور کسی قسم کی بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

چھٹے نمبر پر وصیت کرسکتے ہیں اپنی اولاد کو، اپنے متعلقین کو دین پر قائم رہنے کی، نیک لوگوں سے تعلق رکھنے کی، اور اپنی اولاد میں سے کسی کو یا اولاد کی اولاد میں سے کسی کو قرآن کا حافظ، دین کا خادم بنانے کی وصیت۔ تو یہ وصیتیں ہیں جن میں سے بعض تو لازم ہیں اور بعض مستحب کے درجے میں ہیں، تو یہ وصیتیں کی جائیں، اور یہ کرنی چاہئیں ہر مسلمان کو۔

تقسیم وراثت میں کوتاہیاں

بنیادی بحث کے بعد اب ہم ان سوالات کی طرف آتے ہیں جو آج کے

موضوع کے حوالے سے اٹھائے گئے ہیں، ان میں سے جو پہلا سوال ہے وہ تقسیم وراثت میں ہونے والی کوتاہیوں سے متعلق ہے۔

پہلی کوتاہی

پہلی کوتاہی جو تقسیم میراث میں کی جاتی ہے وہ یہ کہ میت کا قرض ادا نہیں کیا جاتا، میں کیسے کہوں کہ میں نے بڑے بڑے دین داروں کو بھی بڑا غافل اور کوتاہ دست پایا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت ہی دل سے نکل گئی، سب کچھ کرتے ہیں، بڑی بڑی محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں، رسمیں کرتے ہیں، بدعات کرتے ہیں، سینکڑوں ہزاروں کو کھانا کھلاتے ہیں؛ لیکن مرنے والے کے ذمہ جو قرض ہے اس کو ادا کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ پچھلے درس میں آپ سن چکے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کسی کا قرض ادا نہ کر دیا جائے اس وقت تک مرنے والا مقروض مقید اور محدود رہتا ہے، اس کی روح کو روک دیا جاتا ہے علیین میں، جنت میں نہیں جانے دیا جاتا، اور صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! : میرے مرنے والے بھائی پر ایک تو قرض ہے اور دوسری طرف اس کے چھوٹے بچے ہیں، ان دونوں میں سے کس مد پر خرچ کرنا بہتر ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ: پہلے اپنے مرنے والے بھائی کا قرض ادا کرو، اس لیے کہ جب تک اس کا قرض ادا نہیں ہوگا اس کی روح کو روک لیا

جائے گا۔

دوسری کوتاہی

دوسری کوتاہی جو کی جاتی ہے وہ یہ کہ اس کی جائز وصیت پوری نہیں کی جاتی، بہت سے لوگ اس وصیت کو دبائے جاتے ہیں، محض لالچ کی وجہ سے، کہ جو کچھ اس نے چھوڑا ہے وہ خود ہی ہڑپ کرلیا جائے، اور اگر اس نے وصیت کی ہے تو اس وصیت کو منظر عام پر آنے ہی نہ دیا جائے۔

تیسری کوتاہی

تیسری کوتاہی جو کی جاتی ہے وہ یہ کہ میراث کو تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ جس کے قبضے میں جو کچھ آتا ہے وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، کسی کے قبضے میں گاڑی آگئی تو وہ اس کا مالک بن گیا، کسی کے قبضے میں مکان آگیا تو وہ اس کا مالک بن گیا، کسی کے قبضے میں دکان آگئی تو وہ اس کا مالک بن گیا، پلاٹ آگیا تو وہ اس کا مالک بن گیا، گھڑی آگئی تو وہ اس کا مالک بن گیا، زیور آگیا کسی کے قبضے میں تو وہ اس کا مالک بن گیا، جس کے قبضے میں جو آجائے وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، اور وراثت کو تقسیم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

چوتھی کوتاہی

چوتھی کوتاہی جو کی جاتی ہے وہ یہ کہ جو لوگ تقسیم کرتے بھی ہیں وراثت کو تو وہ

دکان، پلاٹ، مکان، نقد رقم، زیورات کو تقسیم کرتے ہیں، لیکن مرنے والے کے استعمال میں جو چیزیں تھیں انہیں تقسیم نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر: اس کے بدن کے کپڑے، اس کی گھڑی، اس کا قلم، اس کا ٹیپ ریکارڈ، اس کا کمپیوٹر، جو بھی چیزیں اس کے استعمال میں تھیں، اس کے برتن اس کے جوتے موزے۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایک ایک چیز کو تقسیم کیا جائے، اس میں شک نہیں کہ ہمیں بڑا عجیب لگتا ہے کہ اس کے پرانے کپڑوں کو تقسیم کرنے کی کیا ضرورت ہے، اور موزوں اور جوتوں کو تقسیم کرنے کی کیا ضرورت ہے، لیکن ہمیں شریعت کے سامنے اپنی عقل کی نفی کر دینی چاہیے، اور اپنے رسم ورواج کو ذبح کر دینا چاہے اور اپنا سر جھکا دینا چاہیے، جو شریعت کا حکم ہے اس پر عمل کیا جائے۔

پھر دیکھیں مرنے والے کے جو وارث ہوتے ہیں ان میں سے کچھ بالغ ہوتے ہیں اور کچھ نابالغ ہوتے ہیں، اب اگر بالغوں میں سے جوانوں کے قبضے میں جو چیزیں آئیں ان پر قبضہ جما لیا، اور سمجھتے ہیں کہ نابالغ بھی اس پر راضی ہیں، بالغ بھی راضی ہیں، کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، اگر میں نے ابا جان کی گھڑی پر قبضہ کر لیا ہے یا ان کا قلم لے لیا یا ان کا لباس لے لیا ان کے کپڑے لے لیے تو کسی کو اعتراض نہیں ہے، تو یاد رکھیے۔۔۔! بالغ اگر اجازت دے دیں تو پھر تو کوئی چیز رکھی جا سکتی ہے لیکن نابالغ کی تو اجازت کا بھی اعتبار نہیں، اگر نابالغ

اجازت بھی دے دے تو نابالغ بچے یا بچی کی اجازت سے بھی کوئی چیز ہمارے لیے حلال نہیں ہو جاتی۔

پانچویں کوتاہی

پانچویں کوتاہی جو کی جاتی ہے وہ یہ کہ کاروبار اور دکان جس کے قبضے میں ہوتا ہے وہی اس کو چلاتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ کاروبار کے اندر ترقی بھی ہے نفع بھی ہوتا ہے، کافی عرصے کے بعد جب وراثت کو تقسیم کرنے کا خیال آتا ہے تو پھر اصل اور نفع میں جھگڑا ہو جاتا ہے کہ کتنا اصل تھا جو مرنے والے نے چھوڑا اور کتنا نفع تھا جو مرنے والے کے کسی ایک بیٹے نے یا چند بیٹوں نے اپنی محنت سے کمایا اور اس کاروبار میں اضافہ کیا؟ اس میں جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کو اس بارے میں جھگڑتے ہوئے دیکھا، اس لیے کہ ابتدا میں جب کوئی مرتا ہے تو دکھ اور غم کا ایسا ماحول ہوتا ہے کہ ہر ایک چشم پوشی کرتا ہے، کوئی زبان نہیں کھولتا، بعض بچے چھوٹے ہوتے ہیں لیکن جب وہ شعور کے مرحلے میں قدم رکھتے ہیں اور سوچتے سمجھتے ہیں یا ان کو احساس دلایا جاتا ہے کہ آپ کا بھی حق ہے اور مرنے والے نے یہ چھوڑا تھا، تو پھر جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔

چھٹی کوتاہی

چھٹی کوتاہی جو عام ہے وہ یہ کہ بہنوں کو حق نہیں دیا جاتا، بہت سے لوگ

بہنوں سے اپنا حق معاف کروالیتے ہیں، اور معاف کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ بہنوں کے اندر ہمارے معاشرے میں ساری بے حیائی کے باوجود اب تک شرم وحیا زیادہ ہوتی ہے، بھائیوں کے سامنے وہ نظر نہیں اٹھا سکتیں، اور بہت سے خاندانوں معاشروں میں بہنیں یا بیٹیاں سمجھتی ہیں: اگر ہم نے اپنے حق کا مطالبہ کیا تو سب ہی ہمیں حریص لالچی اور بھائیوں کی بدخواہ اور دشمن قرار دیں گے، اور لوگوں کو ہم کیا منہ دکھائیں گی، کہ تم وراثت میں حصہ لیتی ہو۔۔! آپ دیہاتی معاشروں میں چلے جائیں بہن وراثت کے لئے زبان نہیں کھول سکتی اس لیے وہ جانتی ہے کہ میرا جینا حرام کردیا جائے گا، اگر میں نے اپنی وراثت میں اپنا حصہ طلب کیا! بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایسی بہنوں کو حج کروادیتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم نے ان کا حق ادا کردیا، وہ بے چاری بھی خوش ہوجاتی ہے کہ بھائیوں نے میرے اوپر بڑا احسان کیا کہ مجھے حج کروادیا، حالانکہ ہوسکتا ہے کہ وراثت میں اس کو اگر پورا حصہ ملتا تو بیس لاکھ ملتا، پچیس لاکھ ملتا، یا زیادہ ملتا، اور انہوں نے اس کے حج پر دو چار لاکھ روپے خرچ کر کے اس کو خوش کردیا، تو حج کروانا وراثت کا نعم البدل نہیں ہوسکتا، بعض تحفے تحائف دے دیتے ہیں یا خوشی غمی کے موقع پر کچھ دیتے رہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی بہن کا حق ادا کردیا، حالانکہ وہ دیتے بھائیوں کو بھی ہیں، بھائیوں کی اولاد کو بھی دیتے ہیں

لیکن جو کچھ بہنوں کو دیتے ہیں اسے اپنا احسان سمجھتے ہیں، اور اسے وراثت کا بدل قرار دے دیتے ہیں۔ تو یہ چھٹی کوتاہی ہے جو وراثت کے سلسلے میں کی جاتی ہے کہ بہنوں کا حق نہیں دیا جاتا، اور یہ زمانہ جاہلیت سے چلی ہوئی کوتاہی ہے، نزول قرآن کے زمانے میں جو جاہل تھے وہ بھی بہنوں اور بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے اور آج کا مسلمان بھی بہنوں اور بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتا، مگر وہ تو جاہل تھے صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ بہنوں اور بیٹیوں کا کوئی حق ہے ہی نہیں، لیکن یہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے معاف کروالیا، ہماری بہنوں نے معاف کردیا، اس معاف کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ بہتر صورت یہ ہے کہ جو بہنوں اور بیٹیوں کا حصہ بنتا ہے وہ ان کو دے دیا جائے وہ قبضہ کرنے کے بعد پھر اگر چاہیں خوش دلی سے اپنا حصہ اپنا حق بھائیوں کو دینا چاہیں تو دے سکتی ہیں، یہ دینا تو ہے خوش دلی سے، اور یہ معاف کرنا ہے صحیح طریقے سے، باقی جو ہمارے طریقے ہیں وہ شریعت کے مطابق طریقے نہیں ہیں۔

ساتویں کوتاہی

بیوہ کو دوسری شادی کرنے پر حصہ نہ دینا یہ غلطی ہے

ساتویں کوتاہی جو وراثت کی تقسیم میں کی جاتی ہے وہ یہ کہ اگر کسی مرنے

والے کی بیوہ نکاح ثانی کر لے تو اسے وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اس کا وراثت میں کوئی حق نہیں جانا جاتا، یعنی ہماری نظر میں یہ اس کا بہت بڑا جرم ہے کہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا، تو یہ دو کوتاہیاں دو بڑی غلط رسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ بیوہ کو نکاح ثانی سے محروم رکھنا، اور دوسرا یہ کہ اس کو وراثت سے بھی محروم کر دینا، حالانکہ قرون اولی میں جب کہ اسلامی تعلیمات ہر شعبے میں زندہ تھیں تو کوئی بے نکاحی عورت رہتی ہی نہیں تھی، نہ بے نکاحا مرد اور نہ بے نکاحی عورت، بلکہ ہر مطلقہ کے لیے کوئی نہ کوئی رشتہ ہوتا تھا، اور ہر بیوہ کے لیے کوئی نہ کوئی رشتہ، ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں چار چار دفعہ پانچ پانچ دفعہ کوئی عورت بیوہ ہوئی اور بیوہ ہوتے ہی اس کا دوسری جگہ نکاح ہو گیا، اور اس رشتے کی وجہ سے، نکاح ثانی کی وجہ سے کوئی اس کو میراث سے محروم نہیں رکھتا تھا۔

لیکن ہم نے اس کو بہت بڑا جرم اور عیب بنا دیا کہ جو عورت بیوہ ہونے کے بعد دوسرے نکاح کی بات کرے یا دوسرا نکاح کر لے تو خاندان والے اس کا بائیکاٹ کر لیتے ہیں، حتی کہ اس کو وراثت سے بھی محروم کر دیتے ہیں، تو یہ بہت بڑی بڑی کوتاہیاں ہیں جو کہ وراثت کی تقسیم میں کی جاتی ہیں۔

آٹھویں کوتاہی

آٹھویں کوتاہی یہ ہے کہ عام طور پر ہمارے ہاں بڑا بھائی یا بڑا بیٹا جو ہوتا

ہے وہ سب کچھ اپنے قبضے میں لے لیتا ہے، کیا زمین، کیا دکان، اور کیا کاروبار، سب کچھ وہ اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور اپنے چھوٹے بھائیوں کی پرورش کرتا ہے لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ مکمل طور پر اس کا مالک بن کے رہ جاتا ہے اور اپنے چھوٹے بھائیوں کو کچھ بھی نہیں دیتا۔

ہمارے ہاں مسجد میں ایک نمازی ایسا ہے کہ جس کو میں دیکھتا ہوں کہ بڑی مشقت والی زندگی گذار رہا ہے کہ ڈرائیونگ بھی کرتا ہے اور پھر فارغ وقت میں رات کو لوگوں کی گاڑیاں بھی دھوتا ہے، یوں اپنی گذر بسر کرتا ہے، جبکہ اس کا بھائی گاڑیوں میں پھرتا ہے، اس لیے کہ بڑے بھائی نے اس کی ساری جائیداد پر قبضہ جمالیا، تو ایک بھائی ایسی خوشحالی والی زندگی گذار رہا ہے اور دوسرا ایسی تنگی وسختی والی۔ تو یہ آٹھویں کوتاہی ہے کہ بڑا بیٹا یا بڑا بھائی سب کچھ کا مالک بن جاتا ہے، اور اپنے یتیم بھائی بہنوں کا کچھ بھی خیال نہیں کرتا۔

جبکہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ

(سورۃ النساء آیت نمبر 10 پارہ نمبر 4)

بیشک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ کی آگ میں جلیں گے۔ اور ایک حدیث میں

ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا:

اے مسلمانو میں تم کو دو کمزور افراد کے مال سے خاص طور پر بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ ویسے تو کسی بھی مسلمان کا کسی بھی انسان کا حق مارنا اس پر قبضہ جمانا اس کو غصب کرنا حرام ہے، لیکن آقا ﷺ نے فرمایا کہ دو کمزور افراد ایسے ہیں کہ ان کے مال سے بچنے کی تمہیں خاص طور پر تلقین کرتا ہوں، ایک کمزور فرد ہے عورت، اور دوسرا کمزور فرد ہے یتیم، فرمایا کہ ان کے مال کے قریب نہ جانا۔ تو بھائی! یہ اس سوال کا جواب تھا کہ وراثت کی تقسیم میں کون کون سی کوتاہیاں ہیں جو آج کی جارہی ہیں۔

کیا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟

دوسرا سوال جو اٹھایا گیا کہ بیٹیوں کا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟ تو قطعاً نہیں، یاد رکھیے! کہ وراثت تو تقسیم ہوتی ہے مرنے کے بعد، اور جہیز دیا جاتا ہے زندگی میں، اول تو جہیز کوئی اسلامی رسم نہیں ہے ہندوانہ رسم ہے، بالخصوص یہ نمائشی رسم ہے، اپنی بیٹی کو کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا جائز ہے اور دینا چاہیے اور دیتے رہنا چاہیے، لیکن جہیز کو جیسے ہم نے فرض اور واجب کا درجہ دے دیا تو یہ فرض اور واجب کیا ہوگا یہ تو سنت بھی نہیں ہے، ہمارے آقا ﷺ نے اپنی چار بیٹیوں کا نکاح کیا لیکن کسی ایک کو بھی جہیز کا دینا ثابت نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ

لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتے ہیں کہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹا پیسنے والی چکی اور پانی بھرنے کے لیے مشکیزہ اور سر رکھنے کے لیے تکیہ دیا، یہ چھوٹی موٹی چیزوں کا نام لیتے ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے تھے، حالانکہ ان کی حیثیت تو صرف یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، آپ کے ساتھ رہتے تھے، شادی کے بعد اب ان کا گھر الگ کرنا تھا، تو چند بنیادی ضروریات کا ان کے لیے انتظام کیا گیا تھا، اور اس میں انہوں نے باقاعدہ اپنا حصہ شامل کیا اپنا پیسہ شامل کیا، اس طریقے سے چند بنیادی ضروریات کی چیزوں کا ان کے لیے انتظام کیا گیا تھا۔ اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ خواتین سے شادیاں کیں اور آپ کی اکثر بیویاں بڑے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، سرداروں کی بیٹیاں تھیں، لیکن کسی ایک بیوی کے بارے میں بھی ثابت نہیں ہے کہ وہ جہیز لے کر آئی ہو۔ آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت دیکھ لیجئے کہ وہ کیا جہیز لے کر آئی تھیں؟ آپ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ لیجیے کہ وہ کیا جہیز لے کے آئی تھیں؟ تو بڑے بڑے سرداروں کی بیٹیاں تھیں جو آپ کے نکاح میں آئیں، لیکن ان میں سے کسی کے بارے میں ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جہیز لے کر آئیں، اور پھر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح نہیں کیے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے نکاح کیے آپ کی صحابیات نے نکاح کیے، لیکن کسی ایک واقعے میں بھی اس طرح کا جہیز

ثابت نہیں ہوتا جس طرح ہم نے اس کو لازم پکڑ لیا ہے۔ کتنی ہی بہنیں اور بیٹیاں ایسی ہیں کہ جن کے والدین معاشرے کی ڈیمانڈ کے مطابق جہیز دینے کی سکت نہیں رکھتے اور رسمیں ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتے جس کی وجہ سے ان کی جوانیاں داغدار ہو رہی ہیں اور وہ نکاح سے محروم گھروں میں بیٹھی ہیں۔ کون ذ مہ دار ہے ان کی جوانیوں کے داغدار ہونے کا؟ کون ذمہ دار ہے ان کے والدین کی تکلیف اور پریشانیوں کا؟ جو دین کے دعوے کرتے ہیں جو سنت پر چلنے کے دعوے کرتے ہیں اور جو فلاں خانقاہ اور فلاں خانقاہ اور فلاں جماعت اور فلاں دینی جماعت سے تعلق رکھنے کے دعوے کرتے ہیں لیکن شادی بیاہ میں نبی کریم ﷺ کی سنت کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ میرا اپنی پچاس سالہ زندگی کا مشاہدہ یہ ہے کہ جب شادی بیاہ کا موقع آتا ہے تو میں نے دیکھا کہ اس میں نیک اور بد، عالم اور جاہل، تبلیغی اور غیر تبلیغی، صوفی اور غیر صوفی، مجاہد اور غیر مجاہد، دیوبندی اور غیر دیوبندی، مقلد اور غیر مقلد سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔

سب کا اتفاق ہے کہ ان رسموں کو ادا کرنا ضروری ہے، باقی اختلاف ہے کہ رفع یدین کرنا چاہیے نہیں کرنا چاہیے، آمین اونچی کہنی چاہیے نہیں کہنی چاہیے، پگڑی سبز باندھنی چاہیے سفید باندھنی چاہیے، اس میں خون بہانے کے لیے تیار ہیں، لیکن وہاں پر نبی ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس

لیے کہ ناک کٹتی ہے اور ناک کو بچانا ضروری ہے نبی کی سنتوں کو بچانا کوئی ضروری نہیں، تو اول تو جہیز ہے ہی نہیں اور اگر جہیز ہے بھی اور ہم نے اپنی بیٹی کو دیا تو کیا ہم بیٹوں کو کچھ نہیں دیتے، تو شادی پر ہم جتنا خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں ان کا احساس نہیں ہے، بیٹوں کی تعلیم پر کتنا خرچ کیا جاتا ہے، ہر گھرانے کی بات نہیں کرتا لیکن اکثر گھرانوں کا حال یہ ہے کہ بیٹوں پر دس گناہ زیادہ خرچ کیا جاتا ہے بیٹیوں کے مقابلے میں، لیکن اس کو کوئی نہیں یاد رکھتا، بیٹی پر جو خرچ کیا ہے اس کو یاد رکھتا ہے، ہائے اللہ! کیسا مسلمان ہے! جس مسلمان کو آقا نے یہ بشارت سنائی تھی کہ دو بچیوں کی پرورش کرو گے ایک بچی کی بھی پرورش کرو گے تو جنت میں میرے ساتھ ایسے ہو گے جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں ہیں، جو بیٹی پر خرچ کیے جانے والی ایک ایک پائی کا حساب رکھتا ہے وہ مسلمان بیٹی پر میں نے اتنا خرچ کر دیا اور اتنا خرچ کر دیا اور بیٹے پر جو خرچ کیا اس کا کوئی حساب نہیں، ان کی تعلیم پر ان کے علاج معالجے پر انکی شادی پر ان کے ولیمے پر نا معلوم کتنا خرچ کیا جاتا ہے۔ تو جہیز وراثت کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

کیا اولاد کو عاق کیا جا سکتا ہے؟

تیسرا سوال جو کیا گیا کیا اولاد کو عاق کیا جا سکتا ہے؟ اگر کسی کی اولاد نافرمان ہے تو ہمارے ہاں ایک رواج یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اولاد کو عاق قرار دیتے

ہیں، عاق کے معنی ہوتا ہے نافرمان، کہ میں نے اپنی اولاد کو عاق کر دیا، مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ اسکو اپنی وراثت سے محروم کر دیا، عام طور پر تو نافرمان اولاد کو عاق قرار دے دیتے ہیں، میرے علم میں کم از کم ایک مثال ایسی ہے اور بھی واقعات ہونگے، لیکن ایک مثال تو مصدقہ میرے علم میں یہ ہے، ایک باپ نے اپنے بیٹے کو دین داری کی وجہ سے عاق کر دیا، بگڑا ہوا بیٹا اور گناہوں کی لائن پر چلنے والا بیٹا جب اس نے دین پر چلنے کا ارادہ کیا اور اپنا رنگ ڈھنگ بدل دیا اور اپنے چہرے کو سنت رسول ﷺ سے سجالیا، اور علماء کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے لگا تو والد نے اس کو اپنی وراثت سے محروم کر دیا، جان لیجیے! کہ یہ جو عاق کرنے کا رواج ہے تو کوئی والد یا والدہ اپنی اولاد کو میراث سے محروم نہیں کر سکتا، اگر چہ وہ اس کی اولاد نافرمان ہی کیوں نہ ہو، گناہ گار ہی کیوں نہ ہو، وراثت تو مرنے کے بعد تقسیم ہوتی ہے، اور یہ عاق قرار دینا زندگی میں ہے، اور مرنے کے بعد جو وراثت تقسیم ہوتی ہے یہ کوئی اختیاری چیز نہیں ہے، یہ مرنے والے کے اختیار کے بغیر ہی تقسیم ہو جاتی ہے، مرنے والے کے اختیار کے بغیر ہی ہر وارث کا وراثت کے ساتھ حق متعلق ہو جاتا ہے، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی، چاہے نیک ہو یا بد۔

البتہ علماء نے لکھا ہے کہ: کسی کی اولاد بہت ہی بگڑی ہوئی ہو، اور وہ واقعتا محسوس کرتا ہے کہ میری یہ اولاد میری کمائی کو میرے مال کو گناہوں میں خرچ

کرے گی، یوں اللہ کے عذاب کی مستحق بنے گی، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں اپنی بعض اولاد میں اپنے مال کو تقسیم کردے، چاہے تو کسی کو محروم کردے، چاہے تو کسی کو زیادہ عطا کردے اور اس کا مالک اس کو بنادے، زندگی میں ہر شخص کو اپنے مال میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن اس میں یہ نقطہ ملحوظ رکھیے گا کہ اگر زندگی میں کسی کو کچھ دیتا ہے تو صرف زبانی اور جمع خرچ تک معاملہ محدود نہ رہے بلکہ باقاعدہ اس کو مالک بنادیا جائے، یعنی صرف زبانی طور پر یہ نہ کہہ دے کہ یہ مکان اس کا ہے بلکہ اسے اس پر قبضہ دلوادے، اور اس کا مالک اس کو بنادے تو پھر وہ اس کا مالک ہوجائے گا، اگر کوئی اپنی بگڑی ہوئی اولاد کو محروم کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ عاق کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی میں اپنے مال کو اپنی اولاد میں تقسیم کردیا جائے، اس میں اگر کسی بدمعاش بیٹے کو محروم رکھنا چاہے تو محروم رکھ سکتا ہے۔

وراثت سے محرومی کے اسباب

لیکن چار چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وارث خود بخود وراثت سے محروم ہوجاتا ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ اگر وارث نے اپنے مورث کو قتل کردیا تو ایسا وارث وارثت کا حقدار نہیں ہوتا، دوسرا سبب اختلاف دین: اگر مرنے والے کا دین کچھ اور ہے اور وارث کا دین کچھ اور تو ان کے درمیان بھی وراثت تقسیم

نہیں ہوگی، یہ وارث اپنے مرنے والے کی وراثت کا حقدار نہیں ہوگا، اگر مثال کے طور پر مرنے والا مسلمان تھا، اللہ نہ کرے اور وارث کافر تھا یا کافر بن گیا، تو یہ ہر صورت میں وراثت سے محروم ہوگا۔ تیسرا سبب غلامی ہے: غلامی بھی وراثت سے محروم رکھنے والا سبب ہے، لیکن آج کل غلامی کا سلسلہ نہیں۔ اور چوتھا سبب اختلاف ملک ہے، لیکن صرف کافروں کے درمیان اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، مسلمانوں کے درمیان اس کا اعتبار نہیں ہے، یعنی مورث اگر ہندوستان میں رہتا ہے اور وارث پاکستان میں ہے تو اس صورت میں پاکستان میں رہنے والا وارث ہندوستان مرنے والے مورث کا حقدار نہیں ہوگا، لیکن یہ صرف اس وقت ہے کہ وہ کافر ہوں، اگر وہ مسلمان ہیں تو اختلاف ملک کے باوجود وارث اپنے مورث کی وراثت کا حقدار ہوگا۔

اس ضمن میں ایک اور سوال بھی بعض حضرات نے اٹھادیا وہ یہ کہ اگر دونوں کا مسلک بھی مختلف ہو تو کیا پھر بھی وراثت سے محروم رہے گا؟ اب ہمارے ہاں چونکہ مسالک کا اختلاف ہے اور بعض لوگوں نے اس مسلک کے اختلاف کو ایسی اہمیت دی گویا کہ مذہب کا اختلاف ہے کہ ایک مقلد ہے اور دوسرا غیر مقلد ہے، ایک شافعی اور دوسرا حنفی، ایک اس مسلک کا ہے اور دوسرا اس مسلک کا ہے تو یاد رکھیے مسلک کے اختلاف کی وجہ سے کوئی محروم نہیں ہوگا۔

کیا مال حرام میں وراثت کا قانون جاری ہوگا؟

چوتھا سوال یہ اٹھایا گیا کہ کیا حرام مال میں بھی قانون وراثت جاری ہوگا؟ تو جان لیجیے کہ اگر وارثوں کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ ہمارے مورث نے حرام مال چھوڑا ہے اس نے کسی کا حق دبایا ہوا تھا، یا کسی کے پلاٹ پر قبضہ کیا ہوا تھا، یا کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا تھا، اور وہی اس نے وراثت میں چھوڑا ہے تو اس صورت میں جن جن کا حق مرنے والے نے دبا رکھا تھا ان کا حق ان کو واپس کیا جائے گا اس کو وارثت میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہوگا اگر ان کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ کس کس کا حق ہمارے مورث نے، ہمارے والد نے، ہماری والدہ نے دبا رکھا تھا تو جن کے حقوق انہوں نے دبا رکھے تھے ان کے حقوق ان کو واپس کیے جائیں گے، مال کو وارثوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یقینی طور پر حقداروں کا علم نہ ہو یہ تو معلوم تھا کہ اس کی کمائی حرام کی تھی لیکن کس کس کا اس نے حق دبایا؟ کس کس کا اس نے حق کھایا؟ مثال کے طور پر وہ رشوت لیتا تھا، اب کسے معلوم کہ کس کس سے اس نے رشوت لی ہے تو اس صورت میں اس کی کمائی اس کا جو ترکہ ہے جو وراثت ہے وہ سب فقراء میں تقسیم کر دیا جائے گا، اسے وارثوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا، تو حرام مال کے وارثوں کا حق نہیں ہوگا، بلکہ سب سے بہتر یہ ہے کہ اسے حقداروں

کو پہنچایا جائے، اگر حقداروں کا علم نہیں تو پھر اس کو فقیروں اور غریبوں کے اندر تقسیم کر دیا جائے۔

منہ بولے بیٹے کے لیے وراثت میں حصہ نہیں

ایک سوال یہ بھی اٹھایا گیا کہ لے پالک اور منہ بولی اولاد کے لیے کیا وصیت کی جاسکتی ہے یا ان کا وراثت میں کوئی حصہ ہے؟ بہت سے لوگ ہیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو وہ ہسپتالوں سے یا اپنے رشتہ داروں سے یا مختلف ٹرسٹ جو بنے ہوئے ہیں ان کے سینٹروں سے بچے لے لیتے ہیں اور ان کو پال لیتے ہیں، تو کیا ان کے لیے وراثت میں حق ہوگا یا ان کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جو منہ بولی اولاد ہوتی ہے اس کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، بلکہ وراثت میں حصہ صرف حقیقی اور صلبی اولاد کا ہے، لے پالک اولاد کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ چونکہ وہ وارث نہیں ہے تو ان کے لیے اگر کچھ وصیت کر جائے اپنی زندگی ہی میں اسے کچھ ہبہ اور ہدیہ کر دے اور اسے اس کا مالک بنادے۔

اور یہاں میں صرف عبرت کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ میں نے کل یا پرسوں ہی کے اخبار میں ایک ٹرسٹ کے ذمہ داروں کے حوالے سے یہ خبر پڑھی کہ اب اس قسم کی اولاد جو غلط قسم کے تعلقات میں پیدا ہوتی ہے اور اسے مختلف جگہوں پر رکھے ہوئے جھولوں میں رکھنے اور ڈالنے کا جو رواج ہے تو اس ٹرسٹ

کے ذمہ داروں کا بیان تھا کہ اس تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے، اللہ ہمیں عبرت حاصل کرنے کی توفیق دے، شرم وحیا والی زندگی گذارنے کی توفیق دے، اپنی جوان اولاد کے جلد از جلد رشتے کرنے کی توفیق عطا فرمائے! تو میں عرض کر رہا تھا کہ منہ بولی اولاد یا لے پالک کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

ذہنی معذور بچے کا حق وراثت

ایک اور سوال یہ کیا گیا ہے اگر کوئی بچہ ذہنی طور پر معذور ہو پاگل بچہ ہے نارمل بچہ نہیں ہے تو اس کا بھی وراثت میں کوئی حصہ ہے؟ تو یاد رکھیے علماء کہتے ہیں کہ پاگل یا ذہنی طور پر معذور بچے کا بھی وراثت میں ویسا ہی حق ہے جیسا کہ دوسری اولاد کا حق ہے، جب وراثت تقسیم کی جائے گی تو اس کا حصہ بھی برابر برابر دوسرں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا الگ کیا جائے گا اور کوئی صورت بنائی جائے گی کہ اس کا حصہ اس پر خرچ کیا جائے۔

اپنی زندگی میں وراثت کی تقسیم

ایک اور سوال جو بہت سے لوگ کرتے ہیں کہ کیا کوئی زندگی ہی میں اپنی وراثت کو تقسیم کرسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اپنی زندگی میں وراثت کو تقسیم نہ کیا جائے کیونکہ وراثت کا حکم مرنے کے بعد ہے زندگی میں نہیں، لیکن اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ میری اولاد میرے مرنے کے بعد تقسیم

وراثت میں جھگڑا کرے گی یا ان میں سے کوئی ایک دوسروں پر ظلم کرے گا تو اس صورت میں وہ وراثت کو تقسیم کرسکتا ہے۔تو اگر وراثت تقسیم کریں تو کیسے؟ کیا زندگی میں جو وراثت تقسیم کی جائے گی اس میں بھی انہیں قوانین کا لحاظ کرنا ضروری ہے جو مرنے کے بعد ہے، یا جیسے کوئی چاہے تقسیم کرسکتا ہے؟

تو یاد رکھیے کہ اس میں بہتر تو یہی ہے وہی صورت ملحوظ رکھی جائے جو مرنے کے بعد ہے یعنی لڑکی کا حصہ ایک گنا اور لڑکے کا حصہ اس کے مقابلے میں دوگنا، لیکن اگر کوئی لڑکی اور لڑکے کو برابر دینا چاہے تو بھی دے سکتا ہے اور کسی کو زیادہ دینا چاہے تو بھی دے سکتا ہے یہ وراثت کے چند موٹے موٹے مسائل ہیں اصولی قسم کے مسائل، جو آپ کی خدمت میں عرض کیے گئے۔

باقی وراثت کے مسائل بڑے نازک ہوتے ہیں بعض لوگ زبانی پوچھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر عالم سے ہر امام مسجد سے اور ہر خطیب سے پوچھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ہر امام اور خطیب کو وراثت کے مسائل میں مہارت نہیں ہوتی اور زبانی وراثت کے مسائل بتانے بھی نہیں چاہیے۔

میرا تجربہ یہ ہے کہ عام طور پر جو لوگ صورت بتاتے ہیں تو اس میں کوئی کمی رہ جاتی ہے، زبانی پوچھنے میں کوتاہی ہوسکتی ہے، اور جواب دینے والا بھی کوئی غلطی یا کوتاہی کرسکتا ہے، لہذا میں مشورۃً عرض کروں گا کہ اگر وراثت کے مسائل پوچھنے ہوں تو پوری صورت لکھی جائے اور سارے وارث متفقہ طور پر

اس صورت کو لکھیں اس لیے کہ اگر ایک وارث لکھے گا تو ممکن ہے کہ غلط بیانی سے وہ کام لے تو متفقہ طور پر ساری صورت کو لکھا جائے کہ مرنے والے نے کیا کیا چھوڑا اس کے وارث کون کون ہیں؟ بیوی ہے، بچے ہیں، بچیاں ہیں، والد ہیں، والدہ ہیں، سب کے وہ رشتے لکھے جائیں، اور پھر کسی معتبر دار الافتاء سے ان سوالات کا جواب حاصل کیا جائے۔

اللہ مجھے اور آپ سب کو زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

جبر و اکراہ
کی شرعی حیثیت

ازافادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- فطری جبر اور قانونی جبر میں کیا فرق ہے؟
- جہاد کا مقصد کیا ہے؟ قبول اسلام کے لیے جبر یا کچھ اور!
- کیا اسلامی حدود و تعزیرات کا اجرا جبر کے ضمن میں آتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ.

اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ۚ لَا انۡفِصَامَ لَہَا ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ

قابلِ احترام مسلمان بھائیو! اور مسلمان بہنو! جیسا کہ آپ کو بتایا گیا کہ آج کے درس کا موضوع ہے "جبر و کراہ کی شرعی حیثیت" اگر اس موضوع کو پھلایا جائے تو بہت سارے مسائل اس کے ضمن میں آجاتے ہیں، مثال کے طور پر:

(۱) اگر کسی کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کر دیا جائے، اور وہ محض اپنی جان بچانے

کے لیے کفر و شرک کا کلمہ اپنی زبان سے ادا کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کسی شوہر کو بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کر دیا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر مالک کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کر دیا جائے یا کسی کو کوئی چیز بیچنے یا خریدنے پر مجبور کر دیا جائے، یا کسی کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر زنا پر مجبور کر دیا جائے، یا شراب پینے پر مجبور کر دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

یہ بہت سارے مسائل ہیں جو اس ضمن میں آتے ہیں۔ اور ہماری فقہ کی کتابوں میں ان کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ لیکن آج کے درس کے لیے ہم نے ایک بات تو یہ طے کی کہ یہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر: ۲۵۶ کی روشنی میں ہے جو کہ آپ خطبہ میں سن چکے۔ اور دوسری بات یہ طے کر لی گئی کہ اس میں بطور خاص تین سوالات کے جوابات دیے جائیں گے:

(۱) فطری جبر اور قانونی جبر میں کیا فرق ہے؟

(۲) کیا جہاد کا مقصد لوگوں کو قبول اسلام پر مجبور کرنا ہے؟

(۳) حدود اور تعزیرات کا اجرا اور نفاذ کیا یہ بھی جبر شمار ہوگا؟

یہ تین سوالات ہیں جو نمایاں ہیں، بقیہ سوالات ضمنی طور پر آئیں گے۔

فطری جبر اور قانونی جبر میں فرق

پہلا سوال: فطری جبر اور قانونی جبر میں کیا فرق ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اہل علم کہتے ہیں: فطری جبر تو یہ ہے کہ اللہ پاک اپنی مشیت سے اور اپنی قدرت سے کسی کو ایمان قبول کرنے پر مجبور

کردے، اور اللہ ایسا کرسکتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو اس دنیا میں کوئی ایک بھی کافر نہ ہوتا، ایک بھی مشرک نہ ہوتا، ایک بھی بے نمازی نہ ہوتا، ایک بھی سود خور نہ ہوتا، ایک بھی شراب نوش نہ ہوتا۔ اگر اللہ چاہتا تو ایسا کرسکتا تھا، اور اللہ مجبور کرسکتا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

(یونس99پارہ11)

ترجمہ: ''اے میرے حبیب ﷺ! اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں بسنے والے سارے کے سارے ایمان قبول کر لیتے، کیا آپ انسانوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کرسکتے ہیں؟''

جب اللہ نے مجبور نہیں کیا تو آپ ان کو ایمان قبول کرنے پر کیوں مجبور کریں گے؟ اسی طریقے سے تیسرے پارے کے شروع میں آتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

(البقرہ253پارہ3)

اگر اللہ چاہتا تو ان لوگوں میں کبھی جنگ نہ ہوتی، لڑائی نہ ہوتی، کبھی آپس میں قتال نہ ہوتا۔

تو فطری جبر تو یہ ہے کہ خود اللہ پاک انسانوں کو مجبور کردے ایمان قبول کرنے پر، اللہ مجبور کردے اپنی عبادت واطاعت پر۔ مثال کے طور پر: ایسا ہوسکتا ہے کہ جو حرام کا کاروبار کرے اس کا کاروبار ختم ہوجائے، جو حرام کی گندم

خریدے اس میں کیڑے پڑ جائیں، جو حرام کا شکار کرے وہ گل سڑ جائے، ایسا ہو سکتا ہے! تو سب ایمان قبول کر لیں، سب حرام سے بچنے والے ہو جائیں، ایسا ممکن تھا کہ جو بھی بے نمازی ہوتا اس کے جوڑوں میں درد شروع ہو جاتا، جو بھی بے نمازی ہوتا بلڈ پریشر کا مریض ہو جاتا، جو بھی بے نمازی ہوتا اس کو سر میں چکر آنے لگتے، ہارٹ اٹیک ہو جاتا۔ تو اب ہر بے نمازی کو پتا ہے کہ اگر میں نماز چھوڑوں گا تو ان بیماریوں کا شکار ہو جاؤں گا تو سارے لوگ ہی نمازی ہو جاتے۔ لیکن بیماریاں تو سب کو لگ رہی ہیں نمازی کو بھی بیماری لگتی ہے اور بے نمازی کو بھی بیماری لگتی ہے۔

اللہ کی طرف سے کسی پر ایمان کا جبر نہیں ہوتا

اللہ پاک کسی کو ایمان قبول کرنے پر اور عبادت و اطاعت پر مجبور نہیں کرتا۔ اللہ نے تو اس کی نفی فرمائی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ: ''دین میں اکراہ نہیں ہے، دین میں جبر نہیں ہے''

اللہ پاک فطری طور پر کسی کو ایمان پر، اسلام پر، عبادت پر، اطاعت پر، ذکر و دعا پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے سامنے راستہ کھلا رکھتا ہے، ان کو کسی حد تک اختیار دیتا ہے، چاہے تو اس راستے پر چلو، اور چاہے تو اس راستے پر چلو۔ یہ میری رضا کا راستہ ہے، یہ میرے غضب کا راستہ ہے۔ یہ دوزخ کا راستہ ہے، اور یہ جنت کا راستہ ہے۔ تو ان میں سے جس راستے پر تم چلنا چاہتے ہو چل لو:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِۙ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِۙ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِۚ۝۱۰

(البلد 8، 9، 10 پارہ 30)

ترجمہ: ''اللہ فرماتے ہیں: کیا ہم نے انسانوں کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ زبان نہیں دی؟ اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور کیا ہم نے ان کو دو راستے نہیں دکھائے؟''

دو راستے دکھائے: ہدایت کا راستہ بھی دکھا دیا، ضلالت کا راستہ بھی دکھا دیا۔ تو اللہ پاک کسی کو فطری طور پر مجبور نہیں کرتے، تو اس کی نفی فرمائی: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں اکراہ نہیں ہے۔ اسی طریقے سے اس کی بھی نفی کی گئی کہ کسی کو ایمان قبول کرنے پر، کلمہ پڑھنے پر خود مسلمان بھی مجبور نہیں کر سکتے حتیٰ کہ خود ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کی اجازت نہیں تھی کہ آپ کسی کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کریں، تلوار کے زور پر کسی کو کلمہ پڑھنے پر مجبور کریں، آپ کو بھی اجازت نہیں تھی اور بعد کے مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ تو ان دو کی نفی کی گئی اس آیت کریمہ میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

قانونی جبر

دوسری قسم جو جبر کی ہے، وہ ہے قانونی جبر کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتا، اللہ کی بغاوت کرتا ہے، اور ایسے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے جن کی اللہ پاک نے کوئی نہ کوئی سزا متعین فرمائی ہے تو کیا اس پر سزا نافذ کی جاسکتی ہے؟ اس کو مجبور کیا جاسکتا ہے اسلامی تعلیمات پر

عمل کرنے کے لیے؟ گناہوں کو چھوڑنے کے لیے؟ جرائم کا ارتکاب کرنے سے بچنے کے لیے؟ کیا اس کو مجبور کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب اثبات میں ہے کہ ہاں! ایسا ہو سکتا ہے، یہ تو ہماری مرضی ہے، ہر انسان کی مرضی ہے کہ وہ ایمان قبول کرے یا ایمان قبول نہ کرے۔ لیکن ایمان قبول کرنے کے بعد پھر اس کی مرضی نہیں ہے کہ وہ چاہے تو اسلام کے تقاضوں پر عمل کرے اور چاہے تو عمل نہ کرے، اس کو سزا دی جائے گی۔

حدود و تعزیرات نہ صرف بندے کا بلکہ اللہ کا بھی حق ہے

سزائیں دو قسم کی ہیں ایک تو ہیں حدود اور دوسری تعزیرات، حدود تو وہ ہیں جو اللہ پاک نے ہمیشہ کے لیے متعین فرما دی، اور تعزیرات وہ ہیں جو کہ حکمران کی، قاضی کی، جج کی صوابدید پر چھوڑی گئی ہے۔ ان میں رد و بدل ہو سکتا ہے، لیکن حدود کے اندر رد و بدل نہیں ہو سکتا، اور قرآن حدود کو محض ایک سماجی ضرورت کے طور پر بیان نہیں کرتا، بلکہ قرآن حدود میں خود خدا کو بھی ایک فریق کے طور پر پیش کرتا ہے، یعنی حدود کا نافذ کرنا جرائم کی سزا دینا یہ کوئی صرف سماجی ضرورت نہیں ہے کہ معاشرہ متاثر ہو رہا ہے یا کسی انسان پر ظلم ہوا ہے، اور متاثرہ فریق کا حق دلانے کے لیے حد جاری کی جائے۔

حدود کا اجراء صرف حق العبد ہی نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے

اس کے جوش جذبے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حد جاری کی جائے، محض یہ چیز نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے قرآن کریم میں حدود کو اس طور پر بیان کیا ہے کہ خود خدا بھی

ان میں ایک فریق ہے۔آپ آسان الفاظ میں کہہ سکتے ہیں گویا کہ حد کا جاری کرنا یہ صرف حق العبد نہیں ہے، حق اللہ بھی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر:۱۷۸ میں اللہ نے قصاص کی سزا کو، حد کو بیان فرمایا تو یوں فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ

(البقرہ178پارہ2)

''اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے'' اللہ کی طرف سے، یہ بالکل اسی طرح کے الفاظ ہیں جیسے کہ روزے کی فرضیت کے لیے اللہ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

(البقرہ183پارہ2)

تم پر روزے فرض کیے گئے تو اسی طرح یہاں پر كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ''اللہ کی طرف سے تم پر قصاص کو فرض کیا گیا ہے'' تو گویا کہ اللہ بھی حدود کے اندر ایک فریق ہے، اللہ کا بھی اس میں حق ہے۔اسی طریقے سے سورہ نور کی آیت نمبر:۲ میں اللہ پاک نے زنا کی سزا بیان فرمائی تو یوں فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ

(النور2پارہ18)

ترجمہ:''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے لگاؤ، اور فرمایا کہ: اللہ کے دین پر عمل کرنے میں تم پر شفقت،

نرمی اور محبت غالب نہ آجائے''

گویا کہ حد کا جاری کرنا یہ صرف ایک انسان کی حق تلفی کی تلافی کے طور پر نہیں، بلکہ اللہ کے دین پر عمل کرنے کا تقاضا ہے حد کا جاری کرنا، اور آگے فرمایا:

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ

(النور 2 پارہ 18)

ترجمہ: اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو پھر شفقت نہیں غالب آنی چاہیے حدیں جاری کرنے میں

تیسری آیت کریمہ میں اللہ نے چور کی سزا بیان فرمائی، سورہ المائدہ کی آیت نمبر: ۳۸ تو وہاں پر بھی فرمایا:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

(المائدہ 38 پارہ 6)

ترجمہ: چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ان کے ہاتھ کاٹو، یہ سزا ہے ان کے کرتوت کی۔ اور آگے کیا فرمایا: نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ کی طرف سے عبرت کے طور پر ہے۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ تو جہاں اللہ پاک نے حدود کو بیان فرمایا تو وہاں اپنے حق کا بھی ذکر فرمایا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدود کا [redacted] اجرا صرف ہماری ایک سماجی اور معاشرتی اور ملکی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ کا حق بھی ہے۔ حدود کے جاری کرنے سے اللہ کا حق بھی ادا ہوتا ہے۔

حدود کا حق اللہ ہونا احادیث کی روشنی میں

خود نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے: مثال کے طور پر ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا جو کہ حد کا موجب ہے مثال کے طور پر اس نے زنا کیا، چوری کی، بہتان لگایا۔ پھر دنیا ہی میں اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ لیکن اگر وہ دنیا میں سزا سے بچ گیا، قانون کی نظر میں آیا ہی نہیں، کوئی گواہ نہیں تھے جس کی وجہ سے ہم اُس پر سزا جاری نہیں کر سکتے تو اگر وہ دنیا میں سزا سے بچ گیا تو قیامت کے دن اللہ کو اختیار ہوگا: چاہے تو اس کو سزا دے، اور چاہے تو معاف فرمادے۔

تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ اس میں اللہ کا حق بھی شامل ہے۔ اور وہ مشہور حدیث جو بارہا آپ نے سنی ہوگی کہ بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت جس نے چوری کر لی تھی، اور پھر فیصلہ ہوا اس کا ہاتھ کاٹنے کا تو! اس کے قبیلے والوں نے سفارشی بنایا حضور اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو، اور حضور ﷺ کو جیسے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی تو اُن کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبت تھی۔ تو ان کو سفارشی بنایا سوچ سمجھ کر کہ ان کی سفارش کو تو حضور اکرم ﷺ کسی طور پر رد نہیں فرمائیں گے۔ لیکن جب انہوں نے سفارش کی تو حدیث میں آتا ہے: رسول اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور آپ ﷺ نے غصے سے فرمایا حضرت اسامہ سے: أَتَشْفَعُ فِي

حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ ''اے اسامہ! کیا تم اللہ کے حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو' انسانی حق میں سفارش سنی جاسکتی تھی، متاثرہ فریق کو سمجھایا جاسکتا تھا۔لیکن یہ تو اللہ کی حد کا معاملہ ہے۔لہٰذا انسان کو مصالحت پر مجبور کر کے اس حد سے نہیں ﷺ سکتا، یہ حد تو جاری ہوگی۔اس لیے کہ یہ اللہ کا حق ہے اس طریقے سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

ایک حدیث میں آتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چور کو جو ہاتھ کاٹنے کا جو حکم دیا گیا تو اس سلسلے میں سب سے پہلا کیس جو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا کہ ایک صاحب تھے کہ جن سے چوری کا جرم ہوگیا، اور لوگ پکڑ کر ان کو لے آئے حضور ﷺ کی خدمت میں، اور گواہی دے دی کہ یہ چوری کرتا ہوا پکڑا گیا ہے، اس نے چوری کا اقرار بھی کرلیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک غصے کی وجہ سے سیاہ ہوگیا (سیاہ کے الفاظ آتے ہیں یعنی اتنا غصہ کہ چہرے سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا)۔ ہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ اتنے غضب ناک اور غصہ کیوں ہوئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم خود شیطان کی مدد کرنے والے ہو، اللہ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، اور خود بھی معاف کرتا ہے۔گویا کہ اگر تم اس کو پہلے معاف کر دیتے اور میرے پاس نہ لاتے تو یہ سزا سے بچ سکتا تھا، لیکن جب معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوگیا تو اب اس کے سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، مجھے اس

کا ہاتھ کاٹنا پڑے گا۔ تو غصہ اس بات پر تھا اگر تم اس کی ستر پوشی کر لیتے، اس کے عیب پر پردہ ڈال دیتے، اور میرے سامنے اس کو نہ لاتے تو اس کا ہاتھ کٹنے سے بچ جاتا۔ لیکن اب جب میرے پاس آ گیا تو اب میرے پاس اللہ کا حق ہے، میں اس کو ساقط نہیں کر سکتا۔ اگر چہ جس کی چوری ہوئی ہے وہ معاف بھی کر دے۔ اور ایسا ہوا جس کی چوری ہوئی تھی اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اس نے جو کچھ چوری کیا میں اس کو ہبہ کرتا ہوں میں اس کو ہدیہ کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! اب معافی کا کوئی فائدہ نہیں، اب یہ حد سے نہیں بچ سکتا، اب حد جاری ہو کر رہے گی۔ بتانا یہ تھا کہ حدود کا اجراء، اسلامی سزاؤں کا اجرا یہ صرف انسانی حقوق کے متاثر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اللہ کا حق ہونے کی وجہ سے بھی ہے، لہٰذا جب قابل حق جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس کو نافذ کرنا حد کو یہ لازم ہو جائے گا، اس کی معافی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی یہ جو بات چل رہی تھی کہ جبر دو قسم کا ہے: ایک ہے فطری جبر، اور ایک ہے قانونی جبر۔ اب فطری جبر تو یہ کہ اللہ پاک کسی کو ایمان قبول کرنے پر، نیک بننے پر، عبادت کرنے پر، نماز پڑھنے پر مجبور کر دے، یہ تو فطری جبر اور قانونی جبر کیا ہے؟ اگر کوئی اللہ کے حکم کو توڑے، کسی جرم کا ارتکاب کرے اور قابل حد فعل کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اس چیز کی اسلام نے اجازت دی ہے۔

اور حد جاری کرنا، یہ اللہ کا حق ہے جس میں کسی صورت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، نہ کمی نہ زیادتی۔

حدود وتعزیرات کا اجراء اسلامی حکومت کا کام ہے

البتہ یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ حد اور تعزیر کا حق یہ صرف اسلامی حکومت کو حاصل ہے، پرائیویٹ طور پر، شخصی طور پر، انفرادی عمل کے طور پر کسی کو بھی کسی حد اور کسی تعزیر کے جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہم اسلامی حکومت سے مطالبہ ضرور کریں گے کہ فحاشی کے اڈے ہیں بند کیے جائیں، شراب خانے ہیں ان کو بند کیا جائے۔

خود قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں

لیکن خود قانون کو ہاتھ میں نہیں لیں گے۔ اگر ہم نے خود قانون کو ہاتھ میں لیا تو اس سے انتشار پھیلے گا۔ آپ دیکھیے: حنفی فقہاء موسیقی کے جو آلات ہیں ان کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے، حرام ہے ناجائز ہے، لیکن اگر کسی شخص نے موسیقی کے آلات توڑ دیے تو حنفی فقہا فرماتے ہیں کہ توڑنے والے پر ان کا تاوان ادا کرنا ضروری ہوگا۔

اب ایک طرف تو کہتے ہیں کہ موسیقی کے آلات کو استعمال کرنا یہ جائز نہیں دوسری طرف فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر انفرادی طور پر کسی شخص نے موسیقی کے آلات کو توڑا تو جو نقصان ہوا ہے اس نقصان کی تلافی کرنا اس کا تاوان تم پر لازم ہوگا۔ اب آج کے معاشرے میں لوگ نماز نہیں پڑھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، روزے نہیں رکھتے تو ہمیں یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کریں زکوٰۃ دینے پر مجبور کریں، روزے رکھنے پر مجبور کریں۔ نہ ہمیں یہ اختیار ہے نہ

ہم سے قیامت کے دن اس بارے میں باز پرس ہوگی۔ ہاں یہ کہنا ہمارا حق ہے، سمجھانا ہمارا حق ہے، ہم ہر طریقے سے نماز کی اہمیت کو، نماز کی فرضیت کو کھول کھول کر بیان کریں گے، اللہ کے ارشادات سنائیں گے، نبی اکرم ﷺ کی فرمودات سنائیں گے، وعیدیں سنائیں گے، بشارتیں سنائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اسلام مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں بندوق اٹھا کے بے نمازیوں کو مارنا شروع کردوں کہ تم اگر نماز نہیں پڑھو گے تو میں قتل کردوں گا۔

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اگر تم زکوٰۃ نہیں دو گے تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا، روزے نہیں رکھو گے تو میں تمہیں سنگسار کروں گا، اسلام مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں چوروں کے ہاتھ کاٹنا شروع کردوں، اسلام مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں زانیوں کو کوڑے لگاؤں، اسلام مجھے اجازت نہیں دیتا میں شرابیوں کو کوڑے لگاؤں، مجھے اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اگر کوئی مرتد ہوگیا تو اسلام مجھے یہ اجازت نہیں دیتا کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، مرتد کی سزا قتل ہے، لیکن انفرادی طور پر مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اگر کسی نے اپنا دین تبدیل کرلیا تو میں اس کو سزا دوں، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اگر ہر شخص کو حد اور سزا کے نفاذ کی اجازت دے دی جائے تو معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے گا، اور اگر ہم ایسی سزائیں جاری کرنا شروع کردیں جو اسلام نے بتائی نہیں تو اس سے اسلام بدنام ہوگا۔ مثال کے طور پر اللہ نہ کرے میں یوں کہوں کہ جتنے تم کو ڈاڑھی مُنڈے نظر آئیں تم ان کے منہ پر تیزاب پھینک

دو، یہ سنت رسول ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں، سنت رسول ﷺ کو منڈواتے ہیں۔ آپ لوگوں کو جوش دلاؤں: دیکھو کتنا ظلم ہو رہا ہے اس معاشرے کے اندر: حضور ﷺ کی سنت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، حضور ﷺ کی سنت کو کاٹ کاٹ کے گٹر میں بہایا جا رہا ہے میں آپ کو جوش جذبہ دلاؤں اور پھر کہوں کہ جو بھی تمہیں داڑھی مونڈا نظر آئے اس کے منہ پر تیزاب پھینک دیا کرو: مجھے اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں یہ کروں۔

بے پردگی ہو رہی ہے جو عورت بے پردہ پھرتی ہے معاذ اللہ! فحاشی اور عریانیت پھیلاتی ہے، بدترین عمل کرتی ہے۔ آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو عورت بن سنور کر باہر نکلتی ہے اور لوگ اس کی طرف دیکھتے ہیں تو فرمایا: اس پر بھی لعنت اور دیکھنے والوں پر بھی لعنت۔ یہ بدکاری کو دعوت دینے کا ذریعہ بن گئی ہے، لیکن میں یہ کہوں اپنے متعلقین کو، اپنے درس میں شرکت کرنے والوں کو کہ تمہیں جو بھی بے پردہ عورت نظر آئے اس کو زندہ جلا دو، اس کو سنگسار کر دو۔ اس کو کوڑے مارو مجھے اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اسلام نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔

اشاعتِ اسلام یا رکاوٹِ اسلام

اور اگر میں یوں کروں کہ ایک طرف تو ابھاروں آپ کو کہ بے پردہ عورتوں کو جلا دو ان کو کوڑے مارو، ان کو سنگسار کرو۔ اور دوسری طرف میں اس کی ویڈیو بھی بناؤں اور عالمی سطح پر اس کی اشاعت بھی کروں تو میں اسلام کی اشاعت نہیں کروں گا۔ اسلام کی اشاعت میں روڑے اٹکانے والا شمار ہوں گا، اسلام کو

بدنام کرنے والا شمار ہوں گا، اور حقیقت ہے اگر میں اس قسم کا عمل کروں تو یقین کریں کہ دشمنان اسلام میرے معاون بنیں گے، ہوسکتا ہے کہ وہ دینداروں کی طرح ڈاڑھیاں رکھ کر اور چوغے پہن کر اور تسبیح ہاتھ میں پکڑ کر اور سر پر ٹوپیاں اور پگڑیاں باندھ کر وہ میرے پاس آئیں، اور میری حوصلہ افزائی کریں۔مولوی صاحب! پورا کراچی شریعت کے حکموں کو توڑنے پر خاموش ہے، سارے علماء نے دین کو چھوڑ دیا، ایک آپ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے ایک دین کو زندہ کیا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ان کے چہروں پر ڈاڑھیاں بھی ان کے سروں پر پگڑیاں بھی ہوں گی، ان کے جسموں پر چوغے بھی ہوں گے، ان کے ہاتھ میں تسبیحاں بھی ہوں گی، ان کے ماتھے پر محراب بھی ہوں گے ہوسکتا ہے وہ تہجد بھی پڑھتے ہوں اور وہ کثرت سے تلاوت بھی کرتے ہوں، اور مجھے وہ لاکھوں ڈالر بھی پیش کریں گے، گویا کہ ان کو مقبول دین کی اشاعت کے لیے فحاشی کے انسداد کے لیے وہ میرے ساتھ تعاون کریں گے۔لیکن ان کا مقصد اسلام کا اشاعت نہیں ہوگا، ان کا مقصد اسلام کی بدنامی ہوگا۔اس طرح تو دنیا میں اسلام نہیں پھیلے گا بلکہ اسلام بدنام ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے اگر یہ طریقہ جگہ جگہ اپنایا گیا تو کافر تو اسلام قبول کیا کریں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان بھی مرتد ہونا شروع ہوجائیں۔

علماء اور حکومت کی ذمہ داری

بڑا نازک وقت ہے اے کاش! ہمارے پاکستان بھر کے کبار علماء اور مشائخ اور بزرگان دین سامنے آئیں اور حقائق کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان

بھی کریں جو حقیقت ہے وہ بتائی جائے، ورنہ نہ صرف عالمی سطح پر اسلام کی بدنامی ہوگی، بلکہ خود مسلمان اس قسم کے دین، اسلام سے تنگ آ کر معاذ اللہ! مرتد نہ ہو جائیں، اس بات کا اندیشہ ہے۔ اسلام نے قانونی جبر یا حدود وسزاؤں کے نفاذ کی اجازت دی، لیکن یہ اختیار صرف ریاست اور حکومت کا ہے، یہ پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے۔ میں اپنی اس انفرادی زندگی میں نماز بھی پڑھ سکتا ہوں، یہ میرا عمل ہے، میں حج بھی کرسکتا ہوں، میں روزے بھی رکھ سکتا ہوں، میں زکوٰۃ دے سکتا ہوں۔

مکمل اسلام پر عمل کرنے کے لیے اسلامی نظام ضروری ہے

لیکن اسلام کی بہت ساری تعلیمات ہیں جن پر میں خود عمل نہیں کرسکتا جب تک کہ اسلامی حکومت نہ ہو، اسی لیے نظام خلافت کا قیام وقت کی آواز ہے اگر ہم پورے پورے دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام ایسا دین نہیں ہے کہ جو صرف غاروں میں رہ کر، جنگلوں میں رہ کر، اور خلوت خانے میں بیٹھ کر اُس کے سارے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہو۔ اسلام تو اجتماعیت کا دین ہے، زندگی کہ ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا دین ہے۔ تو اس لیے اس کے لیے اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہے تا کہ اسلامی حدود کا نفاذ اور اجرا ہو سکے تو میں یہ پہلے سوال کا جواب دے رہا تھا کہ فطری جبر اور قانونی جبر میں کیا فرق ہے۔

جہاد کا مقصد

دوسرا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ جہاد کا مقصد کیا ہے؟ قبول اسلام کے لیے

جبر، یا کچھ اور؟ میں سب سے پہلے آپ کو جہاد کی اجازت کا پس منظر بتانا چاہوں گا آپ اگر دیکھیں تو مکے کے اندر مسلمان مسلسل تیرہ سال روح فرسا تک ہول ناک مظالم کا شکار رہے، حضور اکرم ﷺ نے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی، ایمان بچانے کیلئے دو بار ہجرت کی ہے، لیکن وہاں پر بھی کفار نے مشرکین نے تعاقب کیا تاکہ مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ نہ مل سکے، اور پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، تو وہاں پر بھی تعاقب کیا گیا۔ منافقوں اور یہودیوں سے مطالبہ کیا گیا کہ ان کو یہاں سے نکال باہر کرو وگرنہ ہماری تمھارے وہاں پر بھی مسلمانوں کے ساتھ بھی جنگ ہوگی چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا۔ جب ان کا ظلم حد سے تجاوز کر گیا، پندرہ سال ہو گئے، مسلسل ان کے ظلم اور زیادتی کو تب اللہ پاک نے جہاد کی اجازت دی ہے۔

پہلی آیت جہاد

اور پہلی آیت جو اجازت جہاد کے بارے میں نازل ہوئی وہ سورۂ حج کی آیت نمبر: ۳۹ تا ۴۰ ہے جس میں اللہ نے فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ

(الحج39پارہ17)

ترجمہ: ''ان لوگوں کو قتال کی اجازت دی گئی جن کے ساتھ مسلسل جنگ ہو رہی تھی کیوں اجازت دی گئی؟ فرمایا اس سبب سے کہ ان پر ظلم کیا جا رہا تھا۔''

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ
يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۚ

(الحج39، 40پارہ17)

اللہ نے ان آیات میں جہاد کی اجازت بھی دی، جہاد کی اجازت کا سبب بھی بیان کیا، جہاد کی اہمیت کو بھی بیان کیا کہ جہاد کی تم اجازت دی گئی اس کا سبب یہ کہ تم پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا کہ اگر تم جہاد نہیں کرو گے مقابلہ نہیں کرو گے تو پھر سارے عبادت خانے جو اللہ کے ذکر کے لیے قائم کیے گئے ہیں، یہ سارے کے سارے عبادت خانے ویران ہو جائیں گے، گرا دیے جائیں گے، اور غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ پاک نے یہاں پر چار الفاظ استعمال فرمائے: عبادت خانوں کے لیے صَوَامِعُ، وَبِيَعٌ، وَّصَلَوٰتٌ اور مساجد۔ مساجد تو مسلمانوں کے عبادت خانے کو کہا جاتا ہے۔ صوامع یہ عیسائیوں کے خلوت خانے، اور بیع یہ عیسائیوں کے گرجے، اور صَلَوٰات یہ یہودیوں کے عبادت خانے کو کہا جاتا ہے۔

گویا کہ یہ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سارے عبادت خانے ہوں یہودیوں کے بھی ہوں، عیسائیوں کے بھی ہوں، دوسرے مذاہب کے بھی ہوں اور مسجدیں بھی ہوں، اور اگر دفاع نہ کیا گیا تو یہ سارے

کے سارے عبادت خانے ویران کر دیے جائیں گے اور یہ بھی قرآن نے بتایا کہ جہاد کن کے ساتھ کرنا ہے؟ سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۹۰ میں اللہ نے فرمایا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

(البقرہ190پارہ2)

ترجمہ: ''اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے ساتھ قتال کرتے ہیں''

جہاد ہمیشہ شر پسندوں کے خلاف ہوتا ہے

اگر آپ اپنے آقا ﷺ کی سیرت پر نظر ڈالیں تو یہ ثابت ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ نے اُنھی لوگوں کے ساتھ قتال کیا ہے، جہاد کیا ہے جنہوں نے خود مسلمانوں کے ساتھ قتال کیا اور زیادتی کی۔ بدر کی جنگ ان لوگوں کے ساتھ ہوئی ہے جنہوں نے مسلسل پندرہ سال تک مسلمانوں کو ظلم اور زیادتی کا نشانہ بنایا۔ اور اُحد کی جنگ ان کے ساتھ ہوئی ہے جنہوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ ابوسفیان یہودیوں کے سازش کرنے پر مدینے پر چڑھ دوڑا۔ احزاب کی جنگ ان کے ساتھ کی گئی۔ جنہوں نے بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا، غزوہ خیبر اور غزوہ بنو قریظہ یہ کن لوگوں کے ساتھ ہوا ہے؟ یہودیوں کے ساتھ! جو مسلسل شرارت اور بدعہدی کا ارتکاب کرتے رہے۔ غزوہ حنین کن کے ساتھ ہوا؟ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ بنو ثقیف کے ساتھ جنہوں نے پروگرام بنایا مدینہ منورہ کو معاذ اللہ! اجاڑ دینے کا، غزوہ تبوک کس کے ساتھ ہوا ہے؟ رومیوں کے

ساتھ جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہ عرب کی شمالی سرحد پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔

تو جہاد کن کے ساتھ ہے؟ قتال کن کے ساتھ ہے؟ قرآن نے اس کی بھی وضاحت کردی۔ اور جہاد اور قتال کا مقصد کیا ہے؟ قرآن نے اس کی بھی وضاحت کردی۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۹۳ میں اللہ نے فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

(سورۃ البقرہ 193 پارہ 2)

''ان کے ساتھ قتال کرو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے'' فتنہ کیا؟ کہ کوئی ایسا شخص کوئی ایسی طاقت نہ رہے جو کسی کو اللہ کی عبادت سے روکنے والی ہو، فتنہ اللہ کی عبادت سے روکنا، نظام دنیا میں فساد پھیلانا، یہ فتنہ ہے۔ تو اللہ فرماتے ہیں: ان کے ساتھ قتال کرو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے۔ کسی ایک آیت سے بھی اور کسی ایک حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جہاد اور قتال کا مقصد انسانوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا تھا۔ کسی ایک آیت سے بھی ثابت نہیں ہوتا کسی ایک حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

جب نبی کریم ﷺ مجاہدین لے جاتے تھے تو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے تھے: اسلام قبول کرلو، نہیں قبول کرنا چاہتے اپنے مذہب پر باقی رہو لیکن پر امن طریقے سے رہو، جزیہ دیتے رہو، ہندو ہو ہندو ہی رہو، عیسائی ہو عیسائی رہو، یہودی ہو، یہودی رہو لیکن چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا، پر امن طریقے سے رہو اور جزیہ دیتے رہو۔ اور تیسرا یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی شرط قبول

نہیں تو اب جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا غلبہ

سب سے بڑا غلبہ جو مسلمانوں کو حاصل ہوا وہ فتح مکہ کے موقع پر حاصل ہوا، پوری طرح غلبہ تھا مکے والوں پر۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور مکہ کے مشرک سہمے ہوئے تھے، پتا نہیں آج ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ لیکن کوئی ایک حدیث کوئی ایک قول نہیں پیش کیا جا سکتا کہ مکہ والوں کے لیے یہ شرط لگائی ہو کہ تمہیں امن دیا جائے گا اگر تم ایمان قبول کرلو، بلکہ نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن، جو بیت اللہ میں داخل ہو جائے اس کو امن، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اس کو امن، یہ شرط نہیں لگائی کہ جو کلمہ پڑھ لے گا تو اُسے امن نہیں۔

جبر علی الایمان پر حضور ﷺ کا ناراض ہونا

بلکہ حدیث سے تو اس کے برعکس ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں پر ناراضگی کا اظہار کیا جنہوں نے کسی کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کیا۔ حدیث میں آتا ہے: ایک انصاری صحابی حسین رضی اللہ عنہ ان کا نام تھا، دو بیٹے تھے، ان کے اور دونوں بیٹے عیسائی تو بڑے دکھے دل کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے سامنے عرض کیا کہ کیا میں اپنی نظروں سے دیکھتا رہوں ان کو کہ یہ دوزخ کا ایندھن بن جائیں یہ عیسائیت کی حالت میں مریں اور دوزخ کا ایندھن بنیں اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہوں۔ میں نہیں دیکھ سکتا، مجھے اجازت دیجیے کہ اگر یہ خوشی

سے ایمان قبول نہیں کرتے تو میں ان کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کرسکوں؟ حدیث میں آتا ہے اللہ کے نبی ﷺ نے منع فرمایا، اور اللہ نے آپ ﷺ کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ: ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے'' گویا کہ ان کو اجازت نہیں دی گئی کہ ایمان قبول کرنے پر کسی کو مجبور کریں حتیٰ کہ باپ اپنی بالغ اولاد کو بھی ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

مستشرقین کا اعتراض اسلام جبراً پھیلایا گیا

مستشرقین کن کو کہا جاتا ہے؟ وہ لوگ جنہوں نے مشرقی علوم کے اندر مہارت حاصل کی ہو، قرآن کریم میں مہارت، حدیث واسلامی تاریخ میں مہارت۔ لیکن ان بدبختوں کا مقصد حصول علم نہیں تھا حقیقت کی تلاش نہیں تھی بلکہ ان کا مقصد کل بھی اور آج بھی اسلام کو بدنام کرنا، اور اسلام کی اشاعت کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنا، یہ مقصد تھا۔

تو مستشرقین جو ہیں انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اسلام اسی تلوار سے پھیلا۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ خود ان کو کس تلوار نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا؟ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو کس تلوار نے؟ حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کس تلوار نے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو؟ آپ دیکھیں تو تلوار تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی جب انہوں نے ایمان قبول کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں نہیں تھی، ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب کے ہاتھ میں نہیں تھی جسے مار مار کر زخمی کر دیا تھا، تو تلوار تو عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی فاطمہ کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ اور بدبختی کی انتہا کہ یہاں تک مستشرقین نے لکھا کہ معاذ اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنے بھی غزوات تھے ان کے دو مقصد تھے: ایک مقصد تو لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا، اور دوسرا معاذ اللہ! ڈاکہ زنی کے ذریعے دولت جمع کرنا۔ میں نے بتایا کہ کوئی ایک آیت، کوئی ایک حدیث، کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ کسی کو طاقت کے زور پر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

اصل جابر اور ڈاکو کون؟

اور ڈاکہ زنی معاذ اللہ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرنے والے نہیں تھے۔ ڈاکو تو وہ ہیں جنہوں نے مشرق وسطیٰ کے تیل پر قبضہ جمانے کے لیے لاکھوں انسانوں کا خون بہا دیا، ڈاکو وہ ہیں جنہوں نے کیمیائی ہتھیاروں کا جھوٹ بول کر لاکھوں عراقیوں کو، بچوں کو، نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں کو تہ تیغ کر دیا، ڈاکو وہ ہیں جنہوں نے ایک اسامہ کا بہانہ بنا کر پورے افغانستان کو اپنی بمباری کا نشانہ بنایا، اور ڈاکو وہ ہیں جنہوں نے افریقہ کے بھوک سے تڑپتے لوگوں کے مادی وسائل پر قبضہ جما رکھا ہے طاقت کے زور پر۔ حیرت کی بات ہے جو خود ڈاکو ہے

معاذ اللہ! وہ ان انسانوں پر ڈاکہ زنی کی تہمت لگائے جن سے بڑا پارسا دنیا میں کوئی نہیں گزرا تو میرے عزیزو! عرض یہ کررہا تھا کہ جہاد کا مقصد قبول اسلام پر جبر نہیں تھا، تلوار چلانے کا مقصد قبول اسلام پر مجبور کرنا نہیں تھا۔

تلوار دل نہیں بدل سکتی

اور حقیقت یہ ہے کہ تلوار کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں کہ دل کو بدل سکے، تلوار سے آپ کسی کے زبان سے کلمہ کے الفاظ نکلوا سکتے ہیں، لیکن کسی کے دل میں ایمان کی حقیقت کو نہیں اتار سکتے۔ میری نظر میں الحمدُ للہ اسلام کی اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ خود اسلام ہے، اللہ نے اسلام کے اندر اتنی کشش رکھی ہے اتنی تاثیر رکھی ہے، ایسی زندگی رکھی ہے، ایسی تازگی رکھی ہے کہ یہ خوشبو کی طرح خود پھیلتا ہے۔ ایک ایک چیز اسلام کی لیجیے، اسلام کے وضو کو لے لیں، غسل کو لے لیں، اذان کو لے لیں، اقامت کو لے لیں، صف بندی کی صورت میں جماعت کی نماز کو لے لیں، حج کے منظر کو لے لیں ایک ایک چیز کے اندر اتنی کشش ہے اور ایسی تاثیر ہے کہ دلوں پر اثر کرتا ہے۔ خود اسلام کے اندر اللہ نے یہ کشش رکھی، قرآن کے اندر اللہ نے اتنی کشش رکھی، اتنی تازگی اور اتنی جاذبیت، جو سنتا ہے تو وہ اسلام قبول کرتا ہے۔ جو بلا تعصب سُنے۔

اسلام کی اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ

میرے بھائیو! اور میری بہنو! اگر مجھ سے کوئی پوچھے اسلام کی اشاعت میں کوئی رکاوٹ ہے؟ تو میں کسی خوشی کے ساتھ نہیں کہہ رہا، دکھے دل کے ساتھ کہہ

رہا ہوں: اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ سب سے زیادہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا کردار، ہمارے اخلاق، ہمارے گرے ہوئے معاملات، ہمارا طرز زندگی، ہمارا کثرت کے ساتھ جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، فراڈ کرنا، خیانت کرنا، دونمبر کام کرنا، انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کرنا، دولت کی بے پناہ ہوس میں مبتلا ہوجانا ہے۔

اسلام کی اشاعت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ خود مسلمان ہے مجھے یقین ہے آج دنیا کے ڈیڑھ کروڑ نہیں، ڈیڑھ ارب نہیں، میں کہتا ہوں اسی کروڑ نہیں، چالیس کروڑ نہیں، اگر بیس کروڑ مسلمان بھی واقعی ظاہر اور باطن کے اعتبار سے مسلمان بن جائیں تو پوری دنیا کا مذہب اسلام بن جائے گا، اگر عملی طور پر ہو۔

آج اسلام کتابوں میں تو ہے، حدیثوں میں تو ہے، فقہ میں تو ہے، بخاری میں تو ہے، مسلم میں تو ہے، ابوداؤد میں تو ہے، نسائی میں تو ہے، ترمذی میں تو ہے، ہدایہ میں تو ہے، کنز الدقائق میں تو ہے، لیکن مسلمان میں اسلام نہیں ہے، مسلمان میں وہ اسلام کی جھلک نظر نہیں آتی جو اسلام کی عملی زندگی سے تعلق رکھنے والی تعلیمات ہیں۔ تو یہ اس دوسرے سوال کا جواب دیا گیا کہ جہاد کا مقصد کیا ہے۔

حدود وتعزیرات کا نفاذ جبر نہیں

جہاں تک تیسرا سوال ہے کہ اسلامی حدود وتعزیرات کا اجرا اور نفاذ کیا یہ جبر کے ضمن میں آئے گا؟ تو میں اثبات میں جواب دیتا ہوں: ہاں: یہ جبر کے

ضمن میں ہے ٹھیک ہے ہم اس سے انکار نہیں کرتے، اسلامی حدود وتعزیرات کا اجرا، یہ جبر کے ضمن میں ہے۔ اور ہر جبر ممنوع بھی نہیں ہے میں اپنے بچے پر جبر کرتا ہوں کہ یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ۔ میرا مقصد اس کی بہتری ہے میں اس کو مجبور کرتا ہوں یہ پہنو یہ نہ پہنو، اس کے ساتھ دوستی لگاؤ اس کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ، اس وقت سو جاؤ اس وقت اٹھ جاؤ، میں مجبور کرتا ہوں جبر کرتا ہوں اس پر، معصوم بچے پر جبر کرتا ہوں۔ اگر کوئی اس بات کو بڑے ہول ناک انداز میں پیش کرنا چاہے تو مجھے بڑا ظالم ثابت کر سکتا ہے کہ دیکھیے! یہ چھوٹے سے معصوم بچے پر ظلم کرتا ہے، آٹھ دس سال کا بچہ ہے یہ اس کو مجبور کرتا ہے، صبح جلدی اٹھو، رات کو جلدی سو جاؤ، اور یہ میٹھی چیز نہ کھاؤ، اور وہ نہ کھاؤ، اور یہاں بیٹھو، اور وہاں نہ بیٹھو۔ لیکن جو ایک انصاف پسند شخص ہے وہ مجھے داد دے گا کہ میں اپنے بچے کی تربیت کے لیے کتنا فکر مند ہوں، میری تعریف کرے گا کہ میں اس کی ایک ایک چیز پر نظر رکھتا ہوں۔ جبر کے ذریعے سے اس کو بگاڑ سے اور تباہی سے بچاتا ہوں ایک حکیم اور ڈاکٹر ہم پر جبر کرتا ہے: زبردستی میرے ہاتھ کو پکڑ لیتے ہیں، کاٹ پیٹ لیتے ہیں، نشتر چلاتے ہیں، مجھے زخمی کرتے ہیں، میں انہیں فیس بھی دیتا ہوں، ان کی تعریف بھی کرتا ہوں، حالاں کہ انھوں نے میرے ساتھ جبر کیا ہے، کیوں اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں میرے فائدہ کے لیے کر رہے ہیں۔

اگر ایک باپ کو اولاد پر اس کے فائدے کے لیے جبر کا اختیار ہے، اور ڈاکٹر کو مریض کے فائدے کے لیے جبر کا اختیار ہے۔ اللہ کو بندے کے

فائدے کے لیے جبر کا اختیار ہے اور اللہ جتنی ہماری ضروریات کو جانتا ہے نہ باپ اپنے بیٹے کی ضروریات کو جانتا ہے، نہ ڈاکٹر اپنے مریض کی ضروریات کو جانتا ہے یہ اللہ جانتا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ نہ کاٹا گیا تو پورا معاشرہ چور بن جائے گا یہ اللہ جانتا ہے اور بن چکا آج کیا حقیقت نہیں ہے پورا معاشرہ چوروں کا معاشرہ ہے الا ماشاء اللہ! سوائے اُن کے جن کو اللہ پاک نے بچایا ہوا ہے، اور میں اکثر کہا کرتا ہوں صرف دو قسم کے لوگ چوری ڈکیتی کرپشن سے بچے ہوئے ہیں: ایک وہ جن کے دل میں خوف خدا ہے، دوسرے وہ جن کا داؤ نہیں چلتا مجبور ہیں بے چارے! ایسا لگتا ہے کہ ہمارے معاشرے کا ہر فرد اس چکر میں ہے۔ کہ میں کوئی نہ کوئی ہاتھ مار جاؤں، کسی کے پلاٹ پر قبضہ جمالوں، کہیں سے کمیشن کھالوں تا کہ راتوں رات امیر بن جاؤں،

ہر چیز ممنوع نہیں ہے

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ ہر جبر ممنوع نہیں ہے، اللہ کا حکم ہے اللہ نے جن چیزوں میں جبر کیا اللہ جانتا تھا کہ اس میں جبر کرنا انسانوں کا فائدہ ہے، ان کی نسلوں کا فائدہ ہے، ان کے پورے معاشرے کا فائدہ ہے، پورے کے پورے ملک کا فائدہ ہے تو اللہ نے حدود کا نظام جاری کیا اگر کوئی شخص حکومت کو چیلنج کرے تو کوئی حکومت خواہ وہ کتنی ہی آزاد خیال جمہوریت پسند کیوں نہ ہو کوئی حکومت نہیں پسند کرتی کہ ان کو چیلنج کیا جائے تو اللہ کی حدود کو کوئی چیلنج کرتا ہے تو اللہ برداشت کیسے کریں گے؟ اور کیا اس کی کوئی سزا نہیں ہونی چاہیے جو اللہ کے

قانون کو چیلنج کرتا ہے؟ تو بھائی حدود کا اجرا یہ جبر کے ضمن میں آتا ہے، اور یہ جبر ممنوع نہیں ہے۔ اور یہ جبر قابل مذمت نہیں قابل تعریف ہے۔ کہ اللہ نے ہمیں ایسا نظام دیا کہ چند لوگوں کے ہاتھ کاٹ کر پورے ملک کو امن وسکون مل سکتا ہے۔ ایک پھوڑے کی وجہ سے پورا جسم بے چین ایک تھوڑا سا حصہ کیا کاٹا کیا پورے جسم کو سکون مل گیا۔ تو اگر ایک ہاتھ کے کٹنے سے کروڑوں ہاتھوں کو سکون مل سکتا ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔

حدود کا جبر اور جائز اور لائق تعریف ہے

لیکن بات وہی ہے جو شروع میں عرض کر چکا کہ یہ جبر جائز ہے، حدود کا اجرا یہ شریعت کا تقاضا ہے، لیکن حدود کا اجرا کسی شخص کا ذاتی معاملہ نہیں ہے، پرائیویٹ طور پر کسی کو حد جاری کرنے کا اختیار نہیں۔ یہ صرف ریاست کا اختیار ہے، حکومت کا اختیار ہے۔ اللہ کرے کہ اللہ پاک ہمیں ایسے حکمران عطا فرمائے، ایسے لوگ عطا فرمائے جو حدود اللہ کا نفاذ کرنے والے ہوں جو اسلام کے ایک ایک حکم کو زندہ کرنے والے ہوں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

منصبِ خلافت امتِ مسلمہ کی متاعِ گم گشتہ

ازافادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

- بیعت، خلافت اور امامت میں کیا فرق ہے؟
- اسلام میں خلافت کی کیا اہمیت ہے؟
- نظام خلافت کیسے قائم ہوگا؟
- خلیفہ میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟
- کیا ایک وقت میں کئی خلفاء ہو سکتے ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ ط

اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾

(سورۃ النور:۵۵)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ

قابل احترام خواتین وحضرات! جیسا کہ بتایا گیا ہمارے آج کے ماہانہ درس قرآن کا موضوع ''نظامِ خلافت'' ہے۔

انسان کا نصب العین

ہم جب قرآن کریم کے مطالعہ سے انسان کے مقام اور اس کے نصب العین اور مقصد زندگی کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اسے دو لفظوں میں بیان کر سکتے ہیں (۱) عبادت (۲) خلافت

انسان کی زندگی کا پہلا مقصد ہے اللہ کی عبادت، چنانچہ اللہ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝٥٦

سورۃ الذاریات:۵۶

میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے اپنی عبادت کے لیے

عبادات کے اندر انتہا درجے کی عاجزی اور ذلت کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ عاجزی اور ذلت اسی ذات کے سامنے اختیار کی جا سکتی ہے جو بلندیوں کی انتہاء پر ہے، کسی مخلوق کے سامنے اس عاجزی اور ذلت کا اظہار نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہستی جو بلندیوں کی انتہا پر ہے، جہاں ساری بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں، جو ہستی ہمارے عیوب، نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے، وہ ہستی اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں، انسان محتاج ہے وہ غنی ہے، انسان ضعیف ہے وہ قوی ہے، انسان حادث ہے وہ قدیم ہے، انسان با عیب ہے وہ ہستی بے عیب ہے اور عبادت تو ساری مخلوق اللہ کی کرتی ہے زمین بھی، آسمان بھی، درخت بھی، حیوان بھی، چیونٹیاں بھی، کیڑے مکوڑے بھی، لیکن باقی مخلوق اللہ کی عبادت کرتی ہے بغیر اختیار کے، لیکن انسان اللہ کی عبادت کرتا ہے اپنے اختیار سے۔ یہی ایک نمایاں فرق ہے انسان

کی عبادت اور دوسری مخلوق کی عبادت میں، تو انسان کی زندگی کا پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اپنے اختیار سے۔ اس کے سامنے قیام، اس کے سامنے رکوع، اس کے سامنے سجدہ اس کے لیے صدقہ خیرات، اس کے لیے نذر و نیاز، اس کے لیے ساری قولی، مالی اور بدنی عبادتوں کو مخصوص رکھے اور انسان کی زندگی کا دوسرا محور اور مقصد وہ ہے خلافت جیسا کہ اللہ پاک نے سورۃ البقرہ ہی میں فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط

سورۃالبقرۃ:۳۰

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج

سورۃالبقرۃ:۳۰

فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا؟

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط

اور ہم تیری تسبیح اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں، ہم تیری عبادت کرتے ہیں تیری حمد و ثناء کرتے ہیں، تیرا ذکر کرتے ہیں، تو کسی اور مخلوق کی دنیا میں ضرورت کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا:

اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

مقصد یہ تھا کہ تم عبادت کر سکتے ہو لیکن خلافت کی ذمہ داریاں تم نہیں نبھا سکتے۔ یہ جو تم کہتے ہو کہ ہم تسبیح کرتے ہیں، تقدیس کرتے ہیں، حمد وثناء کرتے ہیں، ذکر و دعا کرتے ہیں، تو یہ تمہاری عبادت ہے۔ لیکن انسان کو صرف عبادت کے لیے پیدا نہیں کیا جا رہا بلکہ اس کے ساتھ خلافت کی ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پہ ڈالی جائیں گی۔ تو خلافت کی ذمہ داری تم نہیں نبھا سکتے عبادت کر سکتے ہو لیکن نظام خلافت قائم نہیں کر سکتے۔ بلکہ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے بار خلافت تو یہ اپنی ساری مخلوق کے سامنے پیش کیا لیکن مخلوق میں سے کوئی بھی خلافت کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوا چنانچہ فرماتے ہیں کہ

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾

سورة الاحزاب: ۷۲

"ہم نے بار امانت کو پیش کیا آسمانوں کے سامنے، زمینوں کے سامنے پہاڑوں کے سامنے، لیکن ان سب نے امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے لیکن امانت کا بوجھ اٹھالیا انسان نے"

امانت کے بوجھ سے کیا مراد ہے؟

یہ امانت کا کون سا بوجھ ہے جس کے اٹھانے سے پہاڑوں نے انکار کیا، زمینوں نے انکار کیا، آسمانوں نے انکار کیا اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا؟ کیا

اس امانت کے بوجھ سے مراد عبادت کا بوجھ ہے؟ تسبیح وتقدیس کا بوجھ ہے؟ نہیں۔ اس لیے کہ یہ بوجھ تو ساری مخلوق نے پہلے سے ہی اٹھایا ہوا ہے یہ کام تو پہلے سے سب کر ہی رہے ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ:

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ

(الاسراء:۴۴)

کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح اور حمد وثناء کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح اور حمد وثناء کو سمجھتے نہیں ہو۔

تو یہ جو حمد وثناء کا بوجھ ہے اللہ کی عبادت اور اللہ کے ذکر کی ذمہ داری ہے، یہ تو پہاڑوں نے زمینوں نے آسمانوں نے پہلے ہی سے اٹھا رکھی ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں امانت کے جس بوجھ کا ذکر ہے اس سے عبادت کا بوجھ مراد نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے مراد خلافت کا بوجھ ہے، تو بارِ خلافت کو اٹھانے سے انکار کردیا ساری مخلوق نے لیکن بارِ خلافت کو اٹھالیا انسان نے اپنے جسم ناتواں پر۔

یہ خلافت کیا ہے؟ خلافت۔ وہ کام جو اللہ کہتا ہے میں کرتا ہوں اے انسانوں وہ کام تم بھی کرو۔ میں انسانوں کو کھلاتا پلاتا ہوں، تو اے انسانوں تم بھی اپنی حیثیت کے مطابق، اپنی بساط کے مطابق، اپنی استعداد کے مطابق، اپنی کمزوریوں کے مطابق، دوسروں کو کھلانے پلانے کی کوشش کرو، میں تربیت کرتا ہوں تم بھی تربیت کرو، میں بھی ہدایت دیتا ہوں تم بھی ہدایت دو، میں تعلیم کرتا ہوں تم بھی تعلیم کرو، میں تدبیر کرتا ہوں تم بھی تدبیر کرو، میں رحم کرتا ہوں تم بھی رحم

کرو، میں امر بالمعروف کرتا ہوں نہی عن المنکر کرتا ہوں تم بھی یہ کام کرو، جو یہ دونوں کام کرے گا یعنی عبادت بھی اور خلافت کی ذمہ داری بھی۔ دونوں کو نبھانے کی کوشش کرے گا اسی کا ایمان مکمل ہوگا۔ اس لیے کہ ساری دینی تعلیمات کا خلاصہ دو جملوں میں جمع کیا گیا۔

التعظیم لأمر اللہ والشفقة علی خلق اللہ

سارے دین کا خلاصہ کیا ہے؟ ''اللہ کے حکموں کی تعلیم ور اللہ کی مخلوق پر شفقت''۔ اگر ایک شخص اللہ کے حکموں کی تعلیم تو کرتا ہے لیکن مخلوق خدا پر شفقت نہیں کرتا تو اس کا ایمان کامل نہیں ہے اور اگر کوئی صرف شفقت ہی شفقت کرتا ہے عبادت نہیں کرتا تو اس کا بھی ایمان کامل نہیں ہے اگر ایک شخص ۲۴ گھنٹے مسجد میں گزارتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے لیکن اسے مخلوق خدا کی کوئی پروانہیں، کون مرتا ہے کون جیتا ہے، کون ہدایت میں ہے کون ضلالت میں ہے، کون بھوکا ہے کون پیاسا ہے تو ایسے شخص کا ایمان کامل نہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی دیکھ لیں مخلوق خدا کی خدمت بھی کرتے تھے۔ کفار کو دعوت بھی دیتے تھے جہاد بھی کرتے تھے، ظالموں کے خلاف ہدایت بھی دیتے تھے اور مظلوموں کی مدد بھی کرتے تھے، خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی حال تھا وہ عبادت کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے تھے اور خلافت کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے تھے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہ تبصرہ اپنوں نے نہیں غیروں نے کیا دشمنوں نے کیا؛

ھم رھبان باللیل وفرسان بالنھار

''وہ راتوں کو تو راہب ہوتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں عبادت میں ایسے مگن ہوتے ہیں کہ رکوع میں جاتے ہیں تو سجدہ کرنا بھول جاتے ہیں، سجدہ میں چلے گئے تو سر اٹھانا بھول جاتے ہیں، تو طویل عبادت، مناجات، دعا، تضرع، آہ وزاری، گریہ وبکاء تو راتوں کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں، لیکن جب ان کے دن کو دیکھیں تو وہ شہ سوار ہوتے ہیں تو راتوں کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں لیکن جب ان کے دن کو دیکھیں تو وہ شہ سوار ہوتے ہیں۔ خدمت گزار ہوتے ہیں، وہ مجاہد ہوتے ہیں، وہ غازی ہوتے ہیں، وہ سیاست دان ہوتے ہیں، وہ حکمران ہوتے ہیں، وہ تاجر ہوتے ہیں۔ یہ تقاضے بھی پورا کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کی بھی وضاحت کردوں کہ ایک ہے ہم میں ہر ایک کا اپنی ذات کے اعتبار سے خلیفہ ہونا اور خلافت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنا اور ایک امت کا اجتماعی نظامِ خلافت قائم کرنا۔ ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے میں خلافت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا ہوں اپنی ذات کے اعتبار سے، تو میں پورا کرسکتا ہوں کہ میں عبادت بھی کروں میں خدمت بھی کروں، میں تلاوت بھی کروں میں مظلوموں کے کام بھی آؤں، میں ذکر ودعا بھی کروں میں جہاد بھی کروں، میں اپنی آخرت کو بھی سنواروں اور دوسروں کو بھی راہ ہدایت پر لانے کی کوشش کروں، تو اپنی ذات کی حد تک میں خلافت کا جو میری ذات سے مطالبہ ہے میں اس کو پورا کرسکتا ہوں۔ کیوں کہ اللہ نے ہم سب کو کہا ہے کہ تم سب ہی

خلیفہ ہو۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ خَلٰئِفَ فِی الْاَرْضِ

وہ اللہ ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا

خلافت کی ضرورت

ہم ایک دوسرے کے بھی خلیفہ ہیں، میں اپنے ابا کا، ابا اپنے دادا کے ہم پہلوں کے، وہ پہلے زمانے کے لوگوں کے، وہ اس سے پہلے زمانے کے لوگوں کے خلیفہ، تو ایک تو یہ ہے کہ اپنی ذات کی حد تک خلافت کے تقاضوں کو پورا کرنا اور ایک ہے اجتماعی طور پر امت کا نظام خلافت قائم کرنا، ان دونوں میں فرق ہے۔ تو صرف انفرادی طور پر خلافت کے تقاضوں کو پورا کرنا کافی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر بھی امت کے نظامِ خلافت کو قائم کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر امت کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ ویسے تو ہمارے ہاں خلفاء بھی بے شمار ہیں، ائمہ بھی بے شمار ہیں، ایک اور امراء بھی بے شمار ہیں، جو ایک پیر صاحب کے خلیفہ ہوتے ہیں کسی کو خلافت مل گئی، تو ایسا بھی ہے کہ ایک پیر صاحب کے سینکڑوں خلیفہ ہیں، ہمارے ہاں مساجد ہیں تو مساجد کے ہزاروں اور لاکھوں ائمہ ہیں، ہمارے ہاں جماعتیں ہیں جماعتوں کے دسیوں، بیسیوں، سینکڑوں امرا ہیں، امیر ہیں اور تینوں لفظ خلیفہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ خلیفہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے امام کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور امیر کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ ہم خلیفۃ المسلمین بھی کہہ سکتے ہیں، امام المسلمین بھی کہہ سکتے ہیں اور امیر المسلمین بھی کہہ سکتے ہیں مسلمانوں کے خلیفہ کو۔

تو ویسے تو خلفاء، ائمہ اور امراء بے شمار ہیں ایک ایک پیر صاحب کے سینکڑوں خلفاء اور مساجد کے ہزاروں ائمہ اور مختلف جماعتوں، فرقوں کے بے شمار امراء، لیکن ان خلفاء سے، ان امرا سے اور ان ائمہ سے امت کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

امامتِ صغریٰ اور خلافتِ صغریٰ

میں اگر یوں کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ جو مسجد کی امامت ہے تو یہ امامت صغریٰ ہے اور خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کی تربیت واصلاح کا اہتمام کرنا یہ خلافت صغریٰ ہے اس امامت صغریٰ اور خلافت صغریٰ سے امت کے مسائل حل نہیں ہو سکتے جب تک کہ خلافت کبریٰ کا اہتمام نہ ہو، جب تک کہ امامت کبریٰ کا اہتمام نہ ہو، حیرت کی بات ہے کہ اگر کوئی مسجد چند دن امام کے بغیر خالی رہ جائے تو پورے محلے میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا کہ مسجد ہے اور امام کے بغیر اور خانقاہ ہے اور خلیفہ کے بغیر لیکن صدیوں سے امت کسی خلیفہ کے بغیر ہے اور امت صدیوں سے کسی امام کے کسی خلیفہ کے بغیر ہے اور زندگی بسر کر رہی ہے اور یاد رکھیے ان خلفاء سے اور ان ائمہ سے اور ان امرا سے کافروں کو کوئی خوف نہیں ہے، کوئی ڈر نہیں ہے۔

ایک ایک پیر صاحب کے سینکڑوں نہیں ہزاروں خلیفہ بھی بن جائیں اور مساجد کے ہزاروں نہیں لاکھوں ائمہ بھی ہم قائم کر دیں اور ہزاروں جماعتوں کے امیر بن جائیں لیکن ان امرا، ان خلفاء اور ائمہ سے عالم کفر کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ ان کو خطرہ ہے مسلمانوں کی اجتماعی جماعت کے خلیفہ سے۔ مسلمانوں کی

پوری جماعت کا کوئی خلیفہ بن جائے اس کے تحت پوری مسلمان امت جمع ہوجائے اس کا ان کو خوف ہے کہ کہیں اس طریقے سے مسلمانوں کے اندر اجتماعیت پیدا نہ ہوجائے۔

ترقی وعزت کے لئے نظامِ خلافت کا قیام ضروری ہے

اور جان لیجیے کہ مسلمانوں کی ذلت، عزت میں نہیں بدل سکتی اور مسلمانوں کی پستی، بلندی میں نہیں بدل سکتی اور مسلمانوں کے یہ حالات نہیں بدل سکتے جب تک کہ مسلمانوں کے اندر نظامِ خلافت قائم نہ ہو اور نظام خلافت قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمارے اندر ایمان صحیح اور عمل صالح نہ ہو، اس لیے اللہ نے وعدہ کیا ہے مسلمانوں سے ''میں تمہیں نظامِ خلافت دوں گا۔'' کس وقت؟ جب تک تمہارے اندر ایمان پیدا ہوجائے اور تم عمل صالح کرنے والے بن جاؤ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠

(سورۃالنور:۵۵)

اللہ نے ایمان والوں سے اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا کہ ان کو زمین میں خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو ہم نے خلافت دی اور اللہ ان کے دین کو مضبوطی عطا کردے گا اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔

پھر ایسی صورت بن جائے گی کہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی جرأت

نہیں ہوگی۔ تو جب مسلمانوں کے اندر خلافت کا نظام قائم ہو جائے گا تو پھر دین کو مضبوطی ملے گی۔ مسلمانوں کا خوف یہ امن میں بدل جائے گا، مسلمان کی ذلت عزت میں بدل جائے گی، مسلمانوں کی پستی بلندی میں بدل جائے گی۔

خلیفہ کی ذمہ داری

اور اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ جب مسلمانوں کے اندر خلافت کا نظام قائم ہو گا تو وہ خلیفہ کیا کرے گا؟ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

(سورۃ الحج: ۴۱)

''جن لوگوں کو ہم زمین میں جگہ دیں گے، خلافت دیں گے، عزت دیں گے، اقتدار دیں گے، وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے۔'' جن کو اقتدار ملے گا جن کو خلافت دی جائے گی وہ یہ چار کام کریں گے جو اللہ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمائے (۱) نماز کا نظام قائم کریں گے (۲) زکوٰۃ دیں گے (۳) امر بالمعروف کریں گے (۴) اور نہی عن المنکر کریں گے۔ یہ خلیفہ کی ذمہ داریوں میں ہوگا اور نہ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ خلافت کا نظام کوئی نفل چیز نہیں ہے، کوئی مستحب چیز نہیں ہے بلکہ خلافت کا قیام فرائض میں سے ایک فریضہ ہے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''خلافت کے نظام کا قائم کرنا اسلام کے فرائض میں سے سب سے اہم فریضہ ہے۔''

اپنے فتویٰ میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یجب أن یعرف أن ولایۃ أمر الناس من أعظم واجبات الدین بالا قیام للد ین ولا للدنیا الا بہا

فرماتے ہیں: یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ خلافت کے نظام کا قائم کرنا دین کے فرائض میں سے سب سے اہم فریضہ ہے۔'' کیوں؟ فرماتے ہیں ''اس لیے کہ دین بھی خلافت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور دنیا کے معاملات بھی خلافت کے بغیر سر انجام نہیں دیے جا سکتے۔ لہٰذا خلافت کے نظام کا قائم کرنا دین کے واجبات میں سے، فرائض میں سے، سب سے بڑا فریضہ ہے اور آگے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جہاد، عدل کا قیام، یہاں تک کہ حج، عید کا اجتماع، مظلوم کی مدد، اللہ کی حدود کا نفاذ یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ خلافت کا نظام نہ ہو۔'' اب آج اسلام کے کتنے ہی احکام ہیں جو ہم سے چھوٹے ہوئے ہیں خلافت کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے۔ اب حدود اللہ کہیں نہیں ہے، حدود اللہ کا صحیح طور پر نفاذ وہ نہیں ہے، اس لیے کہ خلافت کا نظام نہیں ہے۔ جہاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے کہ خلافت کا نظام نہیں ہے۔ جہاد کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ جس شخص کا دل چاہے وہ بندوق اٹھائے اور لوگوں کو مارنا شروع کر دے چاہے کافروں کو مارے، چاہے مشرکوں کو مارے، چاہے ہندوؤں کو مارے، یہودیوں کو مارے، عیسائیوں کو مارے۔

لیکن یاد رکھیے جہاد یہ نہیں ہے کہ جس شخص کا دل چاہے وہ اپنے ساتھ ایک

جتھا جمع کرے، ایک گروپ بنائے، ایک جماعت بنائے، ہتھیار حاصل کرے اور پھر لوگوں کو مارنا شروع کردے۔ کہے کہ میں جہاد کر رہا ہوں آج ہمارے ہاں جہاد یہی تو ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے ایک جماعت بنائی اور جہادی آیات پڑھیں جہادی نعرے لگائے اور نوجوانوں کے جذبات کو ابھارا اور کسی نے ایک فرقہ کے خلاف جہاد شروع کر دیا، کسی نے دوسرے فرقے کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ جہاد یہ تو نہیں ہے۔

فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لیے خلیفہ کا ہونا ضروری ہے

تو جہاد کا صحیح طور پر فریضہ سرانجام نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ خلافت کا نظام نہ ہو۔ عدل کا قیام نہیں ہوسکتا جب تک کہ خلافت کا نظام نہ ہو، قیام عدل کے لیے بھی خلافت کا ہونا ضروری ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے، پوری دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خلافت کا نظام ہونا ضروری ہے اس کے بغیر امر بالمعروف نہیں کیا جاسکتا، نہی عن المنکر نہیں کیا جاسکتا۔

برائی کی روک تھام کے لئے اسلامی تعلیمات

اس لیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ صرف تقریروں سے نہیں ہوتا کہ میں نے یہاں تقریر کر دی بلکہ اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ سب سے پہلے تم برائی کو روکو اپنے ہاتھ سے، ہاتھ سے نہیں روک سکتے تو زبان سے، زبان سے نہیں روک سکتے تو پھر دل سے برا سمجھو اور فرمایا گیا کہ اگر دل سے بھی برا نہیں سمجھتے تو پھر یہ سمجھو کہ تمہارے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ تو پہلا جو

مرتبہ ہے، پہلا جو درجہ ہے برائی سے روکنے کا، وہ ہاتھ سے روکنے کا ہے۔ ہاتھ سے روکو۔ لیکن ہاتھ سے کون کروگے گا؟ کیا میں۔ میرے اندر طاقت ہے کہ بازار کے اندر جو برائیاں پائی جارہی ہیں سود کا نظام ہے، شراب خانے کھلے ہوئے ہیں اور سٹہ کا کاروبار ہے اور ظلم ہورہا ہے اور جگہ جگہ بدکاری کے اڈے کھلے ہوئے ہیں اور حرام کاری ہورہی ہے تو میرے اندر تو یہ طاقت نہیں ہے کہ میں یہ ہاتھ سے روکوں یا میں آپ لوگوں کو ساتھ لے کر چلوں کہ چلو بھئی ہم سینما توڑ دیں یا شراب خانہ توڑ دیں۔ اس طریقے سے تو برائی کو نہیں روکا جاسکتا۔ انارکی پھیلتی ہے۔ اس کے لیے خلافت کے نظام کا ہونا ضروری ہے۔ جب نظام خلافت ہوگا تو اس کے ذریعہ سے برائی کے سرچشموں اور برائی کے اڈوں کو بند کیا جاسکے گا اور مظلوم کی مدد بھی نہیں ہوسکتی جب تک کہ خلافت کا نظام نہ ہو، آپ اندازہ کیجیے کہ وہ ٹوٹے پھوٹے خلیفہ تھے کمزور سے خلیفہ اور ان کے اندر بہت سی کمزوریاں بھی پائی جاتی تھیں لیکن وہ مظلوم مسلمان کی مدد کرتے تھے۔

بارہا واقعہ آپ نے سنا کہ حجاج بن یوسف کا۔ ایک مظلوم لڑکی کی مدد کی لیکن آج ۵۶ یا ۵۸ اسلامی ممالک ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو دنیا کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرسکیں۔

مظلوم قیدیوں کو کوئی چھڑانے والا نہیں

ہمارے ہاں عافیہ صدیقی کے حوالے سے بہت سے آرٹیکل لکھے گئے، بہت سے کالم لکھے گئے، بہت سے جوشیلے قسم کے مضامین میں نے پڑھے اور بڑے

میں نے بینر لگے ہوئے دیکھے ہیں اسلام آباد کے اندر، پنڈی کے اندر، لاہور کے اندر، کراچی کے اندر۔ بینر بھی لگے ہوئے، جلوس بھی نکل رہے ہیں آرٹیکل بھی لکھے جارہے ہیں لیکن عافیہ صدیقی کو کوئی رہا نہیں کرواسکا اور شرم کی بات یہ کہ اس کی رہائی کے لیے اگر کوئی سنجیدہ کوشش کررہی ہے تو ایک نومسلم انگریز لڑکی کررہی ہے۔ مسلمانوں میں کوئی سنجیدہ نظر نہیں آتا۔

نعرہ لگانے والے تو بہت ہیں اور نعروں کو کیش کرانے والے بھی بہت ہیں اور اپنے مضامین کی داد چاہنے والے بھی بہت ہیں لیکن سنجیدہ طور پر اس کی رہائی کے لیے کوشش کرنے والا کوئی نہیں ہے اور معاملہ صرف ایک عافیہ صدیقی کا تو نہیں ہے، پتہ نہیں کتنی عافیہ صدیقی اس طریقے سے غیر مسلموں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہیں اور ظلم وستم سہہ رہی ہیں سالہا سال سے۔ اور جو مرد ان کے پنجے میں ہیں ان کا تو کوئی شمار نہیں، نامعلوم کتنے ہی مسلمان نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے سالہا سال سے سورج نہیں دیکھا، جنہوں نے سالہا سال سے اس دنیا کی آوازوں کو نہیں سنا، اس طریقے سے ان کو تہہ خانوں میں اور جنگلی جانوروں جیسے بدتر پنجروں میں رکھا گیا ہے لیکن اگر آج نظام خلافت ہوتا تو عافیہ صدیقی جیسی کوئی بہن اور کوئی بیٹی یہود وہنود کے پنجے میں نہ ہوتی، آج گوانتانامو میں مظلوم مسلمان تڑپ نہ رہے ہوتے اور آج ہمارے صدر صاحب کو کشکولِ گدائی لے کر پوری دنیا میں چکر لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اگر نظام خلافت قائم ہو تو پھر سارے عالم اسلام کے وسائل ہر مسلمان کے وسائل ہیں تیل کے چشموں پر میرا بھی اتنا حق ہے جتنا کہ سعودی حکمرانوں کا حق

ہے اسلام تو یہ سکھاتا ہے۔

اسلام کا تو نظام خلافت تو یہ سکھاتا ہے کہ دنیا بھر میں اللہ نے جتنے بھی وسائل مسلمانوں کو دیے ہیں ان پر سارے مسلمانوں کا حق ہے۔ صرف سعودی شہزادوں کا حق تو نہیں ہے اور صرف عرب کے بادشاہوں کا حق تو نہیں ہے وہ جو غریب مسلمان بھوک سے تڑپ رہا ہے اس کا بھی تیل کے کنوؤں پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ان شہزادوں اور بادشاہوں کا حق ہے۔ اسلام تو یہ سکھاتا ہے۔

قیامِ نظام خلافت، بہت سے مسائل کا حل۔

تو اگر آج نظام خلافت ہوتا تو آج ہمیں اس طریقہ سے کشکول گدائی لے کر پوری دنیا میں پھرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اگر اسلام کا نظام خلافت ہوتا تو رب کعبہ کی قسم کسی ہالینڈ کے، دوسری ملک کے کافر کو حضور اکرم ﷺ کے کارٹون بنانے کی جرأت نہ ہوتی۔ نہیں کر سکتے تھے اگر ان کو پتہ ہوتا کہ یہ سارے کے سارے مسلمان ایک خلیفہ کے تحت متحد ہیں اور ان سب کی آواز مشرق سے مغرب تک ایک ہی آواز ہے، تو ان کو جرأت نہ ہوتی۔ اگر مسلمانوں کے اندر نظام خلافت ہوتا تو اللہ کی قسم کسی کو قرآن کریم کو ٹھڈے مارنے کی جرأت نہ ہوتی۔ قرآن کریم کی توہین کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

نظام خلافت سے محرومی کے نقصانات

خلافت کے نظام سے محروم ہو کر نا معلوم ہم کتنی سعادتوں اور برکتوں سے محروم ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ جب ہم قرآن میں اور احادیث میں نظام خلافت کی اہمیت کا مطالعہ

کرتے ہیں تو جانتا ہے میں آپ کے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں شک ہونے لگتا ہے۔ جب ہم ایک طرف قرآن وحدیث میں نظام خلافت کی اہمیت پر احادیث کا اور آیات کا مطالعہ کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صدیوں سے ہم اس نظام سے محروم ہیں تو ہمیں اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں شبہ ہونے لگتا ہے مثال کے طور پر میں چند آیات اور چند احادیث آپ کے سامنے پڑھوں گا.....سورۃ النساء میں آیت نمبر ۵۹ اللہ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اور اطاعت کرو اپنے میں سے اولو الامر کی یہ اولو الامر کون ہیں؟ اگر چہ ایک قول یہ بھی ہے۔ اولو الامر سے مراد علماء ہیں۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ اولو الامر سے مراد خلیفہ وقت ہے۔ امیر المسلمین ہے۔ امام المومنین ہے۔ ان کی اطاعت کرو۔ اب اللہ کہہ رہا ہے اطاعت کرو کس کی؟ اللہ کی، میرے رسول کی اور اطاعت کرو اولو الامر کی۔ تو اولو الامر کی اطاعت تب کی جائے گی جب وہ ہوں گے۔ اب امر تو ہے نہیں۔ اطاعت کیسے؟ معلوم ہوا کہ اولو الامر کا ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جائے اور جب تک اولو الامر نہیں ہوں گے تب تک ہمارے آپس کے اختلاف ختم نہیں ہو سکتے۔ آپس کے جھگڑے ختم نہیں ہو سکتے اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو اولو الامر مان لیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ایک ایک حکم کو توڑنے والے ہیں؟ جو جوڑ توڑ کے ذریعہ سے اقتدار میں

آنے والے ہیں؟ جو امریکا کی غلامی کو اپنی کامیابی کی سند سمجھنے والے ہیں؟ جو سود کے نظام کو رواج دینے والے ہیں؟ جو ناچ گانے کی محفلیں سجانے والے ہیں؟ جو امت کی بیٹیوں کی عزت سے کھیلنے والے ہیں؟ جو کرپشن کی سرپرستی کرنیوالے ہیں؟ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے جو بھولے بھالے خطیب ہیں وہ آج تک جو خطبہ پڑھتے ہیں تو اس میں پڑھتے ہیں

والسلطان المسلم ظل اللہ فی الارض

مسلمان بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے

اور جس نے اللہ کے سائے کی توہین کی اللہ اس کی توہین کرے گا۔

تو کیا یہ جو ہم پر چھائے ہوئے مسلمان بادشاہ ہیں یہ ظل اللہ ہیں؟ یہ اللہ کا سایہ ہیں؟ یہ تو ہم پر اللہ کا غضب ہیں، یہ تو ہم پر اللہ کا عذاب ہیں، یہ تو ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ اس لیے کہ کہہ دیا گیا کہ "تم اللہ کا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرو گے تو اللہ کے عذاب دینے کی ایک صورت یہ ہوگی کہ اللہ تم پر ظالم حکمرانوں کو مسلط کر دے گا۔ تو یہ تو اللہ کا عذاب ہیں، اللہ کی طرف سے ہمارے گناہوں کی سزا ہے اور ہمارے بھولے بھالے خطیب ان کو کیا کہہ رہے ہیں ظل اللہ فی الارض یہ زمین میں اللہ کے سائے ہیں۔ اللہ اکبر...... جبکہ خود ان حکمرانوں سے پوچھو تو یہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر تو امریکا کا سایہ ہے یہ نہیں کہیں گے کہ ہمارے اوپر اللہ کا سایہ ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر تو امریکا کا سایہ ہے۔

مجھے وہ نہیں بھولا آپ کو بھی نہیں بھولا ہوگا ہمارے سندھ کے مذہبی وزیر اعلیٰ نے فرمایا تھا: ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا اس لیے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے،

امریکا ہمارے ساتھ ہے، آرمی ہمارے ساتھ ہے۔ تین چیزیں ہمارے ساتھ ہیں۔تو میں نے اس وقت بھی کہا تھا اللہ کا جوڑ تو صرف نصف شعر کا وزن پورا کرنے کے لیے ملا لیا وگرنہ اصل وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا اس لیے کہ امریکا ہمارے ساتھ ہے اور آرمی ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ کو تو ایسے ہی جیسے کوئی خنزیر کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے تو ایسے اللہ کا نام اس نے جوڑ لیا، وگرنہ اصل جو طاقت کا راز سمجھتے ہیں وہ امریکا کی سرپرستی کو۔تو ہم ان کو کہہ رہے ہیں کہ ہمارے اوپر اللہ کا سایہ ہے وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہمارے اوپر امریکا کا سایہ ہے، مغرب کا سایہ ہے، یہودیوں کا سایہ ہے، عیسائیوں کا سایہ ہے، اس لیے ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

تو ایک تو یہ آیت کریمہ جس میں اللہ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا احادیث دیکھیں تو بڑی سخت احادیث ہیں میرے بھائیو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ احادیث تو ایسی ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد اپنے ایمان اور اپنے اسلام پر شک ہونے لگتا ہے۔صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

جس شخص کا اس حال میں انتقال ہوا کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹہ نہیں تھا وہ کسی خلیفہ، کسی امام کے ہاتھ پر بیعت نہیں تھا اس حالت میں اس کا انتقال ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

وہ کفر کی موت مرے گا۔آپ بتائیے اتنی سخت حدیث اور ہم اس نظام سے محروم یہ جو نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ جو بیعت کے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی

موت مرا۔ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس بیعت سے مراد کسی صوفی صاحب سے بیعت کا ہونا ضروری ہے؟ کسی مولوی صاحب کی بیعت کا ہونا ضروری ہے یا کسی پیر صاحب کی بیعت کا ہونا ضروری ہے؟

بیعت کی حقیقت

یاد رکھیے کہ اس حدیث میں اس بیعت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اپنی اصلاح کے لیے جو بیعت کی جاتی ہے کسی پیر صاحب کے ہاتھوں پر، کسی مرشد کے ہاتھوں پر، کسی مربی کے ہاتھ پر۔ یہ بیعت تو تمام علماء کہتے ہیں کہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک مستحب ہے۔ نفل چیز ہے چنانچہ علماء کہتے ہیں کہ اپنی اصلاح کرنا اور کروانا ضروری ہے کسی صوفی کسی مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہونا ضروری نہیں ہے اگر کوئی شخص بیعت ہو جائے لیکن اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتا تو یہ بیعت اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی اور اگر اپنی اصلاح کر لے اگرچہ بیعت نہ ہو تو اس کے لیے بیعت ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں نے اس بیعت کو یہ جو محلے کی سطح پر بیعت ہے، یہ جو خانقاہ کی سطح پر بیعت ہے، یہ جو ایک شہر کی سطح پر بیعت ہے، یہ اپنے تزکیہ اور اصلاح کے لیے بیعت ہے، اس بیعت کو اتنا ضروری سمجھ لیا کہ اصلاح پیچھے ہٹ گئی بیعت مقدم ہو گئی۔ چنانچہ بہت سے لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں مگر اصلاح نہیں کرتے۔ سب کی بات نہیں کرتا الحمدللہ اصلاح کی فکر کرنے والے بھی بہت ہیں۔ ایسے بھی ہیں جس نے کسی مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور ان کی زندگی بدل گئی۔ شرابی تھے،

زانی تھے، بدکار تھے، اللہ نے نمازی بنا دیا، حاجی بنا دیا، تہجد گزار بنا دیا ایسی مثالیں بھی ہیں لیکن بے شمار لوگ ایسے ہیں جو کسی کاروباری، پیٹ پرست کے ہتھے چڑھ گئے اور صرف بیعت کرلیا، نذرانے دیتے ہیں، ہدیے دیتے ہیں لیکن اپنی اصلاح نہیں کرتے اور سوچ یہ ہے کہ صرف ان نذرانوں کی برکت سے ہم جنت میں چلے جائیں گے چاہے نماز پڑھیں نہ پڑھیں، روزہ رکھے نہ رکھیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم پورا کریں یا نہ کریں، تو حدیث میں جس بیعت کے نہ ہونے پر وعید سنائی گئی ہے اس سے مراد یہ بیعت نہیں۔ بیعت اصلاح، بیعت تزکیہ، یہ بیعت مراد نہیں ہے اور یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ بھی بتادوں جو سوال اٹھایا گیا کہ بیعت، امامت اور خدمت میں کیا فرق ہے؟ بیعت تو یہ ہے کہ اپنی اصلاح کے لیے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جائے بیعت کرلی جائے۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی مومن مردوں نے بیعت کی، مومن عورتوں نے بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم آج کے بعد شرک نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اولاد کو قتل نہیں کریں گے، بہتان نہیں لگائیں گے، چنانچہ اللہ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا

(سورۃ الممتحنۃ: ۱۲)

اے میرے نبی ﷺ جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں اور بیعت کریں، وعدہ کریں اس بات کا کہ آج کے بعد اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

ٹھہرائیں گی، وَلَا يَسْرِقْنَ اور چوری نہیں کریں گی وَلَا يَزْنِيْنَ اور زنا نہیں کریں گی، وَلَا يَقْتُلْنَ اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ تو اگر وہ یہ بیعت کریں وعدہ کریں۔ فَبَايِعْهُنَّ تو آپ ان کو بیعت کرلیں اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت کو طلب کریں اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ تو یہ بیعت اصلاح ہے۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ اپنی اصلاح کے لیے وہ بیعت کی جائے اور خلافت کا نظام ایک الگ نظام ہے بتادیا کہ ویسے خلیفہ کو وہ امام بھی کہتے ہیں اور امامت، امامت صغریٰ بھی ہوسکتی ہے امامت کبریٰ بھی۔ تو امامت صغریٰ تو یہ محلہ کی مسجد کی امامت اور امامت کبریٰ، پورے عالم اسلام کے لیے امامت۔

کون سی بیعت لازمی ہے؟

لیکن حدیث میں جس بیعت کے نہ ہونے پر اللہ کے نبی ﷺ نے وعید سنائی اور وعید بھی اتنی سخت۔ فرمایا کہ:

"دنیا سے اس حال میں گیا وہ کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا نہیں تھا وہ مرے گا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔" اس بیعت سے مراد خلیفۃ المسلمین کی بیعت ہے۔ عام بیعت مراد نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے کتاب السنہ میں روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

"جس شخص کا اس حال میں انتقال ہوا کہ اس پر کوئی امام نہیں تھا، کوئی خلیفہ نہیں تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

پہلی حدیث میں تو یہ بتایا کہ امام تھا اور اس نے بیعت نہیں کی تو جاہلیت کی موت مرے گا اور دوسری حدیث میں یہ بتایا کہ اگر مسلمانوں کا انتقال اس حال میں ہو کہ ان پر کوئی امام اور خلیفہ نہ ہو تو وہ مریں گے تو جاہلیت کی موت مریں گے۔

گویا کہ پہلی حدیث میں یہ بتایا کہ تم پر بیعت کا کرنا فرض ہے دوسری حدیث میں یہ بتایا کہ تم پر اپنے امام اور خلیفہ مقرر کرنا یہ فرض ہے۔ پہلی حدیث میں ہماری ذمہ داری بتائی کہ امام اور خلیفہ ہے تو تم بیعت کرو، اور دوسری حدیث میں یہ بتایا کہ اگر کوئی امام اور خلیفہ نہ ہو تو اپنے لیے کسی خلیفہ کا تقرر کرو۔ اگر پوری کی پوری امت کسی خلیفہ اور امام کا تقرر نہیں کرتی تو پوری کی پوری امت گناہ گار ہوگی

خلیفہ کی اطاعت فرض ہے

اور جب وہ خلیفہ ہو تو اس کی اطاعت کرنا بھی فرض یہ بھی بتا دیا نبی اکرم ﷺ نے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

''مسلمان شہری پر، مسلمان رعایا پر اپنے خلیفہ کی بات کا ماننا اور سننا یہ فرض ہے چاہے وہ بات اس کو پسند ہو یا پسند نہ ہو جب تک کہ اس کو اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ ہاں اگر اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر **لا سمع ولا طاعة** پھر نہ خلیفہ کی بات کو سنا جائے نہ اس کی اطاعت کی جائے۔''

لیکن اگر ہو خلیفہ اور وہ نیکی کی بات کو کہے تو اس کی اطاعت کرنا فرض ہوگا اور قربان جاؤں اپنے آقا نبی کریم ﷺ کی قدموں کی خاک پر۔ فرمایا کہ: ''اگر

تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے کسی حبشی کو اور ناک کٹے کو تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرنا تم پر لازم ہوگا''......

صدیوں سے پہلے خواب کی تعبیر

اللہ اکبر......آج سوا چودہ سو سال کے بعد امریکا میں گویا کہ معجزہ ہوا ہے کہ ایک کالا بلکہ سانولا صدر بن گیا امریکا کا۔ تو پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا کہا جا رہا ہے کہ سیاہ فام لیڈروں نے جو صدیوں پہلے خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر آج سامنے آئی۔ صدیوں پہلے خواب دیکھا تھا اور اس کے لیے بڑی قربانیاں دیں، کالوں کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں دنیا جانتی ہے کہ جن لوگوں نے آج سے ۵۰ سال پہلے، ۶۰ سال پہلے امریکا دیکھا تو وہ جانتے ہیں کہ وہاں پر کالوں کے ہسپتال الگ تھے گوروں کے ہسپتال الگ۔ کالوں کی بسیں الگ، گوروں کی الگ، اور کالوں کے راستے الگ، گوروں کے الگ، ہوٹل الگ، شراب خانے الگ، ہر چیز الگ۔ حتیٰ کہ ہم نے بعض سفر ناموں میں یہاں تک پڑھا کہ بعض محلوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہاں کتے اور کالے کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس حد تک تعصب، اور آج صدیوں کی جدوجہد کے بعد ایک سانولا یا کالا ان کے باطل نظام میں صدر بن گیا تو پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچا ہوا ہے لیکن قربان جاؤں اپنے آقا نبی کریم ﷺ کی قدموں کی خاک پر کہ آپ نے سوا چودہ سو سال پہلے جبکہ دنیا اس اعلان کے سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ آج تو پھر بھی موڈ ہے۔ میڈیا کے

ذریعہ سے ایک ماحول بنا دیا گیا کہ سارے انسان ایک جیسے ہیں کالے اور گورے ایک جیسے ہیں ایک ماحول بنا دیا گیا لیکن اس وقت تو ماحول بنا ہوا نہیں تھا جاہلیت کا ماحول تھا، شرک کا ماحول تھا، قوم پرستی کا ماحول تھا، نسل پرستی کا ماحول تھا اور رنگ پرستی کا ماحول تھا اس ماحول میں ہمارے آقا ﷺ نے اعلان کیا تھا:

أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى

''لوگو! کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔''

معیارِ فضیلت صرف تقویٰ ہے

فضیلت ہوگی تو تقویٰ کے ساتھ ہوگی، تقویٰ نہیں ہے تو ابولہب کا رنگ گورا، نسل کا اعلیٰ، ویسے مال دار اور بڑی جماعت والا، لیکن اللہ نے فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢

اور تقویٰ ہے، ایمان ہے تو اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ پر کھڑا کر دیا اے بلال رضی اللہ عنہ آج کعبہ پر کھڑے ہو کر اذان دو کہ یہاں کسی غیر قریش کو چڑھنے کی اجازت نہیں تھی، کسی کالے کو چڑھنے کی اجازت نہیں تھی لیکن آج انقلاب آچکا ہے۔ بلال اٹھو اور آج کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر تم اذان دو۔ تو ہمارے آقا ﷺ نے اس وقت صرف نعرہ نہیں لگایا تھا صرف تقریر نہیں کی، عملی طور پر ایسا کر کے

دکھادیا۔ کالوں کو گورنر بنایا، کالوں کو آپ نے امیر بنایا، کالوں کو امام بنایا، نابینا کو امام بنایا ہمارے آقا ﷺ نے، غریبوں کو امام بنایا۔ امیروں کا دماغ سیدھا کردیا تو آقا ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو تمہارا خلیفہ ہے اس کی اطاعت کرنا واجب ہے اگر چہ وہ حبشی کیوں نہ ہو، اگر چہ وہ ناک کٹا ہوا کیوں نہ ہو۔ جس کو تمہارا خلیفہ بنادیا جائے اور وہ اللہ کے حکموں کی اطاعت کرتا ہے اور تمہیں نیکی کا حکم دیتا ہے تو پھر اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔'' اور آقا ﷺ نے خلیفۃ المسلمین کو، امیر المومنین کو مسلمانوں کے لیے ایک ڈھال قرار دیا۔

خلیفہ سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے

آج سچی بات ہے ہم ڈھال سے محروم ہیں، آج ہم یتیم ہیں، بے سہارا ہیں۔ مسلمان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی نے کہا تھا ناں جب حضور ﷺ انتقال فرماگئے تھے کہ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ جیسے سردیوں کے دن ہوں اور اندھیری رات ہو اور بکریوں کا ریوڑ ہو اور بھیڑیوں کی کثرت ہو اور چرواہا بھی کوئی نہ ہو۔ یہ حال تھا اور اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو مسلمانوں کے لیے ڈھال بنا کر کھڑا کردیا اس وقت۔ خدا کی قسم آج مسلمان اس سے بھی برے حال میں ہیں۔ جیسے سردیوں کے دن ہوں، اندھیری رات ہو اور بھیڑ بکریوں کا یا مسلمانوں کا ریوڑ ہو اور بھیڑیوں کی کثرت ہو یہ یہود وہنود بھیڑیے کا کردار ادا کررہے ہیں۔ یہودیوں کی کثرت ہو اور چرواہا کوئی نہ ہو۔ مسلمان خلیفہ کے بغیر ایسے ہیں جیسے بکریوں کا ریوڑ، بھیڑیوں کے ہجوم میں، چرواہے کے بغیر۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

امام اور خلیفہ مسلمانوں کے لیے ڈھال ہیں، صحیح مسلم کی روایت ہے فرمایا کہ:

اِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتِلُ مِنْ وَّرَائِہٖ وَیُتَّقٰی بِہٖ

فرمایا کہ: امام اور خلیفہ مسلمانوں کے لیے ڈھال ہوتا ہے اس ڈھال کے پیچھے رکھ کر مسلمان جہاد بھی کر سکتے ہیں اور اس ڈھال کے ذریعہ سے مسلمان اپنا بچاؤ بھی کر سکتے ہیں۔''

آج ڈھال ہی نہیں ہے تو کس ڈھال کے پیچھے رہ کر مسلمان جہاد و قتال میں حصہ لیں اور کس ڈھال کے ذریعہ سے مسلمان اپنا بچاؤ کریں اور فرمایا کہ:

فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَعَدَلَ کَانَ لَہٗ بِذٰلِکَ

اگر وہ امام اور خلیفہ اللہ کے تقویٰ کا حکم دیتا ہے عدل کرتا ہے اس کو اس کا اجر ملے گا''

وَإِنْ یَّأْمُرْ بِغَیْرِہٖ کَانَ عَلَیْہِ مِنْہُ

''اور اگر کوئی غلط حکم دیتا ہے تو اللہ کا غضب اس پر نازل ہوگا۔'' (۱۹:۵۶)

خلیفہ کے لیے کیا شرائط ہیں؟

ایک سوال یہ بھی اٹھایا گیا کہا خلیفہ بننے کے لیے کیا شرائط ہیں؟ اختصار کے ساتھ عرض کروں گا تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ تقریباً ۱۰ شرائط لکھی ہیں علماء نے۔

(۱) مسلمان ہو، غیر مسلم مسلمانوں کا حکمران اور خلیفۃ المسلمین نہیں ہو سکتا۔

(۲) مرد ہو، عورت خلیفہ نہیں بن سکتی۔ یہ واضح سی بات ہے۔

(۳) عاقل ہو۔ پاگل نہ ہو۔ ۴) بالغ ہو نابالغ نہ ہو۔ ۵) بول سکتا ہو، سن سکتا

ہو دیکھ سکتا ہو ایسا نہیں کہ گونگا بہرا ہو ہم نے سنا ہے کہ ہمارے پاکستان میں ایسا بھی حکمران آچکا جو بیچارا بول بھی نہیں سکتا تھا۔ بات کرتا تو اس کے منہ سے جھاگ نکلتی تھی اور کہتے ہیں غیر ملکی حکمرانوں سے گفتگو کرتا تو یک طرفہ ٹریفک چلتا تھا۔ اس لیے کہ دوسرے کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس طریقہ سے گفتگو کرتا تھا۔ ٦) آزاد ہو۔ غلام نہ ہو۔ ٧) عادل ہو ظالم نہ ہو ٨) صاحب رائے ہو۔ سمجھ دار ہو حکمرانی کی صلاحیت رکھتا ہو، داخلہ اور خارجہ امور میں مہارت رکھتا ہو۔ ٩) بہادر ہو، بزدل نہ ہو کہ ایک کال پر ہی اپنے ملک کو دوسرے کے حوالے کردے۔ ١٠) شرعی مسائل میں مہارت رکھتا ہو۔ الغرض اب وہ مسلمانوں کا خلیفہ بن سکتا ہے۔

مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کا واقعہ

حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کا واقعہ ہمیشہ یاد آتا ہے ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں ایک کانفرنس ہوئی اجتہاد کے موضوع پر، جس میں اسکالروں اور دانشوروں نے بڑا زور دیا کہ اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہیے، اجتہاد ہونا چاہیے تو مفتی محمود صاحب کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ: ہاں میں بھی آپ کے ساتھ متفق ہوں کہ اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہیے اور اجتہاد کی اجازت ہونی چاہیے۔ اجتہاد کے لیے علماء نے بہت ساری شرطیں لکھیں ہیں کہ مجتہد وہ بن سکتا ہے جس کے اندر یہ شرط ہو یہ شرط ہو قرآن پر نظر ہو، حدیث پر نظر ہو، فقہ پر نظر ہو، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم پر نظر ہو لیکن میں اس وقت ساری شرطیں نظر انداز کرتا ہوں، ایک شرط صرف بیان کرتا ہوں اور امید ہے کہ

آپ بھی میرے ساتھ اس میں اتفاق کریں گے کہ مجتہد کو کم از کم ناظرہ قرآن تو آنا چاہیے تو کہنے لگے ہاں یہ شرط تو ہونی چاہیے۔ فرمایا کہ جس جس کو ناظرہ قرآن صحیح تلفظ کے ساتھ آتا ہے وہ ہاتھ کھڑا کردے تو کوئی ہاتھ بھی نہ اٹھا۔

نظامِ خلافت کے لیے آواز کی ضرورت

تو کہاں تو یہ شرط تھی کہ شرعی مسائل میں مہارت کا ہونا ضروری ہے۔ آج ہمارے بڑے تو وہ ہیں جن کو قرآن کریم بھی صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں آتا۔ تو یہ شرائط بیان کی گئیں خلیفۃ المسلمین کے لیے اور نظام خلافت کیسے قائم ہوگا؟ اس کے لیے ہم سب کو مل کر جدوجہد کرنی ہوگی۔ جیسے ہم آج مہنگائی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں؟ فحاشی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں؟ عریانیت کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں؟ لاقانونیت کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں؟ ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، بجلی، گیس کے بلوں میں اضافے کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ ہمیں اجتماعی طور پر نظام خلافت کے قیام کے لیے بھی آواز اٹھانی ہوگی۔ قطرہ قطرہ سے دریا بنتا ہے میں آواز لگاؤں گا، آپ آواز اٹھائیں گے، ہر مسجد سے آواز اٹھے گی پاکستان بلکہ پوری دنیا میں آواز اٹھے گی تو ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ جب مسلمانوں کے اندر نظامِ خلافت عملی طور پر قائم ہوگا اور اس کے بغیر مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ خدا کی قسم حل نہیں ہوسکتے۔ مسلمانوں کی ذلت، عزت میں نہیں بدل سکتی، پٹرول سے عزت حاصل نہیں ہوگی، سونے چاندی کے ذخائر سے عزت حاصل نہیں ہوگی۔ بڑی بڑی گاڑیاں رکھنے سے عزت حاصل نہیں

ہو سکتی، ہم دیکھ رہے ہیں ان سب کو ذلیل ہوتے ہوئے، عزت حاصل ہوگی نظام خلافت کے قیام سے اور اسلامی نظام کے قیام سے، ہمیں اس کے لیے مل جل کر جدو جہد کرنی ہوگی۔

کیا ایک وقت میں کئی خلفاء ہو سکتے ہیں

ایک سوال یہ بھی اٹھایا گیا کہ ایک وقت میں کئی خلفاء ہو سکتے ہیں؟

نہیں۔ ایک وقت میں کئی خلفاء نہیں ہو سکتے اصل قانون یہی ہے کہ پورے عالم اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہو اور میرے بھائیو، میری بہنو! یقین کریں عالم کفر کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں مسلمان ایک خلیفہ پر جمع نہ ہو جائیں۔ سب سے زیادہ ڈر اس بات کا ہے، کہیں ایک قیادت کے تحت یہ متحد نہ ہو جائیں، یہ بکھرے ہوئے قطرے، بپھرا ہوا سمندر نہ بن جائیں۔ سب سے زیادہ خوف ان کو اس بات کا ہے اور جس دن ایسا ہو گیا وہ دن کفر کی موت کا ہو گا وہ مسلمان دشمنوں، اسلام دشمنوں کی موت کا دن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور نظام خلافت کے قیام کے لیے ہم سب کو مل جل کر جدو جہد کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

میڈیا کا
مثبت اور منفی کردار

نشست اول

از افادات

داعی قرآن، مُفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

میڈیا کا مثبت اور منفی کردار (نشست 1)

- دورِ حاضر میں میڈیا کی اہمیت
- کیا الیکٹرونک میدیا مطلقاً حرام ہے۔
- میڈیا کے ذریعے اسلامی تشخص کیسے تباہ کیا جارہا ہے؟
- کیا جدید دنیا میں جنگیں میدان جنگ کے بجائے میڈیا پر لڑی جارہی ہیں؟
- عالمی سطح پر یہودی لابی کا ہر قسم کے میڈیا پر قبضہ مسلم دنیا کو کیا پیغام دے رہا ہے؟
- حال ہی میں بنائی جانے والی ایک فلم میں اسلامی شعائر اور ضروریات دین کا مذاق کیسے اڑایا گیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ والصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

اَمَّا بَعْد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٦

(سورۃلقمان:٦/ ٢)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

ترجمہ: ’’اور کچھ ایسے لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے، تا کہ گمراہ کریں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہیں انکو ذلت کا عذاب ہے۔‘‘

سامعین گرامی قدر!

آج کے درس کا جو موضوع مقرر کیا گیا ہے، وہ ہے

''میڈیا کا مثبت اور منفی کردار''

آج کے درس میں جن موضوعات کو زیر بحث لانے کا خیال تھا، وہ یہ ہیں:

۱......میڈیا کی اہمیت

۲......الیکٹرانک میڈیا کا جواز اور عدمِ جواز

۳......فلم ''خدا کے لیے'' کے منفی اور اختلافی پہلوؤں کی نقاب کشائی،

لیکن طوالت کی وجہ سے یہ سارے موضوعات احاطۂ بیان میں لانا مشکل ہیں، لہٰذا آج کے درس میں صرف تیسرے موضوع کے بارے میں بات ہوگی، باقی دو موضوع اگلے درس میں بیان کیے جائیں گے۔(ان شاء اللہ)

فلم ''خدا کے لیے'' کے اختلافی پہلو

اختلافی پہلوؤں پر بات کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ فلم اس عالمی اور یہودی ایجنڈے کا حصہ معلوم ہوتی ہے، جس کے مطابق علماء، مذہبی طبقہ اور ان کی تشریحات کو نظروں سے گرا دیا جائے گا۔ میری معلومات کے مطابق مزید ایسے پروگرام بھی پیش کیے جائیں گے جن میں علماء کو منافق، بدکردار اور کرپٹ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ کسی فن کی تشریح ماہرین فن کی مرہونِ منت ہوتی ہے، میڈیکل کی صحیح تشریح ڈاکٹر ہی کر سکتا ہے، انجینئر نہیں!

انجینئرنگ سے متعلق معلومات انجینئر ہی فراہم کرسکتا ہے، ڈاکٹر نہیں!

سائنس کی وضاحت کے لیے کسی سائنس دان کا قول ہی معتبر ہوسکتا ہے، کسی وکیل کا نہیں!

بعینہ اسی طرح قرآن، حدیث اور فقہ کی تصحیح اور معتبر تشریح ایک عالم ہی کرسکتا ہے کوئی فلمساز نہیں!

اس مختصر سی تمہید کے بعد آیئے اب جائزہ لیتے ہیں، اس فلم کے اختلافی پہلوؤں کا اس فلم میں موسیقی کے جواز، لباس، داڑھی، جہاد، مرتد کی سزا جیسے حساس موضوعات کی غلط تشریح کو سکرین کے ذریعے دل و دماغ میں نقش کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔

لباس

لباس کے بارے میں اس فلم میں کہا گیا ہے کہ:

''لباس کا تعلق معاشرت سے ہے مذہب سے بالکل نہیں۔''

ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ لباس معاشرت سے منسلک ہے، مذہب سے نہیں، یعنی اسلام نے یہ درس نہیں دیا کہ مسلمان کسی خاص قسم کے یونیفارم میں، ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ رہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسلام جیسے عظیم اور جامع مذہب میں لباس جیسے اہم معاملہ میں تشنگی پائی جاتی ہے، بلکہ اسلام نے لباس سے متعلق بنیادی ضابطوں کی وضاحت کی ہے، جنہیں مدنظر رکھا جائے تو شرعی اور غیر شرعی لباس میں تمیز مشکل نہیں رہتی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ

(سورۃ اعراف:۸/۲۶)

ترجمہ: ''ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے۔''

مذکورہ آیت سے لباس کے لیے جو ضوابط سمجھ میں آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱......لباس ساتر ہو، یعنی لباس سے مقصود مرد و عورت کے ستر کی پردہ پوشی ہے، لہٰذا اگر کوئی لباس ساتر نہیں تو اس کا پہننا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ چست اور باریک لباس پہن کر لباس کے مقصد کو مجروح کرنے والی عورتوں کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ

ترجمہ: ''وہ لباس پہنے ہوں گی مگر ننگی ہوں گی۔''

لباس کے باوجود ان کو نبی کریم ﷺ ننگا فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ لباس کا جو مقصد ہے، وہ حاصل نہیں ہو رہا۔

۲......لباس کا دوسرا مقصد جو قرآن نے بتایا وہ ہے ''ریشا''یعنی لباس ایسا ہو جو باعثِ زینت ہو اور انسان کسی کے استہزاء اور نفرت کا ذریعہ نہ بنے، یہی وجہ ہے کہ ایک صاحبِ حیثیت آدمی کو پرانے لباس میں دیکھ کر سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ

ترجمہ:''جب تمہیں اللہ نے مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت اور احسان کا اثر تمہارے جسم پر بھی نظر آنا چاہیے۔''

۳...... تشبہ: تشبہ کا مطلب ہے کہ عمداً اور قصداً ایسی وضع قطع کا لباس پہننا جس سے کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت ہو۔

اور سرورِ کائنات ﷺ نے اس نقالی اور تشبہ پر سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

ترجمہ:''جو شخص کسی قوم کی نقالی کرے اور تشبہ اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔''

چونکہ غیر مسلموں والی وضع قطع بنا کر یہ شخص اپنے فعل سے اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ان غیر مسلموں سے محبت رکھتا ہے، لہٰذا اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔

۴...... نمود و نمائش اور تکبر مقصود نہ ہو، یہ وہ چوتھا مقصد ہے جو ایک مسلمان سے مطلوب ہے، سرورِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ أَوْ مَخِيلَةٌ

ترجمہ:''جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو یعنی اسراف اور تکبر سے۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ تکبر یہ نہیں کہ اچھے یا مہنگے کپڑے پہن لیے جائیں بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر دل کی اس کیفیت کا نام

ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے۔

بہر حال اسلام ان چار ضابطوں میں رہتے ہوئے لباس کے استعمال کا حکم دیتا ہے اگر ان اصول وضوابط کو مدِ نظر رکھا جائے تو ہر لباس اسلامی لباس ہوگا اور اگر ان ضوابط سے صرفِ نظر کیا جائے تو ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا۔

داڑھی

آگے بڑھیے! اس فلم میں داڑھی والوں کے بارے میں ایک اداکار کہتا ہے:

''اتنی لمبی داڑھیوں والے تین چارج کیے ہوئے حاجی صاحبان اسمگلنگ کرتے اور جھوٹ بولتے عام نظر آتے ہیں کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ سارا زور داڑھی بڑھانے اور شلوار ٹخنوں سے اوپر کرنے پر دیا جارہا ہے۔

کہیں ہمیں غلطی سے عاشق رسول ﷺ کے بجائے عاشق ابوجہل تو نہیں بنایا جارہا ہے؟''

داڑھی نہ صرف یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے بلکہ مسلمانوں کا شعار اور چہرے کی زینت ہے، لیکن داڑھی رکھنے والے بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو نبی ﷺ سے محبت کا اظہار کرنے اور داڑھی کو دین کو سمجھ کر داڑھی رکھتے ہیں، اور پھر قدم قدم پر اس سنت کی لاج بھی رکھتے ہیں۔

اور دوسرے وہ لوگ جنہیں دین سے کوئی سروکار نہیں، وہ داڑھی کو دینی اور اسلامی حکم سمجھ کر نہیں بلکہ جرائم کے ارتکاب کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال

کرتے ہیں ایسے لوگ انتہائی قابل مذمت ہیں اور ہم بھی انکی مذمت اور حوصلہ شکنی کرتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف ایسے عناصر کی وجہ سے داڑھی اور سارے داڑھی والوں کا استخفاف اور تذلیل جائز ہو جائے گی؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

وہ لوگ جو عشق نبوی ﷺ کی وجہ سے داڑھی رکھتے ہیں ہم انہیں نہ معصوم کہتے ہیں نہ ہی فرشتہ تسلیم کرتے ہیں، وہ بھی انسان ہیں اور ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، اگر ان سے غلطی ہو جائے تو ہمیں غلطی کی نشاندہی کر کے اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، نہ یہ کہ ہم داڑھی کو نشانہ بنائیں اور یہ پروپیگنڈا کریں کہ سارے داڑھی والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے داڑھی والوں سے غلطی ہوتی ہے، داڑھی منڈوں سے بھی ہوتی ہے۔

داڑھی منڈے چوری بھی کرتے ہیں......

رشوت بھی لیتے ہیں......

اغواء بھی کرتے ہیں......

اسمگلنگ بھی کرتے ہیں......

لیکن اس کے باوجود ہم کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ یہ کہنے لگے کہ سارے داڑھی منڈے چور، راشی اور اسمگلر ہوتے ہیں یونہی کسی ایک یا چند داڑھی والوں کی کسی غلط حرکت کی وجہ سے سارے داڑھی والوں کو برا بھلا کہنا اور داڑھی کو تنقید کا نشانہ بنانا مناسب نہیں۔

ظاہر و باطن

اس فلم ظاہر و باطن کے مسئلہ کو بھی چھیڑا گیا ہے اور ایک اداکار سے کہلوایا گیا

ہے: ''بیٹا! پہلے ظاہر نہیں، باطن ٹھیک کرو، پہلے اندر آگ لگاؤ۔ باہر خود بخود آجائے گی۔''

آیئے! دیکھتے ہیں کہ کیا دنیاوی معاملات میں بھی صرف باطن کی صفائی کو دیکھا جاتا ہے یا صرف دینی معاملات میں ہم باطن کی درستگی کافی سمجھتے ہیں، اول یہ سمجھ لیجیے کہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں کہ باطن ٹھیک اور پاک ہونا چاہیے اور یہ کہ باطن کی اصلاح ظاہر کی اصلاح سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

لیکن اصلاح باطن کی اہمیت اس انداز سے بیان کرنا کہ اصلاح ظاہر کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے۔ یہ ایک غلط سوچ بھی ہے اور اپنے آپ کو کئی اسلامی احکامات سے چھٹکارا دلانے کی کوشش بھی! مثلاً! نماز ایک ظاہری عمل ہے

حج ایک ظاہری عمل ہے......

پردہ ایک ظاہری عمل ہے......

تو اگر فلمساز کے نظریہ کو مان لیا جائے تو ممکن ہے ایک شخص یوں کہے کہ ہمیں ظاہراً نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہم دل ہی میں پڑھ لیتے ہیں اور یہ کوئی فرضی بات نہیں بلکہ لوگ کہتے بھی ہیں کہ نماز سے مقصود اللہ کا ذکر ہے، وہ تو ہم ویسے ہی کرتے رہتے ہیں، نماز کی کیا ضرورت ہے؟

یہ بھی کہتے ہیں کہ ''ہم نماز دل ہی میں پڑھ لیتے ہیں، ظاہری طور پر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔''

فلمساز کے نظریہ کے مطابق تو اسلامی حجاب کو دور پھینک کر یہ بھی کہا جانے لگے گا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو دل میں پردہ کرتے ہیں، بہت ساری

خواتین کہتی بھی ہیں کہ اجی! اصل پردہ تو دل کا ہوتا ہے، ظاہری پردے کی کیا ضرورت ہے؟

حج کے بارے میں یہ صدا بلند ہونے لگے گی کہ ''ہمارے دل ہر وقت مکہ و مدینہ میں ہوتے ہیں ہمیں وہاں جا کر حج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ غرضیکہ دین کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا فلمساز کی یہ سوچ اور اس سوچ کے حامل معاشرہ کو اسلامی سوچ اور اسلامی معاشرہ کا نام دیا جا سکتا ہے؟

دنیاوی معاملات میں صرف باطن پر نظر کیوں نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو اس نظریے پر عمل نہیں کرتے کہ صرف باطن کو دیکھا جائے بلکہ ظاہر اور باطن دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

بیوی کے انتخاب میں صرف باطن پر انحصار نہیں کیا جاتا بلکہ ظاہری شکل و صورت کو بھی دیکھا جاتا ہے۔

گاڑی کے انتخاب میں صرف اس کے انجن کو نہیں، بلکہ ظاہری حالت کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح آپ مکان خریدیں تو اس کے ظاہر اور باطن دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو ظاہر اور باطن دونوں کو دیکھا جاتا ہے کیا دین ہی اتنا بے وقعت ہے کہ یہاں صرف باطن کو دیکھا جائے اور ظاہر سے صرف نظر کر لیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی آزادانہ سوچ رکھنے والے

لوگ معاشرہ میں دینی احکامات کی بے وقعتی پیدا کر کے اسلام کی روح ختم کر دینا چاہتے ہیں اور معاشرہ کو بے لگام بنا دینا چاہتے ہیں۔

نماز

اس فلم میں ایک نمازی کے بارے میں اداکارہ کچھ یوں کہتی ہے:

''نماز تو کیا ہے، ورزش کرنی ہے آپ نے؟ پہلے کریں یا بعد میں کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر خدا ویسا ہی ہے جیسا اس کو ہونا چاہیے تو وہ آپ کی نمازوں سے کبھی خوش نہ ہوگا، اگر آپ بندگانِ خدا کو تکلیف دیں گے۔''

غور فرمائیں کہ نماز کے لیے ''ورزش'' کا لفظ استعمال کر کے اس اہم فریضہ کی اہمیت کس قدر کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ''پہلے کریں یا بعد میں'' یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ گویا نماز جس وقت دل چاہے پڑھ لی جائے، اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے، اور یہ سوچ قرآن مجید سے متصادم ہے، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾

(سورۃ النساء ۱۰۳/۵)

ترجمہ: ''بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت میں فرض کی گئی ہے۔''

اب آیئے نماز کی اہمیت کی طرف:

تمام آسمانی مذاہب میں نماز کا حکم دیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ طریقہ ادائیگی، ارکان و واجبات، اذکار و اوراد میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن ''نفس نماز'' کا حکم تمام آسمانی مذاہب کے ماننے والوں میں رہا ہے، مثلاً:

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ ۙ

(ال عمران 39، پارہ 3)

"آواز دی اس کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ہوا:

وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ‌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝

ترجمہ: نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کو قوم نے طعنہ کے طور پر کہا تھا:

يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ

(سورہ ھود:۸۷/۱۲)

ترجمہ: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کیا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو بے آباد وادی میں چھوڑنے کا مقصد ہی یہ بیان فرماتے ہیں:

رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ

(سورہ ابراھیم:۳۷/۱۳)

ترجمہ: اے ہمارے رب! تا کہ یہ نماز قائم کریں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں کہا تھا:

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ

(سورہ مریم: ۱۶/۳۱)

ترجمہ: اور اس (اللہ) نے مجھے حکم فرمایا ہے نماز اور زکوٰۃ کا۔

الغرض نماز کا حکم پہلی ساری شریعتوں میں موجود رہا لیکن جو اہمیت نماز کو اسلام نے دی کسی اور مذہب نے نہیں دی، آیئے اسلام میں اہم فریضہ کی اہمیت قرآن سے معلوم کرتے ہیں۔ قرآن میں ایک سونو مقامات پر صراحۃً اور سات سو کے قریب مقامات پر اشارۃً و کنایۃً نماز کا حکم ہے۔

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں نماز کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارۃً یوں دیا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③

(سورہ مدثر: ۳۰/۳،۲،۱)

ترجمہ: اے لحاف میں لپٹے ہوئے، اٹھ! اور ہوشیار کر اور اپنے رب کی بڑائی بول۔"

سورہ بقرہ آیت نمبر ۴۵ میں ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾

(سورہ بقرہ: ۴۵(

ترجمہ: اور یہ نماز اللہ سے ڈرنے والوں کے علاوہ سب پر بھاری ہے۔

سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۵ میں ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

(سورہ عنکبوت:۴۵)

ترجمہ: بے شک! نماز بے حیائیوں اور گناہ سے روکتی ہے۔

سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۱ میں ہے:

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

(سورہ توبہ: ۷۱)

ترجمہ: ''اور وہ (مومن) نماز قائم کرتے ہیں۔''

سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۸ میں ہے:

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸

(سورہ توبہ:۱۸)

ترجمہ: جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور صرف اللہ ہی سے ڈرا تو ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔

تو گویا اس آیت میں نماز قائم کرنے والوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا، یونہی پورے قرآن مجید میں نماز کی اہمیت اور اس کے ترک پر عذاب سے متعلق مضمون پھیلا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں نماز کا مقام سرکارِ دوعالم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

اِنَّمَا مَوْضِعُ الصَّلٰوةِ مِنَ الدِّيْنِ كَمَوْضِعِ الرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ

ترجمہ: نماز کا مقام دین میں ایسا ہے جیسے سر کا مقام جسم میں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَا سَهْمَ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَه

ترجمہ: اسلام میں اس اس کا کوئی حصہ نہیں جس کی نماز نہیں۔

نماز کے بارے میں اتنی تفصیلی گفتگو کا مقصد آپ حضرات کو یہ سمجھانا ہے کہ ایک طرف تو اسلام میں اس فریضہ کی اتنی اہمیت اور فضیلت اور دوسری طرف اس کی اتنی توہین وتحقیر!

کیا یہ عذابِ خداوندی کو کھلم کھلا دعوت نہیں ہے؟

فلمساز سے سوال

اسلام نے نماز کے ارکانِ مخصوصہ یعنی قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ اور تشہد میں بیٹھنا سلام پھیرنا ان سب کو ''الصلوٰۃ'' یعنی ''نماز'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

آپ کو ''نماز'' والی اصطلاح ختم کر کے ''ورزش'' کی اصطلاح قائم کرنے کی اجازت کس نے دی ہے؟

☆......کیا یہ علی الاعلان اللہ سے بغاوت نہیں؟

☆......کیا یہ اس نبی رحمت ﷺ کی دل آزاری نہیں ہے جس کو زندگی میں میرا اور آپ کا غم تھا اور روزِ قیامت بھی ''امتی، امتی'' فرماتے نظر آئیں گے؟

☆......کیا یہ دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی نہیں ہے؟ خدارا! اپنی سوچ کا قبلہ درست فرمایئے۔

اشکال اور اس کا جواب

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس پرفتن دور میں ممکن ہے کہ کسی نمازی میں کوئی

اخلاقی یا دینی کمزوری پائی جائے۔لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے اس آدمی سے وہ برائی چھڑوانی ہے یا نماز؟ اگر برائی چھڑوانی ہے تو پھر ہر وقت اس کو ملامت کرنا، اس کو طعنے دینا کہ''تم نمازی ہو کر ایسا ایسا کرتے ہو، سارے نمازی ہوتے ہی ایسے ہیں'' دغیرہ وغیرہ، یہ اس کا حل نہیں ہے۔غور فرمایئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہما السلام، دربارِ فرعون میں تبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو اصولِ تبلیغ سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

ترجمہ:تم (دونوں) اس (فرعون) سے نرم لہجے میں بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔

ایک کافر کو اس انداز سے تبلیغ کرنے کی تلقین کی جارہی ہے، جس سے متاثر ہوکر وہ دینِ حق قبول کرلے اور ضد وعناد سے باز رہے اگر ایک کافر کے لیے نرمی کا انداز اپنانا ضروری ہے تو مسلمان کے لیے بطریق اولیٰ ضروری ہے اگر بالفرض وہ کسی برائی میں بھی مبتلا ہے تو آپ اسے طعنے دینے، ملامت کرنے کی بجائے ہمدردی کے ساتھ برائی چھڑانے کی کوشش کریں۔

تبلیغ کا بنیادی اُصول

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ: اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، دلوں کے رازوں کو جاننے والے ہیں، اللہ کو معلوم تھا کہ فرعون کی موت کفر پر آئے گی، اور وہ ایمان نہیں لائے گا، مگر پھر بھی فرعون کے ساتھ نرمی برتنے کی تلقین کیوں

فرمائی؟ دراصل اللہ یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ تبلیغ کا بنیادی اصول خیرخواہی ہے، ہر نبی اپنی امت کا خیرخواہ تھا اور ہر نبی نے اپنی امت سے کہا:

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ

(سورہ اعراف: ۸) حوالہ7

ترجمہ: میں تمہارا خیرخواہ اور امانت دار ہوں۔

اگر آپ کسی ایسے نمازی کو سمجھانا چاہتے ہیں جو کسی برائی میں مبتلا ہے تو ملامت اور طعن و تشنیع کی بجائے خیرخواہی والا راستہ اختیار کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مستقل ملامت اس نمازی کو نماز والی عبادت سے روکنے کا سبب اور ذریعہ بن جائے۔

سوال ہم نے اپنے ضمیر سے کرنا ہے کہ کسی نمازی کو ملامت وطعن و تشنیع کے ذریعے نماز سے ہٹانا بہتر ہے یا اس سے برائی کو دور کرنا اور نماز کی طرف راغب کرنا؟

دوسری بات یہ ہے کہ ''نمازیوں'' کو ملامت کرنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ انہوں نے کتنے ''بے نمازیوں'' کو ''نماز'' جیسی اہم عبادت پر لگایا!

بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بھی پوچھوں گا کہ دوسروں کو چھوڑیں خود ایسے لوگ ''نماز'' کی کتنی پابندی کرتے ہیں؟ اور کیا کمزوریاں صرف نمازیوں میں پائی جاتی ہیں بے نمازیوں میں نہیں پائی جاتیں؟

موسیقی

مذکورہ فلم میں فلمساز نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر موسیقی کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ جنید جمشید نے

موسیقی سے توبہ کیوں کی؟ بلکہ ان کے بقول انہوں نے یہ فلم بنائی ہی جنید جمشید کی توبہ کی وجہ سے ہے۔

قرآن کا اعلان تو یہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ

(سورۃالبقرۃ:۲/۲۲۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ

(سورہ النساء:۴/۱۷)

''اللہ ان لوگوں کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے جو برا کام جہالت سے کرتے ہیں پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیتا ہے''۔

گویا اللہ ربّ العزّت گناہوں سے توبہ کی ترغیب بھی فرما رہے ہیں اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ''توبہ'' کرنے کے بعد تمہیں جو انعام ملے گا وہ ''اللہ کی محبت'' کی صورت میں ملے گا اس پس منظر میں دیکھا جائے تو فلمساز کا نظریہ اسلامی تعلیمات سے قطعی طور پر متصادم نظر آتا ہے، اس لیے کہ اللہ تو گناہوں سے توبہ کی ترغیب دے رہا ہے اور یہ ''توبہ'' کرنے والے شخص کو دوبارہ گناہ پر اُکسانے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنی محبت سے نواز رہے ہیں یہ رنجیدہ ہو رہے ہیں۔

فلمساز کا یہ بھی کہنا ہے کہ جنید جمشید نے سولہ سال جو موسیقی سیکھنے میں لگائے وہ ضائع کر دیے۔

لیکن یہ ان کی ذاتی رائے ہے، ہمارے نزدیک جنید جمشید نے توبہ کر کے ان سولہ سالوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، جو اس نے لہو ولعب میں گزارے، البتہ وہ لوگ یقیناً اپنی زندگی ضائع کر رہے ہیں جو سالہا سال سے ناچ گانے میں لگے ہوئے ہیں اور پوری قوم کو اس دھندے میں لگا دینا چاہتے ہیں۔

فلم میں انڈین اداکار، جسے ''مولانا'' کے روپ میں دکھایا گیا ہے، یہ کہتا ہے:

''موسیقی کے حق میں میرے پاس دلائل کا انبار ہے، لیکن میں صرف ایک دلیل پیش کرتا ہوں۔'' اس کا مخاطب ایک وکیل ہوتا ہے، جس کے ساتھ وہ کچھ یوں مکالمہ کرتا ہے:

مولوی: بتاؤ دنیا میں کتنے پیغمبر آئے؟

وکیل: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

مولوی: کتنوں پر کتابیں نازل ہوئیں؟

وکیل: چار پیغمبروں پر۔

مولوی: گویا یہ چاروں سب سے برگزیدہ ہوئے؟

وکیل: بے شک!

مولوی: ان چاروں کو معجزے عطا کیے گئے، حضور ﷺ کو قرآن کا معجزہ عطا کیا گیا، اس جیسا معجزہ کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا، جو کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔

عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے، یہ معجزہ کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو موسیقی دی گئی۔

ایسی سریلی آواز اور راگوں پر ایسا عبور کہ سُر لگے تو پہاڑ گانے لگیں، پرندے مدہوش ہو جائیں۔

زبور اٹھا کر دیکھئے یہاں تک لکھا ہے کہ: ''داؤد نے کن راگوں اور سازوں پر گا کر حمد کی۔''

کیا یہ ممکن ہے کہ خدا اپنی تعریف کے لیے ایک حرام چیز اپنے برگزیدہ پیغمبر کو معجزہ کے طور پر عطا فرمائے؟

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہے:

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ؀

(سورۃ الانبیاء: ۱۷/۷۹)

ترجمہ: اور ہم نے مسخر کر دیا پہاڑوں اور پرندوں کو کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کریں اور یہ سب کچھ ہم نے کیا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ

(سورۃ سبا/۲۲/۱۰)

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی دی، اے (پہاڑو!) خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ اور اُڑتے پرندو۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک ظاہری کمال، یعنی حسن کو بیان فرمارہے ہیں اور دوسرا ان کے معجزہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ پرندوں اور پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں شریک ہونا بطورِ معجزہ کے تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام خوش الحانی کے ساتھ زبور کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے اور کتاب اللہ اور ذکر اللہ کو خوش الحانی سے پڑھنے کو کوئی بھی ذی شعور انسان گانے کے ساتھ تعبیر نہیں کرسکتے۔

فلسباز نے موسیقی کے جواز کے لیے ''زبور'' کا سہارا لیا ہے، جو کہ بائبل کا حصہ ہے سوال یہ ہے کہ کیا کسی چیز کی حرمت وحلت کے لیے ان کتابوں کا سہارا لینا درست ہے جن میں اپنے من چاہے احکام کو باقی رکھا گیا ہو اور باقی کو ختم کردیا گیا ہو؟

جن میں صرف ''تحریف'' نہیں بلکہ ''تحریفات'' کی گئی ہوں؟

کیا قرآن مجید کے نزول نے باقی تمام شریعتوں کو منسوخ نہیں کردیا ہے؟

اگر یہ ساری باتیں حقیقت ہیں اور یقیناً حقیقت ہیں تو پھر آپ کے استدلال کی کمزوری کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے قرآن سے نہیں بلکہ زبور سے استدلال کیا ہے، لیکن اگر بالفرض اس استدلال کو درست مان ہی لیا جائے، تو

کیا آپ بائبل میں لکھی ان لغویات سے بھی اتفاق کریں گے کہ:

(۱) نوح علیہ السلام شراب پی کر ننگے ہوگئے۔

(بائبل: ص ۱۰، کتاب پیدائش، باب ۹، آیت ۱۸)

(۲) لوط علیہ السلام کو بیٹیوں نے شراب پلائی اور دونوں باپ سے حاملہ ہوئیں۔

(بائبل: ص ۲۰، کتاب تکوین، باب ۱۹، آیت ۳۰)

(۳) داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا اور اسے حیلے سے قتل کر دیا۔

(بائبل: ص ۳۸۰، باب ۱۱)

(۴) ہارون علیہ السلام نے گائے کی عبادت کی۔

(بائبل: ص ۱۰۴، باب ۳۲، آیت ۲ تا ۶)

(۵) سلیمان مرتد ہو گیا اور اس نے بت خانے بنائے۔

(بائبل: ص ۴۲۱، باب ملوک، آیت ۱ تا ۱۳)

اب فرمائیے جناب! جس کتاب میں کائنات کی برگزیدہ ترین ہستیوں کو اپنی طرف سے ''العیاذ باللہ'' زانی، شرابی، قاتل اور مرتد تک لکھ دیا گیا ہو، اس میں زبور کی تلاوت کو ''راگ''، ''ساز'' اور ''گانے'' سے تعبیر کرنا کون سا مشکل کام ہے؟

ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے کہ آپ نے ''معاذ اللہ'' اللہ کے ایک پیغمبر کو گلوکار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ آج کے زمانے کا ایک عام سا قاری یا نعت خواں بھی اس لفظ کو اپنے نام کے ساتھ استعمال کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔

اب آیئے! قرآنی دلائل کی طرف، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

(سورۃ لقمان: ۶/۲۱)

ترجمہ: اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے، تا کہ گمراہ کریں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔"

یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں اتری، جو مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا۔

درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ باہر سے گانے والی ایک کنیز لے کر آیا اور اس کے ذریعہ اس نے لوگوں کو قرآن سے دور رکھنے کی یہ صورت نکالی کہ جو لوگ قرآن سننے کا ارادہ کریں، اپنی اس کنیز سے ان کو گانا سنواتا تھا اور کہتا تھا محمد ﷺ تم کو قرآن سنا کر کہتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور اپنی جان دو، جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے، آؤ تم یہ گانا سنو اور جشن طرب مناؤ۔

اس آیت میں تھوڑا سا تدبر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو چیز دین سے گمراہ ہونے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنے وہ کفر ہے اس لیے کہ یہاں لفظ "عذاب مھین" لایا گیا ہے اور یہ صرف کافروں کی سزا ہے اور ایک مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝۷۲

(سورۂ فرقان: ۲۵/۷۲)

ترجمہ: اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر تو گزر جاتے ہیں بزرگانہ۔

اس آیت میں اللہ کے برگزیدہ بندوں کی دو نشانیاں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ: یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔

اب ''الزُّوْرَ'' سے مراد کیا ہے؟

تو اس میں جہاں اور اقوال ہیں وہاں ایک قول حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ اس سے مراد گانے بجانے کی محفلیں ہیں۔''

عمرو بن قیس فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد (بے حیائی اور) ناچ رنگ کی محفلیں ہیں۔''

دونوں قولوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مومن حقیقی گانے بجانے کا شیدائی کبھی بھی نہیں ہوسکتا بلکہ اس بے ہودہ فعل سے دور بھاگتا ہے۔

دوسری صفت مؤمنین کی بیان فرمائی کہ جب کسی بیہودہ محفل سے اتفاقاً ان کا گزر ہو تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور ارادۃً ایسی محفلوں میں ان کے شریک ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر اتفاق سے کسی ایسی ہی بے ہودہ مجلس سے ہوا تو ٹھہرے نہیں بلکہ گزر گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ''کریم'' ہو گئے اور یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

اس اقوال کی روشنی میں یہ آیت فلمساز کے قلب و دماغ پر دستک دے دے کر پکار رہی ہے کہ خدارا! اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء اور جھوٹ باندھنے سے باز رہیں۔

ہائے کاش! ہمارا یہ مسلمان بھائی بھی جنید جمشید کی طرح رب کے حضور گڑگڑا کر توبہ کر لے۔ آمین۔

حدیث سے استدلال

بخاری شریف میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ يَقُوْلُ لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ

ترجمہ: ''البتہ بالضرور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو، ریشم کے پہننے کو، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میری امت کے کچھ لوگ ''گانے بجانے'' کو حلال سمجھیں گے، معلوم ہوا کہ موسیقی اور گانا بجانا ہے تو حرام البتہ کچھ لوگ اپنے خیال کے مطابق اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، جیسا کہ اس فلم میں کیا گیا ہے کہ اس فعل حرام کو جائز ثابت کرنے کے لیے احادیث کے مفہوم تک بگاڑ دیا گیا ہے مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث کہ ان کی تلاوت کی تعریف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

يَا اَبَا مُوْسٰى لَقَدْ اُوْتِيْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوُدَ

ترجمہ: ''اے ابوموسیٰ تمہیں تو مزمار داؤد (لحن) عطا کیا گیا ہے۔''

یہاں ''لحن'' کو ''موسیقی'' پر محمول کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ لحن اور موسیقی میں بُعد المشرقین ہے۔

موسیقی اس آواز کو کہا جاتا ہے جو آلات سے پیدا ہو اور جذبات میں مدوجزر پیدا کرے اور ''لحن'' گلے سے نکلنے والی آواز کا نام ہے۔

پھر اگر بالفرض آپ کے مطابق یہاں موسیقی ہی کی تعریف ہو رہی ہے اور یہ اتنی ہی اچھی چیز ہے تو کسی ایک صحابی یا صحابیہ کا نام پیش کریں جو گلوکاری میں مشہور ہو؟

اسی طرح ترمذی شریف کی ایک حدیث جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس میں گانے بجانے کو عذابِ الٰہی کا سبب بتایا گیا ہے۔ احد میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ مغنیات لے کر گیا تھا لیکن مسلمانوں کے لشکر میں گانے بجانے والی عورتیں نہ تھیں، بلکہ یہاں تو ''تعلق مع اللہ'' سے لیس جانباز تھے، اگر گانا بجانا جائز ہوتا تو مسلمانوں کے لشکر میں بھی عورتیں نہ سہی گانے والے مرد ضرور ہوتے۔

سنگین گناہوں پر جرات

پھر موسیقی تو بلبل کے ترنم ہوا کی سرسراہٹ اور چشمے کی روانی کا نام بھی ہے، مگر آپ نے ہر قسم کی موسیقی کو جائز قرار دے دیا ہے، حتیٰ کہ اس موسیقی کو بھی جو

دعوتِ زنا دے، آپ نے اپنے اس فعل سے ان لوگوں کو جری کیا ہے جو خود کو مسلمان تو کہلوانا چاہتے ہیں لیکن اسلام پر عمل کے لیے تیار نہیں، ایسے لوگوں میں سے کل کوئی یہ بھی کہہ دے گا کہ سود حلال ہے جیسا کہ کہا جا رہا ہے کہ پہلے سود حرام تھا شخصی ضروریات کی وجہ سے لیکن اب حلال ہے بوجہ تجارتی ضروریات کے!۔

پھر تو شراب کی حلت کے بھی بہانے ڈھوڈے جائیں گے اور ڈھونڈے جا رہے ہیں کہ پہلے شراب حرام تھی کیونکہ وہ دیسی طریقے سے بنائی جاتی تھی، صحت اور صفائی کے اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا اسی لیے وہ شراب خوروں کی ہلاکت کا سبب بنتی تھی، آج کل تو اعلیٰ قسم کی مشینوں سے محکمہ صحت کی اجازت سے تیار کی جاتی ہے، صفائی کا بے حد اہتمام کیا جاتا ہے، پینے والوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ جسمانی طور پر طاقت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اسے حلال ہونا چاہیے۔

زنا کے عادی اس فعل قبیح کے جواز کے لیے سرگرم ہو جائیں گے اور فی الوقت بھی دبے لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ ''زنا بالجبر'' حرام ہے نہ کہ ''زنا بالرضا''۔

بتایئے اگر بالفرض یہ لوگ عملاً اور قولاً ایسی تحریک چلا دیں جیسا کہ آپ نے موسیقی کے جواز کے لیے چلائی ہے، تو پھر مذہب کا کیا بنے گا؟ اور ایسے لوگوں کی ان مجرمانہ حرکتوں کا گناہ کس کے سر ہوگا؟

سوچا سمجھا ایجنڈا

کتنے افسوس کی بات ہے! کہ ایک عام سا ڈاکٹر کوئی پرہیز بتا دے تو آنکھیں

بند کر کے اسے قبول کر لیا جائے، مگر خالق کائنات کسی پرہیز کا مطالبہ کرے تو اسے ماننے کے بجائے اُلٹا اس پر تنقید شروع کر دی جائے، اور من مانی تاویلات کر کے اسے اپنے لیے حلال ثابت کر لیا جائے۔

اسلام سے بغاوت اگر اس کا نام نہیں تو پھر کس چیز کا نام ہے؟

باقی رہیں وہ بعض احادیث جن میں دَف بجانے اور فحاشی سے پاک اشعار کہنے کی اجازت دی گئی ہے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے موسیقی جیسی غلاظت کو بھی جائز قرار دے دینا ''دماغی خرابی'' کے سوا کچھ نہیں۔

بھلا بکری کی حلت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خنزیر کو حلال قرار دیا جا سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی قومی مسئلہ ایسا نہ تھا جو موسیقی کے جواز کے بغیر حل نہ ہو سکتا ہو، ملکی ترقی کا بھی اس سے کوئی واسطہ نہ تھا لیکن پھر نجانے کیوں اسے جائز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ وہی وجہ سمجھ آتی ہے جو ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ ایک پورا ایجنڈا ہے جس پر بتدریج عمل ہو رہا ہے اور وہ ایجنڈا یہ ہے کہ اسلام کی محبت کو تو مسلمانوں کے دلوں سے کھرچا نہیں جا سکتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی احکامات کی ایسی تشریح کی جائے کہ اسلام کا نام تو باقی رہے مگر روح باقی نہ رہے۔

آخری بات کہہ کر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ سروے کروا لیجیے، ایک طرف ان لوگوں کو رکھیے جو موسیقی اور رقص و سرور کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کو شمار کر لیجیے جو ان محافل سے بچتے ہیں!

آپ کو زنا کی کثرت ان لوگوں میں نظر آئے گی جو ان بیہودہ اور فحش محافل

میں شریک ہوتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناچ گانا زنا کا داعی ہے، لہٰذا جسے اپنا ایمان اور اللہ کی رضا عزیز ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ زنا کے اس داعی سے خود بھی بچے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

میڈیا کا مثبت اور منفی کردار

نشست ثانی

ازافادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

میڈیا کا مثبت اور منفی کردار (نشست 2)

- دور حاضر میں میڈیا کی اہمیت
- کیا الیکٹرونک میدیا مطلقاً حرام ہے۔
- میڈیا کے ذریعے اسلامی تشخص کیسے تباہ کیا جارہا ہے؟
- کیا جدید دنیا میں جنگیں میدان جنگ کے بجائے میڈیا پر لڑی جارہی ہیں؟
- عالمی سطح پر یہودی لابی کا ہر قسم کے میڈیا پر قبضہ مسلم دنیا کو کیا پیغام دے رہا ہے؟
- حال ہی میں بنائی جانے والی ایک فلم میں اسلامی شعائر اور ضروریات دین کا مذاق کیسے اڑایا گیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾

(سورۃ المائدہ 67، پارہ 6)

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ

(اٰلِ عمران 110، پارہ 4)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمُ

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پہلے درس

کا موضوع تھا میڈیا کا مثبت اور منفی کردار! اور اس میں بنیادی طور پر تین عنوانات پر اپنی گزراشات آپ کے سامنے پیش کرنا مقصود تھا ایک تو میڈیا کی اہمیت، دوسرے نمبر پر الیکٹرونک میڈیا کا جواز اور عدم جواز اور تیسرے نمبر پر وہ فلم جس کی آج کل سرکاری طور پر سرپرستی کی جارہی ہے اور جس کی تشہیر پر یقیناً لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کیا جارہا ہے اور جس میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے والا اور علماء سے بدظن کرنے والا بہت سارا مواد شامل ہے۔

یہ تین عنوانات تھے جن کے حوالے سے خیال تھا کہ بات کی جائے مگر ہمارے دوستوں نے مشورہ یہ دیا کہ سب سے پہلے اس فلم کے بارے میں گفتگو کی جائے، ممکن ہے کہ اس گفتگو کو سن کر ہمارا کوئی ساتھی، کوئی بزرگ، کوئی دوست، کوئی بیٹی اس فلم میں کیے گئے زہریلے پروپیگنڈہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے چنانچہ ہمارے پچھلے ماہ کی نشست اسی کے لئے مخصوص رہی۔ آج کی اس نشست میں جو دوسرے عنوانات تھے میڈیا کی اہمیت اور الیکٹرونک میڈیا کا جواز اوعدم جواز ان کے بارے میں اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں اپنی معروضات آپ کے سامنے پیش کروں گا، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ مجھے اور آپ سب کو حق اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میڈیا کی تعریف

میڈیا کسے کہتے ہیں؟ میڈیا اس وسیلہ کو کہا جاتا ہے، اس ذریعہ کو کہا جاتا ہے جس سے اپنی معلومات اپنے نظریات اور خبریں وغیرہ دوسروں تک پہنچائی

جاسکیں اور وہ وسیلہ جس کے ذریعہ سے اپنے نظریات، اپنے خیالات، اپنے عقائد، اپنی معلومات اور خبریں وغیرہ دوسروں تک پہنچائی جاسکیں یہ وسیلہ ہر دور میں مختلف رہا ہے لیکن رہا ہر دور میں ہے، جس وقت اسلام کا ظہور ہوا اور جس ماحول میں اسلام کی پہلی آواز گونجی اس ماحول میں، اس زمانہ میں اور اس خطے میں سب سے موثر وسیلہ جس کے ذریعہ دوسروں تک اپنی معلومات، اپنے نظریات پہنچائے جاسکتے تھے، وہ وسیلہ تھا شاعری! کوئی اچھا شعر اور کوئی اچھا شاعر اس دور میں جبکہ برقی آلات نہیں تھے نہ اخبار، نہ رسالے، نہ ریڈیو، نہ ٹی وی، نہ انٹرنیٹ اس زمانہ میں کوئی اچھا شاعر اچھے شعر کے ذریعے اپنی بات اپنے خیالات اپنے نظریات دور دور تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا اور قریب کے لوگوں میں زبان در زبان، افواہ اور افواہ، نظریہ، وہ خیال یوں کہنا چاہیے کہ سورج غروب ہونے سے قبل پہنچ جاتا تھا......

اسی طریقہ سے ایک وسیلہ اپنے نظریات دوسروں تک ہمیشہ پہنچانے کا خطابت بھی تھی...... تقریر اور شاعری یہ دونوں چیزیں عربوں کی گھٹی میں تھیں، عربوں کی پہچان تھیں، عربوں کی خصوصیت تھی کہ شاعری میں بھی انہیں بے پناہ ملکہ حاصل تھا اور خطابت میں بھی، اچھے شاعر کو بڑی پذیرائی ملتی تھی اور خطابت میں بھی انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اکثر قبیلوں کا اپنا کوئی شاعر ہوتا تھا اپنا خطیب ہوتا تھا اور بعض اوقات تو وہ خطیب اور وہ شاعر ہی اس قبیلہ کی پہچان ہوا کرتا تھا یعنی قبیلہ کو پہچانا جاتا تھا اس شاعر کے ذریعہ سے اور خطیب کے ذریعہ سے۔ جس قبیلہ میں یا جس خاندان میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہو جاتا اس قبیلہ کو اور اُس

خاندان کو چار چاند لگ جاتے۔ یہی حال خطباء کا تھا ہمارے آقا ﷺ کائنات کے آقا ﷺ جن وانس کے آقا نبی کریم ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا عرب کے ماحول میں ظاہراً آپ ﷺ کی دعوت کی بنیاد تو قرآن تھی۔ آپ ﷺ قرآن سناتے تھے خود آپ ﷺ شاعر نہیں تھے اور اللہ نے خود نفی میں بھی فرمادی تھی کہ:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط

(سورۂ یسین)

اور نہ ہم نے اپنے نبی ﷺ کو شعر سکھائے ہیں اور نہ ہی شعر و شاعری نبی ﷺ کی شان کے موافق ہے، حالانکہ دیکھئے کہ حضور ﷺ نے شاعروں کی سرپرستی فرمائی اور حضور ﷺ کو اچھی شاعری میں دلچسپی تھی اچھی اشعار کی آپ ﷺ تعریف فرماتے تھے۔ اچھے شعراء سے ان کا کلام سنتے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی کریم و ﷺ نے ایک بار مجھ سے کہا کہ کچھ شعر سناؤ میں نے شعر عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور سناؤ میں نے اور سنایا آپ ﷺ نے فرمایا اور سناؤ میں نے اور عرض کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ایک ہی نشست میں مجھ سے ۱۰۰ تک اشعار سن لیے۔ اچھے شاعر کی تعریف بھی فرماتے تھے اچھے شاعروں کی سرپرستی بھی فرماتے اور ان کے لئے دعائیں بھی فرماتے ان کی کی حوصلہ افزائی بھی کرتے لیکن خود شاعری نہیں فرماتے تھے اور اللہ نے کہہ دیا کہ:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط

کہ ہم نے آپ کو شعر بھی نہیں سکھائے اور شعر و شاعری آپ کے مناسب بھی

نہیں ہے۔ اب یہاں ایک بات یہ سمجھئے کہ ایسی چیز جو نبی ﷺ کی شان کے موافق بھی نہیں ہے اور اللہ نے وہ آپ کو سکھائی بھی نہیں ہے دوسرے اس چیز کو کرتے ہیں تو آپ ان کی تعریف کرتے ہیں تو گویا کہ ایسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز نبی ﷺ کی شان کے موافق نہ ہو اور دوسروں کی شان کے خلاف بھی نہ ہو۔ دوسروں کا شاعری کرنا یہ ان کے مقام ان کے ایمان ان کے منصب اور تقویٰ کے خلاف نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کی شان کے مناسب نہیں تھا۔

قرآن کریم کی عظمت و مقام

ایک جگہ اللہ نے فرمایا کہ:

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

اللہ اکبر! ایک دفعہ غالباً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یا کوئی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اسلام قبول کرنے سے پہلے کی بات ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کلام جو اتنا متاثر کن کلام ہے اور دل میں اثر کرنے والا کلام ہے اور جذبات کو جھنجوڑنے والا کلام ہے اور روح میں طلاطم پیدا کر دینے والا کلام ہے۔ یہ تو کسی شاعر کا کلام معلوم ہوتا ہے اور ادھر میرے دل میں خیال آیا اور اُدھر آپ ﷺ یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے:

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

(الحاقۃ: آیت ۳۸ تا ۴۱)

اور میں (اللہ) ان چیزوں کی بھی قسمیں کھاتا ہوں جن کو تم دیکھ سکتے ہو اور

ان چیزوں کی بھی قسمیں کھاتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے لیکن تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔

میں نے سوچا کہ میرے دل کے خیال کو اس نے جان لیا ہے لگتا ہے یہ کوئی کاہن ہے کیونکہ کاہن غیب کی چیزیں بتلانے کا دعویٰ کرتے تھے، آگے آپ نے پڑھ دیا:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ

اللہ اکبر! یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے۔

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

لیکن تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾

یہ تو ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔

شاعروں کی مذمت

ویسے آپ جانتے ہی ہوں گے کہ رب العالمین نے قرآن میں شاعروں کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ:

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ یہ تو ہر وادی میں منہ مارتے رہتے ہیں، سرگرداں رہتے ہیں اور یہ تو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں۔

قول ہے مگر ان کے پاس عمل نہیں ہے۔ یہ شاعروں کی مذمت بیان فرمائی ایک تو یہ ہر قسم کے رنگا رنگ مضمون باندھ لیتے ہیں مبالغہ آرائی، قصہ گوئی ان کے ہاں پائی جاتی ہے اور دوسرا قول و عمل کا تضاد پایا جاتا ہے اور یہ شاعر ایسے ایسے مضمون باندھتے ہیں جن میں مبالغہ آرائی انتہاء کو پہنچی ہوتی ہے۔ وہ جو کسی شاعر نے ہی کہا ہے اپنے بھائیوں کے بارے میں:

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

پاپوش جوتے کو کہتے ہیں۔ ایسی مبالغہ آرائی کرتے ہیں کہ آفتاب کی کرنیں جوتے میں جوڑ دیتے ہیں اور سورج کو جوتے سے ملا دیتے ہیں تو مبالغہ آرائی ان کے ہاں پائی جاتی ہے، پھر قول و عمل کا تضاد، بڑی بڑی باتیں کریں گے میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں جنگل کے شیر مجھ سے ڈرتے ہیں اور چیتے میرے نام سے کانپتے ہیں اور اُدھر کسی بچے سے پٹاخہ جل گیا۔ سب سے پہلے بھاگنے والے شعراء ہی ہوں گے تو مبالغہ آرائی بہت کرتے ہیں اور ہمارے آقا کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔ نہ مبالغہ آرائی نہ قول و عمل کا تضاد نہ قصہ گوئی اور نہ ہی بزدلی۔

حضور ﷺ اچھے شعراء کی تعریف فرما دیتے تھے

بہر حال عرض کر رہا تھا کہ اس زمانے کا جو ذریعہ ابلاغ تھا، میڈیا، وسیلہ، جس کے ذریعہ سے اپنے جذبات دوسروں تک پہنچائے جا سکتے تھے۔ وہ تھا شاعری اور شاعری نبی ﷺ کی شان کے موافق نہیں تھی اللہ نے خود فرما دیا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے شعراء کی سرپرستی فرمائی اور اچھے اشعار کی

تعریف فرمائی بعض اوقات آپ ﷺ حضرت حسان ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنے منبر پر بٹھاتے اور آپ ﷺ نیچے تشریف فرما ہوتے اور فرماتے کہ:

یاحسان أجب عن رسول اللہ ایدک اللہ بروح القدس

(اے حسان! یہ دشمنانِ دین، یہ دشمنانِ خدا، یہ دشمنان رسول، اللہ کے نبی e پر جو اعتراض کرتے ہیں۔تم ان کا جواب دو، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ روح القدس کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائے۔)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو منبر پر بٹھاتے خود نیچے تشریف رکھتے، دعا فرماتے اور کہتے آپ ان کے اعتراضات کا جواب دیں۔ یہاں سے آپ یہ بھی جان لیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ صرف نعت گوئی نہیں کرتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ دشمنانِ رسول ﷺ کے اعتراضات کے جوابات بھی اپنی شاعری میں دیتے تھے اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ بھی دربار رسالت کے مشہور شاعر تھے جب نبی کریم ﷺ عمرہ قضاء کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آگے آگے چلتے تھے اور رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ آپ جانتے ہیں رجزیہ شاعری کسے کہتے ہیں؟ جس میں اپنی عاجزی کا بیان ہوتا ہے اور دشمن کو چیلنج ہوتا ہے، رجزیہ شاعری جو ہوتی ہے یہ کوئی قوالی نہیں ہوتی، یہ صرف حمد و نعت کے اور مدح و ثنا کے اشعار نہیں ہوتے اس میں تو دشمن کو چیلنج ہوتا ہے، اپنی قوت اور طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔

اپنی بڑائی بیان کرنا

اور یاد رکھیں! کہ بڑے بڑے بول بولنا بڑی باتیں کرنا اور تعریف کرنا اپنی

بڑائی بیان کرنا یہ قابلِ مذمت ہے لیکن کافروں اور مشرکوں کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی بڑائی بیان کرنا، اپنی شجاعت کا بیان، اپنی سخاوت کا بیان، اپنی طاقت کا بیان اور اپنی جنگی صلاحیت کا بیان اور دشمن کی کمزوری کا بیان کرنا صحیح ہے، مسلمانوں میں کفر کے مقابلہ میں خود اعتمادی پیدا ہونی چاہیے اور اگر ہر وقت کفر کے مقابلہ میں سر جھکا کر ہی رکھا جائے تو پھر مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی اور جرأت پیدا نہیں ہو سکتی ان کی گردنیں کفار کے سامنے جھکی رہیں گی۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا عبداللہ! کیا کرتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رجزیہ شاعری؟ اپنی جرأت اپنی طاقت اور اپنی بہادری کا بیان اور دشمن کو چیلنج؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناراضگی اور تنبیہ کو سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ! عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو تم نہیں جانتے ان کی یہ شاعری دین کے دشمنوں پر تیر اندازی سے بھی زیادہ اثر کرتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شاعروں کو سرپرستی فرمائی، حوصلہ افزائی، فرمائی ان کے لئے دعائیں کیں۔

مسلمان میڈیا کفار سے آگے تھے

اگر میں یہ کہوں تو شاید بے جا نہیں ہوگا کہ یہ جو ابلاغ کے شعبے تھے۔ اپنے خیالات پہنچانے کے شعبے یا آسانی کے لئے کہہ دیتا ہوں، "میڈیا" جو اُس وقت کا میڈیا تھا، شاعری تھی، یا خطابت تھی، مسلمان اس شعبے میں غیر مسلموں سے ایڈوانس تھے، آگے تھے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں کہ میں نے ایسے ہی بات کہہ دی بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ایک قبیلہ نے مسلمانوں کو چیلنج دیا شاعری اور

خطابت میں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر مسلمان شعراء اور خطیبوں نے ہمیں شاعری میں اور خطابت میں شکست دی تو ہم اسلام قبول کرلیں گے اب دیکھئے لوگ بھی مختلف ہوتے ہیں اپنے اپنے مزاج اور اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے۔ کھل کے چیلنج دے رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چیلنج کو قبول فرمانا

آپ نے سنا ہوگا کہ ایک پہلوان نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیلنج دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ کشتی کریں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی میں مجھے پچھاڑ دیا تو میں اسلام قبول کروں گا اور ہمیں تعجب ہوگا اور خاص طور پر ہمارے صوفیوں کو تعجب ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیلنج کو قبول کرلیا کہ آؤ! میں کشتی لڑنے کے لئے تیار ہوں۔ میں صوفیوں کے تعجب کا خاص طور پر اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں صوفی اس کو کہا جاتا ہے کہ جو دلہنوں کی طرح ناز و نزاکت والا ہو، ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاتا ہو۔ میں مزاح میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ صوفی وہ ہے جو ہر قدم استخارہ کے بعد اٹھاتا ہو، حال اور چال میں ایسا لگے جیسا بیمار! ہم نے تواضع اس کا نام رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صوفی کو دیکھا بڑے عجیب طریقہ سے چل رہا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ کا دِرّہ تو ہر وقت ہی ساتھ ہوتا تھا۔ ایک لگایا اور فرمایا کہ سیدھے سادھے طریقہ سے چلو۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو مضبوطی سے قدم اُٹھاتے جیسے سیڑھیوں سے اتر رہے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ روی سے چلتے تھے

لیکن کوئی آپ کو پہنچ نہیں سکتا تھا دوسروں کو آپ ﷺ کے ساتھ بڑی تیزی دکھانا پڑتی تھی حضور ﷺ تک پہنچنے کے لئے! تو چیلنج دیا کشتی کا کہ ہمیں پچھاڑ دیں ایمان قبول کرلیں گے ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے میں تیار ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے کشتی لڑی اور اس کافر کو شکست دی اور یہی شکست اس کے کلمہ پڑھنے کا سبب بن گئی، شکست کھا گیا، لیکن حقیقت میں فتح پا گیا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں ایمان کا نور اُتر گیا تو اس قبیلے نے یہ چیلنج دیا کہ اگر مسلمان شاعر اور خطیب ہمارے شاعر اور خطیب کو شکست دیں تو ہم ایمان قبول کرلیں گے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مقابلہ کے لئے دو صحابیوں رضی اللہ عنہم کا انتخاب فرمایا ایک حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت شماس بن قیس رضی اللہ عنہ اور دونوں نے شاعری اور خطابت میں اس قبیلہ والوں کا مقابلہ کیا اور وہ قبیلہ شکست کھا گیا اور اپنے وعدہ کے موافق اس نے ایمان قبول کرلیا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ دیکھا جائے تو مسلمان اس وقت کے میڈیا کے شعبے میں، اس وقت کا جو ذریعہ ابلاغ تھا اس میں غیر مسلموں سے آگے تھے، ان پر غالب تھے شاعری اور خطابت تو آپ جانتے ہی ہیں، ابلاغ کا ایک وسیلہ ایک ذریعہ تھا دعوت کا اس کے علاوہ ہمارے آقا نے پیغام رسانی کا طریقہ بھی اختیار فرمایا۔ اپنے قاصد مختلف شہروں میں مختلف ملکوں میں دعوت دین کے لئے بھیجے اور خطوط بھی آپ نے بھیجے پیغام بر اور اپنے نائب بھی بھیجے۔

دورِ حاضر کا میڈیا کیا ہے؟

آج کا میڈیا سالہا سال سے بدل چکا۔ آج کا میڈیا منبر و محراب ہے اور یہ

سب سے زیادہ طاقتور ذریعہ ہے۔اس سے زیادہ موثر اور اس سے زیادہ پاکیزہ وسیلہ کوئی نہیں جو اللہ پاک نے ہمیں منبر و محراب کی صورت میں عطاء کیا ہے اور میرے خطیب بھائی ناراض نہ ہوں ہم نے منبر و محراب سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا جتنا اُٹھانا چاہیے تھا، آج منبر و محراب امت کو آپس میں لڑانے اور فروعی اور چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھانے کا اور رسمی قسم کی تقریروں کا ذریعہ بن گیا، میں حقیقت کہتا ہوں بہت کم خطیب، امام اور مبلغ ایسے ہیں جو اصلاح اعمال و اخلاق کی نیت سے تقریر کرتے ہیں۔ اکثر خانہ پُری کرتے ہیں چونکہ مسجد کمیٹی کی طرف سے پابندی ہے کہ آپ نے پندرہ ۱۵ منٹ آدھا گھنٹہ تقریر کرنی ہے وہ کرتے بھی ہیں تو چھپے ہوئے خطبات سے۔ کہیں نہ کہیں سے کچھ دیکھ لیا اور وقت پورا کرلیا۔ میرے بھائیو! خطابت کے لئے تو درد کی ضرورت ہے، درد کے بغیر تو خطابت خطابت نہیں، فنکاری ہے، بڑی اچھی آواز ہے، اور بڑی زبردست لفاظی، بیان میں ایسی فصاحت، ایسی سلاست، ایسی روانی کہ مجمع عش عش کر اُٹھے لیکن صرف عش عش ہی کرتے ہیں زندگی کسی کی بھی نہیں بدلتی، دل کسی کا نہیں بدلتا نعرے خوب لگاتے ہیں، ہنستے ہیں رو بھی پڑتے ہیں، ماشاء اللہ کی آوازیں بھی آتی ہیں۔ مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ پیشہ ور خطیب لوگوں سے زبردستی نعرے لگوا لیتے ہیں، بلکہ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ میں نے ایسے خطیبوں کو دیکھا جو خود ہی اپنے نعرے لگا دیتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں ابھی کچھ عرصہ قبل فیصل آباد میں تھا، ایک خطیب صاحب نے کوئی بات کہی اور پھر کہا کہ جس کے دل میں ایمان ہے اور جس کے منہ میں زبان ہے وہ کہے ماشاء اللہ،

اب وہ کہہ رہے ہیں ماشاء اللہ! پھر وہ خطیب صاحب کہنے لگے: ارے! تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے کھانا نہیں کھایا یہ کیسا ماشاء اللہ ہے زور سے کہو اور زور سے، اور زور سے، وہ پورا زور لگواتے ہیں ان کے بعد میں نے بیان کیا تو میں نے کہا کہ نہ مجھے نعروں کی توقع ہے اور نہ نعرے لگواتا ہوں اور نہ مجھے ماشاء اللہ، سبحان اللہ کا انتظار ہے اور نہ کہلواؤں گا، سیدھی سی بات کہوں گا اگر سمجھ میں آجائے تو عمل کر لینا۔ تو عرض کر رہا تھا سب سے متاثر کن اور پاکیزہ ذریعہ ابلاغ اور میڈیا میں سمجھتا ہوں کہ منبر ومحراب ہے۔ اس سے بڑھ کر مؤثر وسیلہ اور ذریعہ کوئی نہیں۔ مگر کچھ ہماری سطحی تقریروں، قصے کہانیوں، بے بنیاد باتوں، فرقہ وارانہ مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے، آج صورت یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں اکثر مساجد میں در ودیوار کو تقریریں سنائی جاتی ہیں سامعین نہیں ہوتے لوگ آتے ہیں آخری پانچ منٹ میں باقی وقت ایسے ہی گزر جاتا ہے یا بعض بزرگ آکر بیٹھ جاتے ہیں، سننے والا مجمع اور عمل کرنے والا مجمع آتا ہی نہیں ہے، منبر ومحراب کے علاوہ آج کے زمانہ کا میڈیا اخبار ہیں، رسالے ہیں، ریڈیو ہے، انٹرنیٹ اور ٹی وی ہے، یہ سب ذریعہ ابلاغ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل نفسیات، اخلاق، نظریات، معیشت، سیاست اور تجارت پر جتنا اثر انداز میڈیا ہے کوئی چیز نہیں، اس میں وہ صلاحیت ہے کہ کسی بھی نعرے کو، اشتہار کو، نظریے کو دنوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں میں ہر محفل کا اور ہر گھر کا موضوع گفتگو بنا سکتا ہے، لوگ وہی چیز خریدتے ہیں جس کا اشتہار میڈیا میں ہوتا ہے، دوسری چیز خریدتے ہی نہیں، دکانداروں کے پاس کوئی چیز لے کر جائیں تو وہ کہیں گے کہ کیا ٹی وی پر اشتہار آیا ہے، اس

لیے کہ اگر ٹی وی پر اشتہار آگیا تو مٹی بھی ہوگی تو بک جائے گی اور اگر اشتہار نہیں ہے تو اچھی چیز بھی فروخت نہیں ہوگی۔

میڈیا کی طاقت

میرے خیال میں نہ ایٹم بم میں وہ طاقت ہے، نہ راکٹ میں وہ طاقت ہے، نہ میزائل میں وہ طاقت ہے نہ آبدوز میں اور نہ ٹینک میں جتنی میڈیا میں طاقت ہے، میں مادّی چیزوں کی بات کررہا ہوں کل کوئی یہ کہے کہ مولوی صاحب! یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟ سب سے طاقتور چیز تو ایمان ہے، آپ نے میڈیا کو طاقتور کہہ دیا، الحمدُ للہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایمان اور قرآن کو سب سے زیادہ طاقت والی چیز سمجھتا ہوں اور الحمد للہ دل کے یقین سے یہ بات کہتا ہوں کہ اللہ نے ہمارے قرآن میں ۱۰۰ ایٹم بم اور ہزار ایٹم بم سے زیادہ طاقت رکھی ہے۔ میں مادّی چیزوں کی بات کررہا ہوں مادی چیزوں میں آج میڈیا سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

عبرت ناک بات

اور ہمارے لیے جو عبرت کی بات ہے وہ یہ ہے کہ میڈیا پر عموماً غیر مسلم اور خصوصاً یہودی چھائے ہوئے ہیں پوری دنیا کے میڈیا پر آپ کو تعجب ہوگا کہ ایشیا میں بھی جو میڈیا ہے اور بہت سے چینل ہیں ان کے پس پشت یہودی سرمایہ کاروں کا ہاتھ ہے، بہت سے مسلمان ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن ان کے، ٹی وی چینل ان کے، خبر رساں ایجنسیاں جن سے ہمارے

اخبارات آباد ہوتے ہیں یہ ان کی، سیٹلائٹ کا نظام ان کا، انٹرنیٹ ان کے قبضے میں، میں نے ایک جگہ اس حوالے سے لکھی جانے والی ایک کتاب میں پڑھا۔ (واللہ اعلم بالصواب) حوالے سے انہوں نے لکھا کہ امریکہ میں ایک یہودی فیملی ایسی ہے کہ اس کے پاس ۴۸ روزنامے، ۲ ہفت روزہ رسالے، ۱۸۲ ریڈیو اسٹیشنز، ۱۴۰ ٹی وی چینلز اور ۱۷۳۵ دارالاشاعت ہیں۔ اس طریقہ سے پوری دنیا کے میڈیا پر یہودی اور غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ دنیا کو وہ دکھاتے ہیں جو وہ دکھانا چاہتے ہیں جو دنیا کی اصل حقیقت اور واقعات کی اصل حقیقت ہوتی ہے وہ نہیں دکھاتے بلکہ وہ کچھ دکھاتے ہیں اور وہ کچھ سناتے ہیں جو کچھ دکھانا چاہتے ہیں یا جو کچھ سنانا چاہتے ہیں۔

دور حاضر میں میڈیا کا منافقانہ کردار اور ہماری ذمہ داری

میرے دوستو! اور بزرگو میری بہنو اور بیٹیو! بالخصوص ماہِ مبارک آرہا ہے، رمضان کا مہینہ! یہ اللہ سے مانگنے کا مہینہ ہے ہم اس کو کئی چیزوں کا مہینہ کہہ سکتے ہیں، قرآن کا مہینہ ہے، تلاوت کا مہینہ ہے، سخاوت کا مہینہ ہے، عبادت کا مہینہ ہے، میں کہتا ہوں کہ سب سے نمایاں چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سے مانگنے کا مہینہ ، مانگنا تو سارا سال چاہیے بالخصوص اس ماہ مبارک میں تو آپ حضور ﷺ کی دعاؤں سے مناسبت پیدا کیجیے اور آپ کی دعائیں جو کہ آپ کی مبارک زبان سے نکلیں، مبارک الفاظ، مبارک مواعظ ان الفاظ کو آپ اپنی زبان سے نکالیں تو انشاء اللہ! اللہ کی رحمت ضرور متوجہ ہوگی لیکن میں جس دعا کی طرف اس وقت متوجہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اللہ سے مانگا کرتے تھے اور مانگنا

چاہیے:

اَللّٰھُمَّ أَرِنِی حَقِیقَۃَ الْأَشْیَاءِ کَمَاھِیَ

اے اللہ! جیسی چیزوں کی حقیقتیں ہیں اسی طرح مجھے سمجھا دے اور سکھا دے اور بتا دے ایسا نہ ہو کہ حقیقت کچھ ہو اور میں کچھ اور سمجھوں۔

اسی طرح سے وہ دعا بھی تو آپ نے ضرور سنی ہوگی:

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وارزقنا اجتنابا۔

''اے اللہ! ہمیں حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما اور ہم کو دکھا باطل اور اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرما۔''

حق کا حق ہونا مجھ پر واضح فرمادے اور اس کی اتباع کی توفیق مرحمت فرمادے اور باطل کا باطل ہونا مجھ پر واضح فرمادے اور اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرمادے تو یہ دعا ضرور کیا کریں:

اَللّٰھُمَّ أَرِنِی حَقِیقَۃَ الْأَشْیَاءِ کَمَاھِیَ

اس لیے کہ میڈیا پر چھائے ہوئے لوگ دنیا کو ویسا نہیں دکھاتے جیسا کہ دنیا میں رونما ہو رہا ہے، ایسا دکھاتے ہیں جیسا کہ وہ دکھانا چاہتے ہیں تو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جیسی حقیقت ہے ویسے ہی ہم سمجھیں یہ نہ ہو کہ ہم ان کے پروپیگنڈہ میں آکر باطل کو حق سمجھیں اور حق کو باطل سمجھیں۔

دجّال کا سب سے بڑا کام

آپ جانتے ہیں کہ دجّال کا سب سے بڑا کام کیا ہوگا؟ دجّال کا سب سے

بڑا کام یہ ہوگا کہ وہ حقائق کو بدل دے گا سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ، کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر، حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر رکھ دے گا یہ دجال کا سب سے بڑا کارنامہ ہوگا اسی لیے ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا کہ دجّال جس چیز کو پانی کہے گا وہ حقیقت میں آگ ہوگی اور جس چیز کو آگ کہے گا وہ حقیقت میں پانی ہوگا۔ علماء فرماتے ہیں کہ دجّال کا سب سے بڑا تعارف خود لفظ دجّال میں پوشیدہ ہے اگر آپ دجّال کا تعارف چاہتے ہیں تو سب سے بڑا تعارف لفظ دجّال ہے، دجال دجل سے ہے اور دجل اردو میں فریب کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہ ملمع سازی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی اگر لوہے پر سونے کا پانی چڑھا دیا جائے تو دیکھنے والا لوہے کو سونا سمجھے گا حالانکہ وہ لوہا ہوتا ہے سونا نہیں ہوتا بلکہ اس پر سونے کا پانی چڑھایا جاتا ہے۔ دجال جو کام کرے گا حقائق کو چھپانے اور حقائق کو بدلنے کے لیے کرے گا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
تو دجال کا جو بڑا کارنامہ ہوگا اس کی حقیقت بھی یہی ہوگی

مغربی تہذیب اور دجّالی تہذیب

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں جو آپ نے سورۂ کہف کی تفسیر کے حوالہ سے لکھی اس میں فرمایا کہ دجال تو جب آئے گا سو آئے گا مگر دجالی تہذیب تو آچکی یہ مغرب کی جو تہذیب ہے یہ دجالی تہذیب ہے یہ جو خوشنما نعرے ہیں، جمہوریت، معیار زندگی، حقوق نسواں، آزادیٔ صحافت، یہ بڑے خوبصورت نعرے جھوٹ ہی جھوٹ ہیں، الفاظ بڑے خوبصورت لیکن اہلِ

مغرب ان خوبصورت الفاظ کے پردے میں خوب جھوٹ بولتے ہیں صراحتاً جھوٹ بولتے ہیں نہ یہ حقوق نسواں کے قائل ہیں، نہ آزادی رائے کے قائل ہیں، نہ جمہوریت کے قائل ہیں، نہ آزادیٔ صحافت کے قائل ہیں، بات جمہوریت کی کرتے ہیں لیکن آج تک انہوں نے عالمِ اسلام میں ہمیشہ آمروں کی حمایت کی ہے۔ مسلمانوں کے مفاد کے لیے نہیں بلکہ اپنے مفاد کے لیے انہی آمروں کو وہ برسراقتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پورے عالم اسلام کو امریکہ کے غلاموں نے، آمروں نے اپنے قبضے میں لے رکھا ہے پورا عالم اسلام ان کے قبضہ میں جکڑا ہوا ہے ہمارے حکمران بھی آمر اور امریکہ کے غلام ہیں۔ وہی کچھ کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہے، ان کی سیاست اسی کی، ان کے الیکشن اسی کے، ان کی جمہوریت اسی کی، ان کی رائے اسی کی، جو کچھ وہ چاہتا ہے یہ وہ کرتے ہیں۔

حقوق نسواں کی حقیقت

حقوق نسواں جیسے پرکشش الفاظ بول بول کر عورت کو ایک شوپیس بنا کر رکھ دیا، عورت کو قضاء شہوت کی ایک چیز بنا کر رکھ دیا۔ انہوں نے عورت کو حقوق نہیں دیے بلکہ اس کے حقوق کو پامال کیا ہے، عورت پر ستم ڈھایا، اس کی مامتا کو چھین لیا، اس سے گھر گرستی کو چھین لیا، بیوی ہونے کا جو ایک امتیاز تھا وہ امتیاز اس سے چھین لیا، گھروں سے نکال کر اس کو دفتروں میں بٹھا دیا، بازاروں میں بٹھا دیا، عیاشی کے اڈوں میں بٹھا دیا، ایک ایک عورت کی عزت و ناموس سے دس دس مرد ایک ایک دن میں کھیلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت کو آزادی دے دی۔ کیا یہ آزادی عورت کے لیے؟ آزادی تو وہ ہے جو چودہ سو سال قبل میرے آقا

ﷺ نے عطا کی تھی بیٹیوں کو آزادی، بیویوں کو آزادی عطا کی اور مغرب کے فریبیوں نے بے پردگی کا نام آزادی رکھ دیا، عریانیت کا نام آزادی رکھ دیا، فحاشی کا نام آزادی رکھ دیا اور میں آپ کو ایک عجیب بات بتاؤں ہماری کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ لونڈی کے لیے وہ پردہ نہیں ہے جو آزاد عورت کے لیے ہے، گویا کہ پردہ آزادی کی علامت ہے، بے پردگی یہ غلامی کی علامت ہے، انہوں نے عورت کو آزاد نہیں کیا اپنا غلام بنالیا ہے ہم کہتے ہیں کہ عورت صرف اللہ کی غلام ہے اللہ کے رسول ﷺ کی غلام ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی غلام نہ بنے بلکہ ادھر تو آزاد ہو ہماری لونڈی اور غلام بن جائے ہم جیسے چاہیں اسے استعمال کریں۔

میڈیا کی شرارت

تو عرض کر رہا تھا کہ میڈیا پر وہ لوگ چھائے ہوئے ہیں جو حق کو باطل، باطل کو حق، ظالم کو مظلوم، مظلوم کو ظالم بنا کر پیش کرتے ہیں، کم وبیش ۶۰ سال ہوئے ہیں اسرائیل یہودی و نصاریٰ کا بچہ فلسطینیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب آپ کسی نہ کسی فلسطینی بچے مرد و عورت یا کہ جوان کا جنازہ اٹھتے نہ دیکھتے ہوں لیکن میڈیا کے ذریعہ سے باور کرایا جاتا ہے کہ اسرائیلی امن پسند اور فلسطینی دہشت گرد ہیں۔ جن کے ہاتھ خون سے رنگین وہ امن پسند ہیں اور اپنے گھروں میں سے روزانہ لاشیں اٹھا رہے ہیں اور ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کر رہے ہیں وہ دہشت گرد! آپ اندازہ کیجئے پوری دنیا میں امریکہ دہشت گردی پھیلا رہا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور یہ دعویٰ کوئی خطیبانہ بھڑک نہیں ہے

حقائق کی بناء پر دعویٰ کرتا ہوں دنیا میں کہیں بھی دہشت گردی ہو رہی ہے اور خون بہہ رہا ہے آپ کو اس کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ دکھائی دے گا دنیا کا کوئی ایسا خطہ بتادیں جہاں اس کی شرارت نہ ہو وہشت گردی کرے امریکہ، لاکھوں افغانیوں کو مار دے امریکہ، لاکھوں عراقی بچوں کو بلکتا اور تڑپتا ہوا مار دے امریکہ اور گوانتاناموبے جیسی بدنام جیلیں سجائے امریکہ اور وحشیانہ ستم ڈھائے امریکہ لیکن دہشت گرد کون ہے؟ مسلمان! خون بھی مسلمان کا بہے، گھر بھی مسلمانوں کے اُجڑیں، بستیاں بھی مسلمانوں کی مسمار ہوں اور شہر بھی ان کے تباہ ہوں، معیشت بھی ان کی ختم ہو، تجارت بھی ان کی ختم ہو، لیکن دہشت گرد مسلمان! لوٹ کر لے گئے سارے وسائل پیٹرول، معدنی وسائل یہود و نصاریٰ مگر دہشت گرد کون ہے؟ مسلمان! اللہ اکبر! عرض کر رہا تھا کہ میڈیا اس وقت نفسیات پر، اخلاق پر، معیشت پر، سیاست پر، زندگی کے ہر شعبے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہو رہا ہے، لیکن دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ میڈیا کا مثبت کردار بہت کم ہے اور یہ شکوہ غیر مسلموں سے نہیں یہودیوں سے نہیں، عیسائیوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان ممالک میں جو مسلمان میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں اکثر و بیشتر غیر مسلموں کی پالیسی پر کاربند رہ کر کام کر رہے ہیں اسی پر عمل پیرا ہو رہے ہیں سب سے زیادہ جرائم کو فروغ دینے میں حصہ میڈیا کا ہے۔ فحاشی اور عریانی کو پھیلانے میں حصہ میڈیا کا ہے۔

میڈیا کے منفی کردار کی انتہاء

اب تو حد ہوگئی کہ میڈیا کے ذریعہ چودہ سو سال بعد عوام کے سامنے اسلام کا

دوسرا تیسرا چوتھا ایڈیشن پیش کیا جارہا ہے کہ وہ اسلام اور اسلام کی وہ تشریحات جو ۱۴۰۰ سال تک علماء کرتے رہے وہ ناکارہ ہیں اور آج ہم جو تشریحات کررہے ہیں یہ صحیح ہیں اسی میڈیا کے ذریعہ سے ٹوپی کا مذاق، پگڑی کا مذاق، ڈاڑھی کا مذاق، نبی ﷺ کی سنتوں کا مذاق، پردے کا مذاق کون کون سا اسلامی رکن ہے جس کا مذاق آج میڈیا نہیں اڑارہا، مثبت کردار بہت کم منفی کردار زیادہ ہے جیسا کہ پچھلے درس میں بھی بات ہوچکی کہ اس فلم میں موسیقی کا جواز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا، اس کے لیے تورات کو بھی بگاڑا گیا، زبور کو بھی بگاڑا گیا، احادیث کو بھی بگاڑا گیا ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا کیا چیز ثابت کرنے کے لیے؟ موسیقی کا جواز لیکن کیا واقعی آج امت مسلمہ اور پاکستانیوں کا سب سے بڑا مسئلہ موسیقی ہی ہے کہ اگر یہ جائز ہوجائے تو سارے مسائل حل ہوجائیں گے؟ رشوت کا ناسور ہے، کوئی کام رشوت اور سفارش کے بغیر نہیں ہوتا ہر طرف ظلم وستم ہے لیکن کوئی ایسا پروگرام ظالم اور ظالموں کے خلاف بنایا گیا ہے اور پھر اس کی اس طریقہ سے تشہیر کی گئی جس طرح اس فلم کی کی گئی؟ آپ کو اس کی کوئی مثال پاکستان کی تاریخ میں دکھائی نہیں دے گی۔ تو ہمارے میڈیا کا زیادہ تر کردار منفی ہے مثبت نہیں ہے، بگاڑنے میں زیادہ حصہ ہے بجائے اصلاح کے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑ دیا، کردار کو بگاڑ دیا، کئی مجرم، ڈاکو اور قاتل پکڑے جاتے ہیں جو اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے اس ڈاکہ سے قبل فلاں فلم دیکھی تھی اور اس سے آئیڈیا لیا تھا کہ کس طریقہ سے یہ واردات کی جائے؟ تو جرائم کے پھیلانے میں زیادہ کردار اسی میڈیا کا ہے۔

میڈیا میں ہمارا کردار

اور یہاں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں، متوجہ کرنا چاہتا ہوں جہاں ہم یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میڈیا پر غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں اور بالخصوص یہودی چھائے ہوئے ہیں اور وہ حقائق کو بدل کر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں باطل کو حق اور حق کو باطل بنا کر پیش کرتے ہیں تو یہاں میڈیا میں ہمارا کیا کردار ہے؟ یعنی جو اصلاح چاہتے ہیں، جو دین کے وفادار ہیں، دین کے مخلص ہیں ان کا میڈیا میں کتنا عمل دخل ہے؟ کتنا حصہ ہے؟ اگر آپ حقائق کی روشنی میں جائزہ لیں گے تو آپ کو مایوسی ہوگی کہ ہمارا اس میں کچھ بھی حصہ نہیں الیکٹرونک میڈیا کی بات بعد میں ہوگی اس کے جواز عدم جواز کو چھوڑیں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے ان شاء اللہ اس کے حوالہ سے بھی میں مدلل گفتگو کروں گا میں اس سے قبل یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ جو میڈیا جائز ہے اس میں ہمارا کیا کردار ہے؟ آپ اخبار کو تو جائز کہتے ہیں؟ بتایئے کتنے اخبار ہیں مسلمانوں کے جو خالص اسلامی نقطہ نظر کے حامی اور جو اسلامی عقائد اور نظریات پر کسی قسم کے سمجھوتے کے لیے تیار نہ ہوں؟ کتنے صحافی ہیں ہمارے پاس؟ کتنے اخبار ہیں ہمارے پاس؟ ٹی وی ناجائز ہے تو ریڈیو تو جائز ہے لیکن آپ بتائیں کہ کتنے ریڈیو اسٹیشن ہیں ہمارے پورے پاکستان میں؟ ایسا ریڈیو اسٹیشن جو خالص قرآن کی تعلیمات پیش کرنے کے لیے ہو ایک بھی نہیں ہے

شرم کا مقام

اور آپ کو شرم آئے گی یہ سن کر اور شرم آنی چاہیے کہ بعض مغربی ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں انہوں نے اپنے ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کی کوشش کی۔

جنوبی افریقہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ۱۰ فیصد ہیں پہلے کہتے تھے پانچ فیصد ہیں اب کچھ آبادی میں اضافہ ہوا ہوگا لیکن ان کے پاس معیاری ریڈیو اسٹیشن ہے جس کے ذریعہ وہ خبریں، حالاتِ حاضرہ، مسلمانوں کے اجتماعات کے اعلانات اور اسلامی پروگرام اور سوالات کے جوابات اور قرآن وحدیث کے درس نشر کرتے ہیں تو ریڈیو تو جائز ہے یہاں پر ہمارا کیا کردار ہے؟ ہم پروپیگنڈہ کا کیسے مقابلہ کرسکتے ہیں؟ آپ بی بی سی کو لیجئے، سالہا سال ہوگئے ہم میں بہت سے لوگوں کا مکمل اعتبار بی بی سی پر ہے، وہ اس کی خبروں کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں کہ یہ سچ بولتے ہیں حالانکہ وہ سچ کے پردے میں بہت سارا جھوٹ بھی بولتے ہیں اور ہمارے جو سرکاری ریڈیو اسٹیشن ہیں اور ٹی وی چینل ہیں وہاں تو شاید ہی سچ بولا جاتا ہو، جو برسرِ اقتدار ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ریڈیو پر سوائے میری آواز کے اور کوئی آواز نہ ہونی چاہیے اور ٹی وی پر سوائے میری تصویر کے اور کوئی تصویر نہیں آنی چاہیے۔ ٹی وی سے حکمران کی اور لیڈر صاحب کی تصویر اس دن غائب ہوتی ہے جب وہ اقتدار محروم ہوتے ہیں۔

میڈیا پر غیروں کا تسلط اور ہماری سستی

آج جبکہ بظاہر لوگوں کی نظر میں ریڈیو کی اہمیت کم ہوگئی ٹی وی کا رجحان زیادہ ہوگیا، آج بھی بی بی سی نے اپنی اہمیت کو ختم نہیں ہونے دیا ہمارے کتنے ہی اخبار ہیں جو ان سے خبریں لیتے ہیں، ان کے حوالہ سے خبریں نشر کرتے ہیں ان کے پروگرام، ان کے تجزیے، ان کے تبصرے، ان کے انٹرویو نشر کرتے ہیں اس لیے کہ مجبور ہیں، انہوں نے اپنا معیار بنا رکھا ہے۔ آپ بتائیے ہماری انٹرنیٹ پر کیا کارکردگی ہے؟ کم

از کم اس کو تو جائز کہا جاتا ہے یعنی اس کا ایک جائز استعمال بھی ہے اور ناجائز بھی ہے میں ناجائز کی بات نہیں کر رہا کہ انٹرنیٹ پر آنے والی ہر الابلا جائز ہے، آج انٹرنیٹ تو ٹی وی سے بھی زیادہ خطرناک ہے جتنی فحاشی انٹرنیٹ پر ہے اتنی ٹی وی پر بھی نہیں لیکن اس کے استعمال کا ایسا طریقہ بھی ہے جسے سب علماء جائز کہتے ہیں لیکن ہمیں بتایئے کہ انٹرنیٹ پر ہماری کیا کارکردگی ہے؟ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ امریکہ میں عیسائیوں کی دو لاکھ مذہبی ویب سائٹس ہیں، جن کے ذریعہ وہ عیسائیت کی تبلیغ کر سکتے ہیں ہمارے ہاں چند ہزار ویب سائٹ ہیں اور ان میں سے بھی اکثر کا معیار اور کارکردگی ناقابل ذکر ہے، رسمی طور پر بہت سے لوگوں نے اپنی ویب سائٹس بنائی ہوئی ہیں لیکن کارکردگی کچھ بھی نہیں، معیار کچھ بھی نہیں، ایسا معیار جو دوسروں کو متاثر کر سکے، کوئی پیغام دے سکے، کوئی تازہ مضمون ان کے سامنے پیش کر سکے ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، بس رسمی طور پر ویب سائٹ بنالی گئی ہے چندہ مانگنے کے لیے اور ایسی ویب سائٹ بھی ہیں جو مذہب کے نام پر بنائی گئی ہیں، لیکن وہ بگاڑنے کا کام کر رہی ہیں ہر بار مذہب کا دوسرا تیسرا ایڈیشن پیش کرتے ہیں وہ ایڈیشن نہیں جو چودہ سال قبل نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

’’درسِ قرآن ڈاٹ کام‘‘ کی بے مثال قابلِ فخر پیشکش

ہم چھوٹی سی مثال آپ کو دیتے ہیں کہ اس کے ذریعہ بھی کتنا کام کیا جا سکتا ہے الحمد للہ ہمارا جو مدنی مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، تقریباً ساڑھے چار سال قبل ایک مخلص ساتھی نے ویب سائٹ بنائی ’’درس قرآن ڈاٹ کام‘‘

(www.darsequran.com) کے نام سے، آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آج اس ویب سائٹ کا یہ حال ہے کہ دنیا کے پچاس ممالک سے کم از کم روزانہ ۳۰ سے ۴۰ ہزار افراد اس میں درس قرآن، علماء کے بیانات اور مواعظ سننے کے لیے اور مسائل سیکھنے اور پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ اس کا انہوں نے ایک معیار بنایا ہے اور وہ معیار متاثر کن ہے اس کی بناء پر لوگ آتے ہیں اور اگر اسی طریقہ سے کچھ اور لوگ بھی کوشش کریں تو کہاں تک اپنے پیغام کو نہیں پہنچایا جا سکتا۔

ایک نوجوان کا جھنجھوڑنا

ہمارے پاس بعض اوقات دنیا کے ایسے ممالک سے ای میل اور فون آتے ہیں کہ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں وہاں پہنچ کر قرآن سنا سکوں گا مثلاً ایک نوجوان نے مجھے فون کیا اور وہ آج تک مجھے فون پر جھنجھوڑتا رہتا ہے اور میں وہ سنا کر بعض اوقات جھنجھوڑنے کی کوشش کرتا ہوں اس نوجوان نے چین سے فون کیا، کوئی اردو دان تھا پاکستان یا ہندوستان کا رہنے والا ہوگا، اس نے کہا کہ یہاں میں آپ کا درس سنتا ہوں اس سے تعارف ہوا تو اس نے کہا کہ یہاں ایک خاتون ہے جس سے میں نے انگلش زبان سیکھی اور کچھ مضامین پڑھے اب وہ خاتون مجھ سے یہ کہتی ہے کہ مجھے اسلام پڑھاؤ قرآن پڑھاؤ اور اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرو، وہ نوجوان کہہ رہا تھا کہ مولوی صاحب! میں خود اسلام نہیں جانتا اسے کیسے بتاؤں؟ اور میں خود اسلام نہیں سمجھتا اسے کیسے سمجھاؤں؟ یقین کریں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ یا اللہ! ان اہل کتاب کے پاس جو کچھ ہے اچھائی ہے یا کہ برائی وہ ہمیں دے دی لیکن ہمارے پاس جو نیکی اور فلاح کا سرچشمہ ہے وہ

ہم ان کو دینے کے قابل نہیں رہے ہمارے جوانوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان کو اچھائی کے اس سرچشمے سے متعارف کرا سکیں اور قرآن کا نور ان کی طرف منتقل کر سکیں اسلام کی حقیقت ان کو سمجھا سکیں، ہمارے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے ہم میں سے کتنے ہیں جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے، لیکن اللہ کے دین پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں کل ہی دو ساتھی ملنے کے لیے آئے تو حیران رہ گیا، ہماری سمجھ میں تو یہ باتیں آتی ہی نہیں، میں نام نہیں لیتا میڈیا کا سب سے بڑا نام ہے انہوں نے کہا کہ میں ان ایڈیٹر صاحب کے گھر گیا ان کے گھر میں بچوں کو پڑھانے کے حوالہ سے آنا جانا ہے۔ ان کے شوہر کہتے ہیں کہ میری بیگم کو ذرا سمجھائیں یہ بہت فضول خرچی کرتی ہے۔ ۲۰ لاکھ روپے کی تو صرف شالیں خرید کر لائی ہے۔ اللہ اکبر! ہمارے جیسوں کو تو سمجھ نہیں آتا کہ یہ بیس لاکھ کی شالیں کیا ہوں گی اور وہ کہہ رہے ہیں کہ مولوی صاحب اس کو سمجھائیں اس نے فضول خرچی شروع کر دی ہے بے تحاشہ دولت آرہی ہے لیکن سمجھ نہیں آرہا کہ اللہ کے دین کے لیے ایک پیسہ نہیں

اللہ کے لئے میرے مددگار کون ہیں؟

میں کبھی کبھی کہتا ہوں اور آپ کو کہہ رہا ہوں اور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ موضوع یہاں تک پہنچا ہے تو میں قرآن کریم کی وہ آیتِ کریمہ پڑھتا ہوں جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا تھا؛

مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ

کون ہیں اللہ کے لئے میرے مددگار؟ اللہ کے دین کے لئے میری مدد کرنے

والے؟ کون ہیں میرا ساتھ دینے والے؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آج ہم سے یہ سوال ہو رہا ہے ایسا لگتا ہے کہ قرآن سے آواز آرہی ہے؛ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللہِ اور ایسا لگتا ہے کہ مدینہ منورہ سے ہمارے نبی ﷺ کے روضے سے یہ آواز آرہی ہے مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللہِ میں نے تو اپنے دین کے لیے اللہ کے دین کے لیے سب کچھ قربان کر دیا ارے تم نے کیا کیا؟ میرا نام لینے والو! کلمہ پڑھنے والو! کون ہے آج بے کسی کے دور میں کون ہے میری مدد کرنے والا؟ آپ بتائیے آپ نے انگریزی زبان میں کتنی کتابیں چھاپیں؟ آپ نے فرانسیسی زبان میں کتنی کتابیں چھاپیں؟ کتنے پروگرام پیش کیے؟ جن سے سچائی کی راہ متعین ہوتی ہو دنیا سچائی کی متلاشی ہے اب دنیا جھوٹ سے تنگ آچکی ہے اتنا جھوٹ بولا گیا اتنا جھوٹ بولا گیا کہ اب تنگ آچکے ہیں اور حقائق کی تلاش میں ہیں۔ مسلسل کہا گیا محمد ﷺ دہشت گرد ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اور سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دہشت گرد ہیں۔ قرآن دہشت گردی کی کتاب ہے اتنا پروپیگنڈہ کیا گیا، آج وہ خود سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ دیکھیں تو سہی کہ ہے کیا؟ محمد ﷺ کی سیرت میں کیا ہے اور قرآن کے اوراق میں کیا ہے؟ دنیا سچائی کی تلاش میں ہے لیکن کیا ہم نے دنیا کو بتایا کہ سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے اور افسانہ کیا ہے؟

منظم اور مسلسل کوشش کی ضرورت

اگر ہمارے اندر سچ بولنے کا حوصلہ ہے تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم نے پوری دنیا میں اسلام اور سچائی کا پیغام پہنچانے کی سنجیدہ، منظم اور مسلسل کوشش نہیں

کی، حیرت کی بات ہے کہ جتنی منظم کوشش باطل کی اشاعت کے لیے ہو رہی ہے اتنی منظم کوشش حق کی اشاعت کے لیے نہیں ہو رہی۔

ممکن ہے بعض حضرات کے ذہن میں تبلیغی جماعت کا نام آئے کہ وہ تو پوری دنیا میں جا رہی ہے، میں نہ تو تبلیغی جماعت کی اہمیت سے انکار کرتا ہوں اور نہ ہی ان کی کوششوں کا انکار کرتا ہوں مگر امید ہے کہ آپ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کریں گے کہ تبلیغی جماعت میں نکلنے والوں کا اصل مقصد اپنی ذات کی اصلاح ہوتا ہے، ان میں سے اکثر کا علم بہت محدود ہوتا ہے، نہ وہ قرآن کے معانی اور مطالب سے واقف ہوتے ہیں نہ احادیث پر ان کی نظر ہوتی ہے، نہ فقہ کے مسائل میں انہیں مہارت ہوتی ہے اور نہ ہی دوسرے مذاہب اور نظریات کا انہوں نے مطالعہ کیا ہوتا ہے اسی لیے وہ اپنے بیانات کو چھ نمبروں تک محدود رکھتے ہیں اور ان سے باہر نکلنے کو حد سے تجاوز سمجھتے ہیں۔

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ اتنا محدود سا علم رکھنے والے ہمارے مخلص (۔۔۔۔؟) بھائی کیا واقعی پوری دنیا کے انسانوں کو متاثر کرنے اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ جبکہ اہل باطل نے جن لوگوں کو میدان میں اتار رکھا ہے انہیں انسانی نفسیات، مختلف نظریات، تاریخ عالم اور متعدد زبانوں پر عبور ہوتا ہے اور وہ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے جدید سے جدید تر ذرائع بھی اختیار کرتے ہیں، کیا اخبار اور کیا رسائل، کیا ریڈیو اور کیا ٹی وی، کیا موبائل اور کیا انٹرنیٹ سبھی کو وہ استعمال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کا پیغام ہمارے گھروں بلکہ ہمارے دینی مراکز تک جا پہنچا ہے۔

مقابلہ کیسے؟

گزشتہ دنوں مجھے باری تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی وہاں مکہ المکرمہ میں مدرسہ صولتیہ ہمارے بزرگوں کی یادگار ہے، اس مدرسہ کے ایک استاذِ حدیث اور ماہر عالم نے ہمیں بتایا کہ قادیانیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے جو عربی چینل شروع کر رکھے ہیں وہ چوبیس گھنٹے حرمین شریفین میں بھی دیکھے جا رہے ہیں، فلسطین، مصر، شام اور دوسرے عرب ملکوں سے تعلق رکھنے والے مبلغین ان پر آتے ہیں اور انتہائی فصیح عربی میں قادیانیت کا پرچار کرتے ہیں، جس وقت وہ مجھے یہ بتارہے تھے اس وقت بھی عربی لباس میں ملبوس ایک فلسطینی نوجوان مرزا غلام احمد کی صداقت پر دلائل دے رہا تھا اور ہماری طرف سے وارد ہونے والے اشکالات کے نہ صرف جوابات دے رہا تھا بلکہ اپنے خیال میں علماء کے علمی اور عملی تضادات، ان کے کردار، اخلاق اور عمومی رویے کے بارے میں ایسے ایسے اعتراضات کررہا تھا جس سے عام آدمی کا متاثر ہونا یقینی تھا، ظاہر ہے جب ایک خالص عرب، عربی لباس میں، عربی اسلوب میں قرآن اور حدیث کے حوالہ دے کر ان کی تفسیر اور تشریح اپنے ذہن کے مطابق کرے گا تو اس فتنے کی حشر سامانیوں سے پوری طرح واقفیت نہ رکھنے والے عرب متاثر تو ہوں گے۔

ہم نے ان عالم صاحب سے پوچھا کہ حضرت! اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مولانا؟ ٹینکوں اور توپوں کا مقابلہ ٹینکوں اور توپوں سے ہوسکتا ہے غلیل اور ڈنڈے سے نہیں، جنگی جہاز کا مقابلہ اس جیسے جنگی جہاز ہی سے

ہوسکتا ہے، گدھا گاڑی اور موٹر سائیکل سے نہیں، چینل کا مقابلہ بھی چینل سے ہوسکتا ہے، کتاب اور رسالے سے نہیں، اوّل تو اس موضوع پر ہر زبان میں ہمارا لٹریچر موجود نہیں اور اگر ہے بھی تو ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب نہیں، گویا جن گھروں تک قادیانیت کا پیغام پہنچ چکا ہے ان گھروں تک ہمارا پیغام نہیں پہنچا، وہ تو ہمارے ایمانی اور روحانی مرکز تک پہنچ گئے مگر ہم ان کے مرکز تک نہیں پہنچ سکے۔

مقابلے کی تیاری

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ

ہمیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو کچھ ہمارے بس میں ہے، اگر کوئی سر پھرا یہ کہے کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ دشمن کے ساتھ جنگ میں توپ، جہاز، راکٹ اور بم استعمال نہیں کرتے تھے اس لیے ہم بھی یہ جدید اسلحہ استعمال نہیں کریں گے بلکہ ہم تو تلواروں، تیروں اور نیزوں سے جنگ کریں گے، اگر اللہ کو منظور ہوا تو وہ ان پرانے ہتھیاروں سے بھی ہمیں فتح دے دے گا، تو آپ بتائیے کہ آپ کو ایسے شخص کے دماغی توازن پر شک نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا اس لیے کہ ہمارا اللہ جو ہمارے مستقبل کے بارے میں خوب جانتا ہے اس نے آج سے صدیوں پہلے فرما دیا تھا کہ مقابلے کی تیاری کے لیے جو

کچھ کر سکتے ہو کرو، اس میں کوتاہی ہرگز نہ کرو۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی سادہ بندہ اسے توکّل سمجھتا ہو اور اس کا خیال ہو کہ ہم مٹی کا ڈھیلا بھی پھینک دیں گے تو وہ ایٹم بم بن جائے گا، تو میرے بھائیو! توکّل کا مفہوم یہ نہیں کہ اسباب ترک کر دیے جائیں، توکّل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

جیسے آج کل میدان جنگ میں تیر اور تلوار سے کام نہیں چل سکتا اسی طرح دعوت اور اشاعت کے میدان میں بھی صرف اپنے مریدوں کے حلقے میں بیٹھ کر دعوت کا حق ادا نہیں ہو سکتا، اس کے لیے ہمیں ابلاغ کے سارے ذرائع اختیار کرنے ہوں گے اور ٹی وی آج کے دور کا سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ ہے۔

کیا یہ لہو ولعب کا آلہ ہے؟

مجھے بڑی حیرت ہوئی جب میں نے گزشتہ دنوں ایک صاحب کا رسالہ پڑھا جو انہوں نے ٹی وی پر درس قرآن کے خلاف لکھا تھا اس میں انہوں نے لکھا کہ ٹی وی کو صرف لہو ولعب کے لیے وضع کیا گیا ہے، لہو ولعب کے علاوہ اس کا کوئی مقصد ہی نہیں، حیرت ہوئی کہ ایک سمجھدار انسان ایسی کمزور سی بات کیسے لکھ سکتا ہے؟ اللہ کے بندے! ٹی وی کو لہو ولعب کے لیے نہیں ابلاغ کے لیے ایجاد کیا گیا ہے اس کے ذریعے خیر کا ابلاغ بھی ہو سکتا ہے اور شر کا ابلاغ بھی ہو سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ آج کل اس کا زیادہ تر استعمال کھیل تماشے، ناچ گانا اور رقص وسرور کے لیے ہو رہا ہے اس لیے کہ یہ آلہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان لغویات کے علاوہ کچھ جانتے ہی نہیں، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کلاشنکوف کافر کے ہاتھ میں ہو وہ

اس سے مسلمان کا سینہ ہی چھلنی کرے گا، اس کے ذریعہ وہ دین اسلام کے لیے جہاد تو نہیں کرے گا۔

اگر آپ ٹی وی کو صرف اس لیے لہو ولعب کا آلہ کہتے ہیں کہ اس کا استعمال کھیل تماشے کے لیے ہو رہا ہے اور اسے دین کی دعوت کے لیے ایجاد نہیں کیا گیا تھا تو آپ مجھے بتایئے کہ کیا اخبار، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور کمپیوٹر کو دعوت دین کے لیے ایجاد کیا گیا تھا؟ اور کیا ان ساری چیزوں کو برائی الحاد اور دین دشمنی کے لیے استعمال نہیں کیا جا رہا؟ اور اگر استعمال کیا جا رہا ہے تو کیا ہمیں ان ساری چیزوں کا بائیکاٹ کر دینا چاہیے؟ ایک محترمہ جو ہمارے درس میں آتی ہیں اور ایک مشہور پیر صاحب سے ان کا اصلاح تعلق ہے، انہوں نے مجھے ٹی وی پر درسِ قرآن کے بارے میں بڑا سخت خط لکھا کہنے لگیں کہ مولوی صاحب! مجھے بتایئے کہ جس نالے میں گندا پانی بہہ رہا ہو اگر اس میں دودھ چھوڑ دیا جائے تو کیا ہم دودھ پی لیں گے؟

کیا یہ حقیقت نہیں؟

میں نے انہیں جواب دیا کہ محترمہ! کیا یہ حقیقت نہیں کہ ریڈیو سے فحش گانے نشر ہوتے ہیں، کمپیوٹر اور خصوصاً انٹرنیٹ پر دنیا کا غلیظ ترین مواد دیکھا جا سکتا ہے، ٹیپ ریکارڈر سے بیہودہ پروگرام سنے جا سکتے ہیں، کیا ریڈیو، کمپیوٹر اور ٹیپ ریکارڈ میں درس سننا اور دینا بھی ایسے ہے جیسے گٹر میں دودھ بہانا، اگر نہیں تو کیوں؟

موبائل ہر شخص کی ضرورت بن چکا ہے مگر دوسری طرف صورت یہ ہے کہ موبائل میں مختلف قسم کے گیم ہیں جو انسان کا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، موبائل

کے ذریعہ اغوا ہوتے ہیں، ڈاکے پڑتے ہیں، غلط تعلقات قائم کیے جاتے ہیں، اس میں غلیظ قسم کا میوزک ہے، اس میں ریڈیو ہے، گانے ہیں، اب اس میں ٹی وی بھی آ گیا ہے، یقیناً آگے چل کر اس میں تصویر بھی آجائے گی، مجھے بتائیے کیا ان ساری قباحتوں کے باوجود ہر نیک اور بد، عالم اور جاہل موبائل استعمال نہیں کر رہا؟ اگر اس میں ٹی وی چینل آ گیا، تو کیا واقعی سارے علماء اور صلحاء اسے چوراہے کے بیچ رکھ کر نذرِ آتش کر دیں گے اور اس کے استعمال کو قطعی حرام اور اسے نجس العین قرار دے دیں گے؟

یقین کریں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ علماءِ حق یہی فتویٰ دیں گے کہ اس میں جو کچھ گندگی موجود ہے ہم اس سے بچ کر اسے جائز اور نیک مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ اخبارات میں انتہائی فحش مواد یہاں تک کہ ننگی تصویریں بھی شائع ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے بقول اس گٹر کے ذریعے دین کی تعلیم اور تبلیغ کو جائز سمجھا جا رہا ہے اور مستند مفتی حضرات اخبارات میں دینی مسائل کے جوابات دیتے ہیں یہ بھی بتائیے کہ کون سا بڑا مدرسہ، ادارہ، اسلامی رسالہ اور اخبار ایسا ہے جہاں انٹرنیٹ کی سہولت نہیں، جن علماء مفتیانِ کرام اور دیندار حضرات نے انٹرنیٹ کی سہولت حاصل کر رکھی ہے، ان کا خیال ہے کہ ہم اسی ''گٹر'' میں موجود گندگی سے بچ کر اسے جائز مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، تو کیا ٹی وی کے بارے میں بھی یہی احتیاط نہیں کی جا سکتی؟

ٹی وی پر درسِ قرآن کی صورت میں آپ کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا

ہے کہ اس طرح علماء کا درس سننے کے لیے مذہبی لوگ بھی ٹی وی گھروں میں لے آئیں گے، پھر وہ صرف درس اور بیان ہی نہیں سنیں گے اور بھی بہت کچھ دیکھیں گے اور سنیں گے!

اوّل تو آپ کا یہ اشکال ہی بے بنیاد ہے کہ صرف علماء کے بیانات سننے کے لیے ٹی وی خریدے جائیں گے کیونکہ محتاط علماء جواز کے فتویٰ کے باوجود گھر میں ٹی وی رکھنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ ہر وقت بچوں کی نگرانی نہیں ہوسکتی، ممکن ہے وہ والدین سے چھپ چھپا کر غلط قسم کے پروگرام بھی دیکھتے رہیں۔

دوسرا جواب میں وہی دینا چاہوں گا جو پہلے بھی اشارۃً دے چکا ہوں کہ جو اشکال آپ کو ٹی وی کی صورت میں ہے وہی اشکال کمپیوٹر کی صورت میں بھی ہے کہ جو علماءِ کرام انٹرنیٹ کے ذریعے سوالات کے جوابات دیتے ہیں یا اپنے بیانات پوری دنیا میں نشر کرتے ہیں وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے بیانات سے استفادہ کے لیے وہ لوگ بھی اپنے گھروں میں کمپیوٹر رکھ لیں گے جن کے گھروں میں پہلے کمپیوٹر نہیں تھے، پھر وہ صرف ہمارے بیانات ہی نہیں سنیں گے کچھ اور بھی سن سکتے ہیں۔

اگر کسی چیز کے حرام اور ناجائز ہونے کے لیے یہی اصول ہے کہ جس چیز کو غلط مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہو اس کا استعمال ناجائز ہے تو پھر بے شمار چیزوں سے ہمیں دستبردار ہونا پڑے گا۔

کیا ٹی وی کی حرمت پر اتفاق ہے؟

بعض حضرات ٹی وی کے مسئلے کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں گویا کہ اس کی حرمت پر پوری دنیا کے علماء کا اتفاق ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں پہلی بات تو یہ ذہن

میں رکھیں کہ تصویر کے بارے میں بھی ابتداء ہی سے اختلاف رہا ہے، بعض مالکیہ کے نزدیک صرف مجسمہ حرام ہے، عام تصویر جس کا اپنا کوئی جسم نہ ہو وہ حرام نہیں ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ صرف وہ تصویر حرام ہے جو پرستش کے لیے بنائی گئی ہو اور جسے اس مقصد کے لیے نہ بنایا گیا ہو وہ حرام نہیں ہے۔

کچھ حضرات ڈیجیٹل کیمرے اور ہاتھ سے بنائی گئی تصویر میں فرق کرتے ہیں۔

ان مختلف اقوال کی بناء پر ہمارے بعض محقق علماء کی رائے ابتداء ہی سے یہ رہی ہے کہ ٹی وی کو مطلقاً حرام کہنا صحیح نہیں، ان علماء میں سے سب سے نمایاں نام حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے قریبی عزیز اور پاکستان کی عظیم اور قدیم درس گاہ جامعہ اشرفیہ کے مفتی مولانا جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کا ہے، ان کی رائے مجھے سب سے زیادہ پسند آئی وہ شروع ہی سے اس بات کے قائل تھے کہ جو چیز ٹی وی سے باہر دیکھنا ناجائز ہے وہ یہاں بھی ناجائز اور جو باہر جائز وہ یہاں بھی جائز، مثلاً مرد کا مرد کو دیکھنا جائز ہے مگر مرد کا نامحرم عورت کو دیکھنا ناجائز اسی طرح ٹی وی سے باہر ستر کا کھولنا جائز نہیں تو ٹی وی میں بھی جائز نہیں۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ سے جب ٹی وی پر علماء کے آنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے وضاحت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بعض آلات تو آلاتِ لہو ولعب ہیں صرف اسی لیے وضع کیے گئے ہیں اس کے سوا کوئی نیک کام ان سے نہیں ہوسکتا، ان کا استعمال ہر طرح گناہ ہے اس لیے ان کا رکھنا، خرید و

فروخت کرنا اور ان کی مرمت کرنا سب گناہ ہیں، جیسے ہارمونیم، طبلہ، سارنگی، ستار اور باجے، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا خیر کے لیے استعمال کرنا خیر کی توہین ہے۔

اور بعض آلات وہ ہیں جو صرف ایک بات کو دوسرے تک پہنچانے والے ہیں خواہ یہ بات خیر ہو یا شر، تو انہیں خیر میں ہی استعمال کرنا جائز اور شر میں استعمال کرنا گناہ ہے، چونکہ انہیں خیر میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اس لیے ان کی خرید و خروت کرنا، مرمت کرنا اور اس شرط کے ساتھ گھر میں رکھنا بھی جائز ہے کہ انہیں شر کے لیے استعمال نہ کیا جائے، اس قسم کے آلات پر تقریریں، تلاوتیں، خبریں اور جائز باتیں سننا جائز ہے، جب تک ان آلات کو جائز امور میں استعمال کیا جائے ان کا استعمال کرنا جائز ہوگا اور جب انہیں ناجائز امور میں استعمال کیا جائے تو ان کا رکھنا گناہ ہوگا۔

جمعیت علماءِ ہند کا اجتماع

یہ صرف مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کی رائے نہیں تھی بلکہ متعدد دوسرے علماء نے بھی بالآخر ان ہی کی رائے کو پسند فرمایا۔

۲۰۰۵ء میں ''ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کا دینی مقاصد کے لیے استعمال'' کے موضوع پر سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ کے شہر بنگلور میں واقع دارالعلوم شاہ ولی اللہ میں ادارہ مباحثِ فقہیہ جمعیت علماءِ ہند کے زیر اہتمام پورے ہندوستان کی سطح پر اجتماع ہوا تھا اس اجتماع میں پورے ملک سے ۱۵۰ سے زائد اصحابِ افتاء، اربابِ علم و دانش اور علماءِ کرام نے شرکت کی، پہلی نشست میں کرناٹک، تامل

ناڈو اور آندھرا پردیش سے ایک ہزار سے زائد منتخب علماء مفتیانِ کرام اور موقر افراد شریک ہوئے۔

اس اجتماع میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا مفتی عبداللہ معروفی نے کہا کہ ٹیلی ویژن پر جو صورت نظر آتی ہے وہ تصویر کے حکم میں نہیں بلکہ وہ عکس ہے، لہٰذا اس پر تصویر کی حرمت والی روایتوں سے استدلال نہیں ہوگا، انہوں نے تصویر اور اس کے متعلقہ پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انٹرنیٹ کا جائز مقاصد کے لیے استعمال بالکل صحیح ہے۔

ٹیلی ویژن کے استعمال کی دو نوعیتیں

رہا ٹیلی ویژن کا معاملہ تو اس کے استعمال کی دو نوعیتیں ہیں:

۱۔ دینی معلومات حاصل کرنے کے لیے اس کا استعمال۔

۲۔ دینی معلومات فراہم کرنا، مثلاً اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پائے جانے والے شبہات کو دور کرنا، اس سلسلے میں غلط فہمیوں کو دور کرنا اور ضروری اسلامی تعلیمات کے بارے میں بتانا۔

مولانا معروفی نے دوسری صورت (یعنی ضروری معلومات فراہم کرنے کے لیے) ٹیلی وژن کو جائز قرار دیا جبکہ پہلی صورت کے بارے میں بتایا کہ متبادل ذرائع معلومات دستیاب ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے مفاسد کی ترسیل زیادہ ہوتی ہے اس پر شر کا غلبہ ہے۔

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی نے ٹیلی وژن کے استعمال کی سختی سے ممانعت کی خواہ وہ دینی مقاصد کے لیے کیوں نہ ہو۔

ان کے مقابلے میں جمعیت علماء ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اتنی شدت مناسب نہیں، ہر چیز کو قطعی حرام قرار دینے سے کیسے کام چلے گا؟ علماء کو امت کو انتشار سے نکالنے کی صورت پر توجہ دینی چاہیے۔

لوگ ٹیلی وژن پر قادیانیوں اور عیسائیوں کی طرف سے نشر ہونے والے پروگراموں کو دیکھ کر مرتد ہو رہے ہیں کیا لوگوں کو ارتداد سے بچانے کے لیے اور ان تک صحیح معلومات پہنچانے کے لیے ایسی صورت نہیں نکالی جاسکتی جیسا کہ شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ کے لیے تصویر کے سلسلے میں نکالی گئی ہے؟

انہوں نے سوال اٹھایا کہ نفلی حج، عمرہ یا اسفار کے لیے تصویر کھینچنے کھنچوانے کی ضرورت کو تسلیم نہیں کیا گیا؟ کیا یہ ضرورت ضرورتِ اضطراری کے ذیل میں آتی ہے؟

(یہ بڑا اہم سوال ہے خاص طور پر ان لوگوں سے جو تصویر کو مطلقاً حرام کہنے کے باوجود تصویر کھنچواتے اور بار بار کھنچواتے ہیں)

مولانا محمد سالم قاسمی زید مجدہم کی رائے

حکیم الاسلام قاری محمد طیب نوراللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند (وقف) کے مہتمم مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم نے اپنے صدارتی کلمات میں بدلتے ہوئے حالات میں نئی ایجادات سے شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے استعمال کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اسلام ایک عالمی مذہب ہے اسے تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن جائز طریقہ و ذریعہ اختیار کیا

جائے۔

انہوں نے کہا کہ مسئلے کا دارومدار پروگرام پر ہے جس کو دیکھنا، سننا جائز ہے، اس کا نشر کرنا بھی جائز ہے، جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی نے جو صورتحال پیدا کردی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ کا حل نکالنا اصحابِ علم و افتاء کی ذمہ داری ہے۔

مولانا قاسمی نے مزید کہا کہ ٹیلی وژن فی نفسہٖ آلۂ اشاعت و معلومات ہے، اس سے شر کی بھی اشاعت ہوتی ہے اور خیر کی بھی، اسے مطلقاً ناجائز قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لیے جو باہر جائز ہے وہ آلہ کے اندر بھی جائز ہوگا۔

الیکٹرانک میڈیا کی اثر انگیزی اور وسعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس پر باطل کی تردید کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کو اس قوت سے پیش کریں کہ دشمنانِ اسلام دفاع کی پوزیشن میں آجائیں۔

مغربی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کی صورت کو مکروہ بنا کر پیش کررہا ہے لہٰذا مقاصد شریعت کے تحت ٹی وی کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہیے۔

مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی کی رائے بھی یہ تھی کہ ٹیلی وژن وغیرہ فی نفسہ معلومات حاصل کرنے کا آلہ ہے البتہ اس کے غلط استعمال نے اسے مجموعہ فساد بنادیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس اجتماع کے بعض شرکاء نے ٹیلی وژن کے کسی بھی صورت میں استعمال کو حرام قرار دیا مگر امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی اور خطیب اسلام مولانا محمد سالم قاسمی جیسے ثقہ حضرات نے اس کی تردید کی۔ آل انڈیا سطح پر ہونے والے اس اجتماع کی رپورٹ پہلے "البلاغ" میں اور اس کے بعد "نور علی نور" میں شائع ہوئی۔

بندہ نے محض اس کا خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

اکابر علماء کا اہم اجلاس

ملکی سطح پر ہونے والے اس ہندوستانی اجتماع کے علاوہ میں آپ کی توجہ اس پاکستانی اجتماع کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو یکم مئی ۲۰۰۶ء جامعہ دارالعلوم کراچی میں ہوا تھا اور اس میں پورے پاکستان سے اکابر علماء نے شرکت فرمائی تھی، اجلاس کے بعد جو قراردادیں منظور کی گئیں ان میں سے قرارداد نمبر ۶ کا خلاصہ یہ تھا کہ جو علماء فیما بینهم و بین اللہ درست سمجھ کر، دین کے دفاع یا اس کی اشاعت کی خاطر الیکٹرانک میڈیا کے کسی ایسے پروگرام میں آتے ہیں جو دوسرے منکرات سے خالی ہو تو انہیں مخالف رائے رکھنے والے بھی معذور سمجھیں اور ان پر اعتراض نہ کیا جائے۔

اسی قرارداد پر ۳۵ مفتیانِ کرام نے دستخط فرمائے تھے۔

یہ تو پاکستان اور ہندوستان کے علماء کے فتوے اور قراردادیں تھیں اگر آپ ان دونوں ملکوں سے آگے نکل کر عالم اسلام کے دوسرے ممالک کا جائزہ لیں تو وہاں کے اکثر علماء دین کی اشاعت کے لیے ٹی وی کے استعمال کو جائز مان چکے ہیں، اگر میں نے مصر اور شام کا نام لیا تو کچھ لوگ کہیں گے کہ وہاں کے علماء تو آزاد خیال ہیں ان کی رائے کا کیا اعتبار ہے؟ اس لیے میں سعودی علماء اور مشائخ کا حوالہ دیتا ہوں، کیا یہ حقیقت نہیں کہ سعودیہ کے سارے مشائخ ویڈیو بنواتے اور ٹی وی پروگراموں میں آتے ہیں؟

پھر کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ

صاحب، دار العلوم کراچی کے شیخ الحدیث مولانا محمد تقی عثمانی، جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب، جامعہ بنوریہ کے شیخ الحدیث مفتی محمد نعیم صاحب اور دوسرے بیسیوں علماء اور مفتی حضرات ٹی وی پروگراموں میں شرکت کر رہے ہیں۔

ان کے علاوہ میں نے نہ معلوم کتنی ہی دینی محافل اور جلسوں میں ویڈیو بنتی دیکھی ہے تو آپ کے خیال میں ان حالات میں یہ فتویٰ دینا مناسب ہوگا کہ دار العلوم دیو بند کے موجودہ اکابر، پاکستانی جامعات کے شیوخِ حدیث، سعودیہ اور دوسرے اسلامی ممالک کے سارے مذہبی رہنما حرامِ قطعی کا ارتکاب کر رہے ہیں؟

آپ ایک لمحے کے لیے سوچئے! کہ اگر پاکستان میں اسلامی حکومت آجاتی ہے تو کیا وہ پورے ملک کو ٹی وی کے وجود سے پاک کرنے کا فیصلہ کرے گی یا اس کا قبلہ بدلنے کا فیصلہ کرے گی؟

اگر بالفرض وہ ٹی وی کو یکسر ختم کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو کیا اس کے لیے اس فیصلے پر عمل کرنا ممکن ہوگا؟ خدارا!

خیالی باتوں سے بچیے

خدارا! ایسی باتیں نہ کیجیے، جو تخیّل کی حد تک تو بہت اچھی لگتی ہیں اور جن باتوں سے ہم اپنے محدود حلقے کو تو خوش کر سکتے ہیں لیکن عملی زندگی میں انہیں نافذ نہیں کر سکتے، اور ایسی باتیں بھی نہ کیجیے جن کی وجہ سے ہم پر تضاد اور دو غلے پن کی پھبتی کسی جائے کہ ہمارا فتویٰ تو یہ ہو کہ تصویر اور ٹی وی مطلقاً حرام ہیں مگر ہم چھوٹے موٹے عذر کی وجہ سے بھی تصویر کھنچوانے کے لیے تیار ہیں، حتیٰ کہ نفلی

عبادات کے لیے بھی، حالانکہ فتویٰ یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی کے لیے بھی حرام کا ارتکاب جائز نہیں مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہر سال نفلی حج اور عمرہ کے لیے تصویریں کھنچوا لیتے ہیں، ایک طرف ہم ٹی وی کو نجس العین قرار دیں دوسری طرف ایسی محفلوں میں بھی شرکت کریں جہاں ویڈیو بن رہی ہو۔

کچھ علماء اسے حرام کہیں اور کچھ اس کے استعمال کو ضروری قرار دیں۔

اللہ جانتا ہے کہ مجھے نہ تو اپنے علم پر گھمنڈ ہے اور نہ ہی عمل پر فخر اور ناز ہے، نہ ٹی وی پر آنے کا شوق ہے اور نہ ہی میرے گھر میں ٹی وی ہے، لیکن میں دیانتداری سے ان حضرات کی رائے زیادہ صحیح سمجھتا ہوں جو خیر کی اشاعت اور باطل سے مقابلہ کے لیے اس کے استعمال کو جائز کہتے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ ہمارے کئی بزرگوں نے ٹی وی کی حرمت کے فتوے جاری کیے تھے، ان بزرگوں کو تنقید کا نشانہ بنائے بغیر یا تو ہمیں ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنا ہوگا یا ہم یہ تاویل کریں گے کہ ان کے فتویٰ ان غلیظ پروگراموں کے بارے میں تھا جو ناچ گانا اور ہر قسم کی لغویات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ نماز کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو بعض علماء نے ناجائز کہا تھا بعد میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اسی طرح انگریزی تعلیم کے بارے میں بھی بعض حضرات بڑے متشدد تھے، آج صورت یہ ہے کہ خود علماء کی نگرانی میں انگلش میڈیم اسکول چل رہے ہیں۔

پیشنگوئی

آپ اسے میری پیشنگوئی سمجھ لیں یا حقائق کا ادراک اور اعتراف کہ چند سال بعد مختلف دینی جماعتیں اپنا ٹی وی چینل کھولنے پر مجبور ہو جائیں گی، جب ایسا ہوگا تو نئے فتوے ہمارے ہی گلے کا ہار بن جائیں گے، بلکہ اندر کی بات یہ ہے کہ دین کا درد رکھنے والی متعدد دینی شخصیات مذہبی چینل کے لیے انتہائی سنجیدگی سے غور وفکر کر رہی ہیں بالخصوص دارالعلوم دیوبند سے وابستہ حضرات اس حوالے سے پیش پیش ہیں لیکن وسائل میسر نہیں آرہے۔

میں ایسے علماء کو بھی جانتا ہوں جو بعض وجوہ کی بناء پر خود تو الیکٹرونک میڈیا پر نہیں آرہے مگر اپنے متعلقین کو آنے کی ترغیب دے رہے ہیں، تاکہ ان لوگوں کا مقابلہ کیا جاسکے جو دو نمبر اسلام پیش کر رہے ہیں چونکہ دنیا میں خلا محال ہے اس لیے جب علماءِ حق نے میدان خالی چھوڑا تو دو نمبر کے علماء نے میڈیا پر قبضہ جما لیا اور قرآن وحدیث کے نام پر اپنے ذاتی نظریات کی اشاعت شروع کر دی، آپ کو بے شمار لوگ ایسے ملیں گے جو نکاح، طلاق، خلع، خرید وفروخت اور حرام حلال کے مسائل انہی نام نہاد مفتیوں سے پوچھتے ہیں اور جو کچھ انہیں بتایا جاتا ہے اس پر عمل کر لیتے ہیں۔

اللہ والوں کی مجالس کا اہتمام اور قابلِ قدر لوگ

ان دلائل اور ضروریات کی بناء پر میں خیر کی اشاعت کے لیے ٹی وی کے استعمال کو جائز سمجھتا ہوں جائز سمجھنے کے باوجود میرے دل میں ان حضرات کا

احترام پایا جاتا ہے جو واقعی خوفِ خدا اور تقویٰ کی بناء پر اسے حرام سمجھتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو تو بہر حال قابل قدر سمجھتا ہوں جو ٹی وی سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے دینی تعلیمات اور ذاتی اصلاح کے لیے علماء او مشائخ کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے ہیں کیونکہ اللہ پاک نے جو روحانیت مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کے ماحول میں بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں سننے میں رکھی ہے وہ روحانیت ٹی وی پر پروگرام میں ہو ہی نہیں سکتی اصلاح کے طلب گاروں کو ٹی وی پر انحصار کے بجائے اللہ والوں کی مجالس کا اہتمام کرنا چاہیے، یہی طریقہ منہاجِ نبوی کے قریب ہے، اسی میں عافیت اور برکت ہے۔

اسی طرح میں ان حضرات کو بھی قابلِ قدر سمجھتا ہوں جو نفس پرستی کے لیے نہیں بلکہ باطل کا مقابلہ کرنے اور مسلمانوں کو الحاد، ارتداد اور بے دینی سے بچانے کے لیے ہر ذریعۂ ابلاغ کو استعمال کرتے ہیں خواہ وہ ریڈیو ہو یا انٹرنیٹ ہو یا اخبار ہو یا ٹی وی ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ایسی صورتیں پیدا فرمادے کہ سچے دین کا پیغام اور علماءِ حق کی آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

تقلید کی شرعی حیثیت

ازافادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

- قرآن وحدیث کی موجودگی میں کسی امام کی تقلید کیوں؟
- تقلید وعدم تقلید کے فوائد ونقصانات
- تقلید مطلق اور تقلید شخصی میں کیا فرق ہے؟
- ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں ضروری ہے؟
- کیا کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے؟
- کیا صحابہ کرامؓ، تابعین اور کبار محدثین نے بھی تقلید کی؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝۵۹

(سورۃ النساء آیت: ۵۹ پ ۵)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمَ

میرے بھائیو اور بہنو!

جیسا کہ اشتہار کے ذریعے سے آپ کے علم میں یہ بات آچکی کہ ہمارے آج کے ماہانہ درس قرآن کا موضوع ہے: تقلید کی شرعی حیثیت۔

تقلید کا لغوی معنی

تقلید کا لفظ ''قلادہ'' سے ہے، جس کی جمع ''قلائد'' آتی ہے، قرآن کریم میں یہ لفظ سورۃ لالمائدہ میں آیا:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ

(سورۃالمائدہ۲،پارہ۶)

''قلادہ'' انسان کے گلے میں ہوتو اسے ہار کہتے ہیں، حیوان کے گلے میں ہوتو اس کو پٹہ کہتے ہیں۔

اصطلاح میں تقلید کا معنی ہے: دلیل کے مطالبے کے بغیر کسی کی اتباع کرنا۔

تقلید انسان کی فطرت میں داخل ہے، بچہ اپنے والدین کی تقلید کرتا ہے، شاگرد اپنے استاد کی تقلید کرتا ہے، بے خبر انسان باخبر کی تقلید کرتا ہے، بے علم صاحب علم کی تقلید کرتا ہے مریض اپنے ڈاکٹر کی تقلید کرتا ہے۔ وہ ڈرائیور جس کو راستے کا علم نہ ہو وہ کسی ایسے شخص کی تقلید کرتا ہے جو راستے کے پیچ وخم سے باخبر ہو۔

زندگی کے عام معاملات میں انسان ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں، جہاں تک دین کا تعلق ہے، دینی مسائل کا تعلق ہے، اس میں بھی تقلید کرنا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔

اثباتِ تقلید

تقلید کا ثبوت قرآن سے

سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۷ میں اللہ فرماتے ہیں:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

تم علم والوں سے سوال کرو اگر تم علم نہیں رکھتے ہو۔

اور سورہ توبہ کی آیت نمبر: ۱۱۹ میں اللہ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر: ۵۹ جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی، اس میں اللہ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو اللہ کے رسول کی، اور اطاعت کرو اولی الامر کی۔

اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں؟

اولی الامر کے لفظی معنی ہیں: جو تم میں سے اختیار والے ہیں، جو تم میں سے حکم والے ہیں، ان کی اطاعت کرو۔

اب یہ اولی الامر کون ہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اولی الامر سے مراد حکام ہیں یعنی اے ایمان والو! تم اپنے مسلم حکمرانوں کی اطاعت کرو، لیکن بہت سارے حضرات نے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں مثلاً: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ انہوں نے فرمایا کہ: اولی الامر سے مراد

ہیں اھل الفقه والدین فقہ اور دین والے۔ گویا کہ اللہ نے سورہ النساء کی آیت ۵۹ میں تین اطاعت کرنے کا حکم دیا: اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول کی اطاعت اور اصحاب فقہ اور دین کی اطاعت، امر والوں کی اطاعت۔

اور امر والوں کی تفسیر خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کی: اھل الفقه والدین

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: امر والوں کی اطاعت کرنا یہ حقیقت میں میری اطاعت کرنا ہے فرمایا کہ:

مَنْ أَطَاعَ أَمِيْرِیْ فَقَدْ أَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصیٰ أَمِيْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ

جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو اس نے حقیقت میں میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے حقیقت میں میری نافرمانی کی ہے۔

منافقوں کے بارے میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ میں اللہ فرماتے ہیں:

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ط

کہ منافقوں کا حال یہ ہے کہ اگر ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر اور اطلاع پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں، جیسے افواہ پھیلائی جاتی ہے۔ وَلَوْ رَدُّوْهُ اگر وہ اس خبر کو، اس مسئلے کو جو ان تک پہنچا ہے اگر اس کو پہنچا دیتے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف اور ایسے اولی الامر کی طرف جو کہ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔

فرمایا منافق یہ کرتے ہیں کہ جب کوئی خبر پہنچے تو ایسے ہی پھیلا دیتے ہیں۔ ان کو

چاہیے تھا کہ یہ خبر ایسے اولی الامر تک پہنچا دیتے جن کے اندر استنباط کی صلاحیت ہے۔

استنباط (مسئلہ نکالنا)

استنباط قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے کسی بھی پیش آنے والی نئی صورت کا حل تلاش کرنا اس کو استنباط کہتے ہیں۔ منافق استنباط کی صلاحیت رکھنے والوں کے پاس اس مسئلے کو، اس خبر کو نہیں پہنچاتے تھے، لیکن ایمان والے ہر اس مسئلے کو، ہر اس خبر کو جو ان کے سامنے درپیش ہو ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جن کے اندر استنباط کی، اجتہاد کی، قرآن وحدیث سے غور کر کے مسئلہ نکالنے کی صلاحیت ہو۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ جن لوگوں کے اندر استنباط کی صلاحیت نہ ہو انہیں چاہیے کہ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش آئے وہ ایسے علماء تک پہنچا دیں جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں، پھر وہ اس مسئلے کا جو جواب بتائیں اس پر عمل کریں۔

تقلید شرعی کسے کہتے ہیں؟

اسی کو تقلید شرعی کہتے ہیں، شرعی تقلید یہی ہے کہ: ہمارے سامنے اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو ہم اسے ایسے لوگوں کے سامنے پیش کریں جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور پھر ہمیں اس مسئلہ کا جو حل بتائیں، اس سوال کا جو جواب بتائیں ہم اس پر عمل کریں، اسی کو شرعی تقلید کہتے ہیں۔ حاصل یہی ہے تقلید شرعی کا۔ یہ تو چند آیات ہوئیں۔

تقلید کا ثبوت احادیث سے

پہلی حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَدْرِي بَقَائِي فِيكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

اے لوگو! میں نہیں جانتا کہ میں کب تک زندہ رہوں گا، اگر میں دنیا سے چلا جاؤں توتم ان لوگوں کی اقتداء کرنا جو میرے بعد آئیں گے اور وہ کون ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں تم میری اقتداء کرو اور اگر میں دنیا سے چلا جاؤں تو میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔

یہ اقتداء کا جو لفظ ہے یہ دینی مسائل میں استعمال ہوتا ہے کہ دین کے معاملات میں جب تک میں زندہ ہوں میری اقتداء کرو، اور جب میں نہ رہوں میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم ہوں گے تم ان کی دینی معاملات اور مسائل میں اقتداء کرنا۔

اقتداء کی تعریف

اقتداء کا لفظ یہ دینی معاملات میں اقتداء کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کی دلیل سورۃ انعام کی آیت نمبر ۹۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ ان کی ہدایت کی اقتدا کریں۔

تو اس آیت کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اقتدا کا لفظ دینی معاملات میں اتباع کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میں زندہ ہوں تم میری اقتداء کرو، اور جب

میں نہ رہوں تو میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا، اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ تو دنیا میں نہیں رہنا تھا، تو جب تک وہ زندہ رہیں ان کی اقتداء کرنا اور جب وہ دنیا سے چلے جائیں تو ان کے بعد پھر دوسرے ایسے اصحابِ علم، اربابِ بصیرت، اربابِ حکمت جو کہ اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کی اقتدا ہوگی۔

علم کا اٹھ جانا

دوسری حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ

اللہ دنیا سے علم یوں نہیں اٹھائے گا کہ بندوں سے علم کو چھین لے، ایسا نہیں ہوگا بلکہ دنیا سے علم کیسے ختم ہوگا؟ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ دنیا سے علم یوں ختم ہوگا کہ علماء اٹھتے چلے جائیں گے۔ جو تقویٰ رکھنے والے علماء، جو بصیرت اور حکمت والے علماء جو اجتہاد و استنباط کی صلاحیت رکھنے والے ہوں گے فرمایا کہ یہ اٹھتے جائیں گے۔

حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا

جب پھر علماء نہیں رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا رئیس اور پیشوا بنالیں گے۔ فَسُئِلُوْا ان جاہلوں سے سوالات کیے جائیں گے، مسائل معلوم کیے جائیں گے اور یہ جاہل خاموش رہنے کو اپنی توہین سمجھیں گے۔ فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر علم و تحقیق کے جواب دے دیں گے۔ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اور کچھ بھی کہہ دیا، فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا فرمایا کہ یہ فتوے دینے والے خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی

گمراہ کریں گے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آقا ﷺ نے اپنی امت کو یہ سمجھایا کہ جب تک علماء اجتہاد زندہ رہیں ان کے فتووں پر عمل کرو، اور جب ایسے علماء زندہ نہ رہیں تو پھر اپنے زمانے کے نااہلوں، بے عملوں اور جاہلوں کی تقلید اور اتباع کرنے کی بجائے ان گزشتہ علماء کی تقلید کرو جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے تھے، کیوں کہ اگر تم نے ایسے اصحاب تقوٰی ارباب بصیرت و حکمت کو چھوڑ کر اپنے زمانے کے جاہلوں کی اتباع کی تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور تمہیں بھی گمراہ کریں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نصیحت

ابوداؤد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن کی طرف اپنا نمائندہ، اپنا عامل، اپنا گورنر بنا کر بھیجا یہ تو آپ جانتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا کہ وقت کا گورنر، وقت کا وزیر اعلیٰ اور وقت کا بادشاہ مسجد کا امام بھی ہوتا تھا، پیشوا بھی ہوتا تھا، مفتی اور قاضی بھی ہوتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ گورنر الگ، مفتی الگ، قاضی الگ، اور وقت کا حکمران الگ۔ جو لوگ مسلمانوں کے دنیاوی امور نمٹاتے تھے، ان کے سیاسی امور، حکومتی امور، بین الاقوامی امور جو نمٹاتے تھے تو وہی مسلمانوں کے دینی امور بھی نمٹاتے تھے، دینی مسائل میں بھی ان کی رہنمائی کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے ان سے سوال کیا: كَيْفَ تَقْضِي يَامُعَاذُ! اے معاذ اگر تمہارے سامنے مسائل آئے، سوالات آئے، تنازعات اور مقدمات آئے تو ان میں کیسے فیصلہ کرو گے؟ تو حضرت معاذ جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ یارسول اللہ

ﷺ قرآن کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: اگر تمہیں اس مسئلے کا جواب قرآن میں نہ ملا تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے، کیسے فتویٰ دو گے؟ عرض کیا کہ اَقْضِیْ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، جو کچھ میں نے کرتے ہوئے دیکھا اور جو کچھ میں نے آپ کی زبانِ مبارک سے سنا ان احادیث، سنتوں اور تعلیمات کی روشنی میں میں مسائل کا جواب دوں گا اور مقدمہ پیش کروں گا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ: اگر اس مسئلے کا جواب میری سنت میں نہ ملا پھر کیا کرو گے؟ اس سوال کا جواب قرآن میں نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟ احادیث میں نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟

تمام جزئیات وفروعِ دین قرآن وحدیث میں نہیں ہیں:

اب یہاں ذرا رُک کر یہ سوچ لیجیے! کہ خود نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہر مسئلے کا جواب قرآن اور حدیث میں نہیں ہے، قرآن اور حدیث میں اصول ہیں، کلیات ہیں، جزئیات نہیں ہیں، فروعات نہیں ہیں۔

کیا صرف قرآن سے نماز کے جزئی احکام ثابت ہوتے ہیں؟

اگر کوئی کہے کہ تم قرآن سے نمازِ فجر کی دو یا چار رکعتیں ثابت کرو تو آپ ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی کہے کہ تم قرآن سے تین وِتر ثابت کرو تو آپ ثابت نہیں کر سکتے بلکہ اگر کوئی کہے کہ آپ قرآن سے نماز کی یہ ترتیب ثابت کرو تو آپ ثابت نہیں کر سکتے۔ قرآن میں قیام کا بھی ذکر ہے، رکوع کا بھی ذکر ہے، سجدے کا بھی ذکر ہے، تسبیحات کا بھی ذکر ہے، تحمیدات کا بھی ذکر ہے، درود شریف کا ذکر بھی

ہے، قرآن کی تلاوت کا بھی ذکر ہے، لیکن ترتیب کیا ہوگی ؟ یہ ترتیب قرآن میں مذکور نہیں ہے۔

اگر کوئی ضدی، معانداور جاہل شخص اس بات پر اڑ جائے کہ جب تک تم قرآن سے یہ چار رکعات اور پھران چار رکعات کی ترتیب ثابت کر کے نہیں دو گے میں نماز نہیں پڑھوں گا اور میں تمہاری بات نہیں سنوں گا۔ تو عام شخص تو کیا دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مفتی اور محدّث بھی قرآن کریم سے نماز کی یہ ترتیب، رکعات، تکبیر تحریمہ، ثنا، فاتحہ اور پھر قیام کے بعد رکوع اور رکوع کے بعد سجدہ اور سجدے کے بعد قعود اور پھر آخر میں سلام یہ قرآن سے ثابت نہیں کر سکتا۔

یہ تو نماز کا حال ہے، نماز جو کہ دین کا ستون ہے، جس کا اللہ نے قرآن کریم میں کئی سو بار ذکر کیا ہے، وہ نماز جو ایسا فریضہ ہے جو نہ امیر کو معاف، نہ غریب کو معاف، نہ مسافر کو معاف، نہ تندرست نہ بیمار کو معاف، کسی کو بھی نماز معاف نہیں ہے۔ ہر حال میں نماز پڑھنا ضروری ہے۔ کپڑے نہ ہو تو ننگے پڑھیں، پانی نہ ہو تو تیمم سے پڑھیں، رکوع سجدہ نہیں کر سکتے تو اشارے سے پڑھیں، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکیں تو بستر پر لیٹے لیٹے ہی پڑھیں، لیکن پڑھنا ضروری ہے۔

کیا صرف قرآن سے زکوٰۃ کے جزئی احکام ثابت ہیں؟

نماز جو دین کا اتنا اہم فریضہ ہے اس کا حال یہ ہے کہ ہم قرآن کریم سے اس کی ساری جزئیات کو ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ زکوٰۃ کو لے لیں، کوئی کہے کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ آئے گی، قرآن نے تو صرف یہ کہا واتوا الزکوٰۃ۔ تو غریب کو بھی زکوٰۃ دینی چاہیے، امیر کو بھی

زکوۃ دینی چاہیے، بالغ کو بھی زکوۃ دینی چاہیے اور نابالغ کو بھی زکوۃ دینی چاہیے۔قرآن میں نصاب کا ذکر کہاں ہے؟اور قرآن میں کہاں ہے کہ زکوۃ صرف ڈھائی فیصد ہے؟قرآن تو کہتا ہے کہ: زکوۃ ادا کردو بلکہ جو لوگ قرآن میں اپنے نظریات کو ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور قرآن کو حدیث سے کاٹنے کی اور فقہاء سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں ان میں سے بعض نے تو کہہ دیا کہ قرآن کا حکم یہ ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہے سب دے دو، ذاتی ملکیت کی نفی ہے کیوں کہ قرآن نے کہا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬

یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟

قُلِ الْعَفْوَ ؕ عفو کے معنیٰ:

عربی زبان میں عفو کا معنی زائد بھی ہے آپ ان سے فرما دیجئے جو زائد ہے وہ دے دو۔تو گویا کہ اپنے پاس ایک دن کے کھانے سے زیادہ، ایک دن کے خرچے سے زیادہ رکھنا جائز نہیں ہے یہ انہوں نے قرآن سے ثابت کر دیا۔ بالفاظ دیگر انہوں سوشلزم اور کمیونزم کو قرآن سے ثابت کر دیا کہ ذاتی ملکیت کی قرآن بالکل نفی کرتا ہے اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جو زائد ہے وہ دے دو۔

اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں

اگر کوئی اس بات پر اڑ جائے کہ میں نہیں مانوں گا جب تک میرے ہر مسئلے کا جواب خواہ وہ جزئی مسئلہ ہی کیوں نہ ہو، فروعی مسئلہ ہی کیوں نہ ہو قرآن ہی سے ثابت کر کے دیں۔آپ قرآن سے ثابت کر کے نہیں دے سکتے نماز کے سارے

مسائل، زکوٰۃ کے سارے مسائل، روزے کے سارے مسائل، حج کے سارے مسائل، یہ آپ قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے یہ تو فرائض کی بات ہے۔تجارت میں لگ جائیں تو پھر تو معاملہ بڑا ہی وسیع ہے، اللہ نے جن کو حج کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ جانتے ہیں کہ حج کے موقع پر ایسے ایسے مسائل سامنے آتے ہیں نئی نئی صورتیں، نئے نئے اشکالات کہ بڑے بڑے مفتیوں کا دماغ چکرا جاتا ہے، نہ قرآن میں ذکر، نہ حدیث میں ذکر تو اجتہاد دیکھنا پڑتا ہے۔مجتہدین کی تحقیق کی روشنی میں اس جواب کو تلاش کرنا پڑتا ہے، وگرنہ اگر کوئی کہے کہ میں تو نہیں مانوں گا جب تک کہ مجھے صاف صاف قرآن میں نہ دکھائیں، حدیث میں نہ دکھائیں تو ہر جزئی کا جواب آپ قرآن اور حدیث سے نہیں دکھا سکتے۔

اجتہاد کا مطلب کیا ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ "اے معاذ! اگر تمہیں میری سنت میں بھی، میری حدیث میں بھی اس سوال کا جواب نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ شاگرد تھے اس لیے فوراً عرض کیا:

أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي يَارَسُوْلَ اللهِ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔معاذ اللہ! اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں قرآن اور حدیث کو ایک طرف رکھ کر اپنی عقل سے اس مسئلے کا جواب دوں گا، یہ مطلب نہیں ہے جیسے بعض لوگوں نے اجتہاد کا یہ مطلب مشہور کر رکھا ہے۔

اجتہاد کی نسبت ابلیس کی طرف کرنا گستاخی ہے

بعض بد بخت تو مجتہدین کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ: سب سے پہلا اجتہاد ابلیس نے کیا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس کہنے لگا میں نہیں کرتا، کیوں نہیں کرتے؟ دلیل دی: اس نے: اس لیے کہ: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں آدم سے بہتر ہوں۔ کیا دلیل ہے آدم سے بہتر ہونے کی۔

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ تو نے مجھے پیدا کیا آگ سے، اور آدم کو پیدا کیا مٹی سے۔ آگ مٹی سے افضل ہے، مٹی کے اندر ظلمت ہے، آگ کے اندر نور ہے، مٹی کے اندر پستی ہے، آگ کے اندر بلندی ہے تو میں بہتر ہوں۔ اس لیے کہ میرا مادہ تخلیق بہتر ہے۔ تو کہتے ہیں: دیکھو: سب سے پہلا اجتہاد کیا وہ (معاذ اللہ) ابلیس نے کیا، مجتہدین کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ جملہ کہتے ہیں۔

سب سے پہلے تقلید کا انکاری ابلیس تھا

حالاں کہ اگر آپ غور کریں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ: سب سے پہلے تقلید کا انکار کیا تو ابلیس نے کیا۔ اس لیے کہ تقلید کا تقاضا یہ تھا کہ جب اللہ نے کہا سجدہ کرو تو اس کو یہ نہیں پوچھنا چاہئے تھا کہ کیوں سجدہ کروں؟ بس یہ سمجھتا کہ میرے اللہ کا حکم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی کہا:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ

میں نے حکم دیا تھا کہ سجدہ کرو! کون سی چیز مانع تھی؟ تمہیں سوچنا ہی نہیں تھا، توقف نہیں کرنا چاہیے تھا، حیل وحجت نہیں کرنی چاہیے تھی کہ کیوں کروں؟ بس اللہ

کا حکم ہے کرو کر دیتے۔ لیکن تم نے اللہ کے حکم کی تقلید سے انکار کیا، اور جواب میں عقل کو لڑایا اور دلیل پیش کی میں سجدہ نہیں کروں گا۔ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴿٧٦﴾ معاذ اللہ! کہ میں بہتر ہوں۔

اجتہاد کا مطلب کیا ہے؟

اجتہاد کا مطلب قرآن اور حدیث سے ٹکراؤ نہیں ہے، قرآن اور حدیث کی نفی نہیں ہے، عقل اور اپنی رائے پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے کہ قرآن اور حدیث سے ہٹ کر اپنی عقل میں جو آئے جواب دے دیا۔ نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ اجتہاد کیا ہے؟ حدیث میں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال میں، آثار میں غور و فکر کرنا اور غور و فکر کے ذریعے پیش آنے والے نئے نئے مسائل کا حل تلاش کرنا، یہ ہے اجتہاد۔ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اجتهد برأي يا رسول الله۔ اگر مجھے کسی مسئلے کا جواب قرآن میں بھی نہ ملا، حدیث میں نہ ملا تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے کھل اٹھا اور آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُهٗ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے رسول کو، یعنی میں اللہ کا رسول، یہ معاذ میرا رسول۔ رسول کا معنیٰ قاصد، پیغام لے جانے والا نمائندہ۔

فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس اللہ نے اللہ کے رسول کے رسول کو وہ سوچ عطا فرمائی ہے، جس سوچ پر اللہ کا رسول راضی ہے، یعنی میں راضی ہوں اس سوچ پر کہ میرے شاگرد کی یہ سوچ ہے، اجتہاد کی سوچ کہ اگر مجھے کسی مسئلے کا جواب قرآن

اور حدیث میں نہ ملا تو میں اجتہاد کے ذریعے سے اس مسئلے کا حل تلاش کروں گا۔

تیسری حدیث:

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے تین باتوں کا ثبوت

یہ جو حدیث ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں:

پہلی بات: یہ ثابت ہوئی کہ بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن کا جواب قرآن اور حدیث میں صراحۃً مذکورہ نہیں ہے۔

دوسری بات: یہ معلوم ہوئی کہ جو مسائل اور جن مسائل کے جوابات قرآن اور حدیث میں نہ ہوں ان میں اجتہاد کرنا یہ اللہ کے نبی کو پسند ہے، اور یہ اللہ کو بھی پسند ہے۔

تیسری بات: جو ثابت ہوئی وہ یہ کہ اجتہاد اللہ پاک کی نعمت ہے جو اللہ پاک اپنے نیک بندوں کو عطا فرماتے ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جواب سن کر اللہ کا شکر ادا کیا:

اَلْحَمْدُ اللہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللہِ بِمَا یَرْضٰی بِہٖ رَسُوْلُہٗ

آخر نعمت تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اگر نعمت نہ ہوتی، کوئی مصیبت ہوتی، اس سے قرآن اور حدیث کے بگڑنے کا اندیشہ ہوتا، معاذ اللہ ! گمراہی کے پھیلنے کا خطرہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی یوں اللہ کا شکر ادا نہ کرتے۔

تقلید پر اعتراضات کے جواب

یہ تقلید کے حوالے سے چند تمہیدی کلمات تھے جو میں نے عرض کیے۔ اس کے بعد

اشتہار میں جو سوالات اٹھائے گئے ان کے جوابات عرض کرتا ہوں۔

پہلا اعتراض اور اس کا جواب

پہلا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ قرآن اور حدیث کی موجودگی میں کسی امام کی تقلید کیوں؟

بظاہر یہ سوال بہت ہی بھاری قسم کا، خطرناک قسم کا سوال ہے اور الجھاؤ پیدا کرنے والا سوال ہے۔ کیوں کہ اس سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ امام کی تقلید کرتے ہیں وہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن اور حدیث کے مقابلے میں حقیقت میں امام کی تقلید کرتے ہیں۔ بہت سارے ہمارے غیر مقلد بھائی یہی تاثر دیتے ہیں کہ یہ جو مقلدین ہیں، یہ قرآن اور سنت کو چھوڑ کر امام کی تقلید کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ کہتے ہیں کہ ان مقلدین کی تقلید اپنے امام کے لیے وہی تقلید ہے جو مشرکین یعنی ابوجہل اور ابولہب اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے تھے، وہ بھی مقلد تھے یہ بھی مقلد ہیں۔ وہ بھی اندھے مقلد تھے، اور یہ بھی اندھے مقلد ہیں وہ بھی کہتے تھے جو کچھ ہم نے اپنے باپ دادا سے سنا ہم تو وہی کریں گے، چاہے قرآن اور حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی یہی کہتے ہیں، بالکل یہی الفاظ ہیں۔ بعض ہمارے غیر مقلد بھائیوں کا مقلدین کے بارے میں یہ تبصرہ کہ یہ مشرکین والی تقلید کرتے ہیں اور پھر جو مشرکین کی تقلید کی مذمت میں آیات ہیں یہ ان آیات کو ان مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں کہتے ہیں: دیکھو! قرآن میں سورۃ البقرہ میں آیا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ

اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط

جب ان سے کہا جاتا تھا کہ تم قرآن کی اتباع کرو۔تو وہ کہتے تھے: نہیں ہم تو اتباع کریں گے اس طریقے کی جس پر ہم نے باپ دادا کو پایا۔ کہتے ہیں: دیکھو مشرکین کہتے تھے کہ ہم تو اسی طریقے کی اتباع کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو ہم نے پایا۔حنفی بھی یہی کہتے ہیں، مقلد بھی یہی کہتے ہیں: ہم تو مَا أَنْزَلَ الله کی اتباع نہیں کریں گے، ہم تو اتباع کریں گے اس راستے کی جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

بڑوں کی تقلید مطلقاً غلط نہیں

حالانکہ اگر آپ غور فرمائیں تو اسی آیت کریمہ سے جواب بھی مل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

کیا اگر چہ ان کے باپ دادا میں عقل نہ ہو، ہدایت بھی نہ ہو، پھر بھی ان کی تقلید کریں گے؟ ان کی اتباع کریں گے؟ اب اس آیت کریمہ سے کیا ثابت ہو رہا ہے کہ اگر ان کے باپ دادا عقل سے بھی محروم، ہدایت سے بھی محروم، علم سے بھی محروم تو ان کی تقلید اور اتباع ناجائز ہے۔لیکن اگر باپ دادا ہدایت پر ہیں وہ علم والے ہیں، وہ عقل والے ہیں تو پھر ان کی تقلید ہے، پھر ان کی اتباع ہے تو ہر تقلید کی تردید اور نفی اس آیت کریمہ سے ثابت نہیں ہو رہی، بلکہ اس تقلید کی نفی جس میں باپ دادا کی اتباع کی جاتی ہے، اگر چہ وہ کافر، مشرک، گمراہ، بے علم، بے عقل ہی کیوں نہ

ہوں۔

مشرکین اور مقلدین کی تقلید میں زمین آسمان کا فرق ہے

آج جو مقلدین تقلید کرتے ہیں اور جو مشرکین تقلید کرتے تھے دونوں کی تقلید میں زمین آسمان کا فرق ہے: مشرکین عقائد میں تقلید کرتے تھے جو باپ دادے کا عقیدہ وہی ہمارا عقیدہ۔ باپ دادا الات و ہبل کو مشکل کشا سمجھتے تھے، ہم بھی اس کو مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ وہ منات اور عزّٰی کو معبود سمجھتے تھے، ہم بھی سمجھتے ہیں۔

عقائد میں تقلید جائز نہیں

لیکن مقلدین جو تقلید کرتے ہیں یہ عقائد میں تقلید نہیں ہے، عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے۔ پھر مشرکین جو تقلید کرتے تھے اس کا حال یہ تھا کہ قرآن تو ان کو توحید کی طرف دعوت دیتا اور وہ شرک کرتے تھے۔ قرآن بعض چیزوں کو حلال کہتا وہ ان کو حرام کہتے تھے۔ قرآن جن چیزوں کو حلال کہتا وہ ان چیزوں کو حرام کہتے۔ ان کی یہ تقلید قرآن اور حدیث سے ٹکرانے والی تھی، مگر کوئی مقلد کسی امام کی ایسی تقلید نہیں کرتا جو قرآن اور حدیث سے ٹکراتی ہو۔ اور کوئی مقلد کسی بھی امام کو قانون ساز اور شریعت ساز نہیں سمجھتا۔ کوئی مقلد یہ نہیں کہتا کہ ہمارے امام کو شریعت وضع کرنے کا اختیار ہے، حلال حرام کے قانون بنانے کا اختیار ہے، کسی بھی مقلد کی یہ سوچ نہیں۔ مقلد جو امام کی تقلید کرتا ہے تو اس حیثیت سے نہیں ہے کہ میرا امام قانون ساز تھا یا شارع تھا بلکہ مقلد کسی امام کی تقلید کرتا ہے اس کی تشریح پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اس نے جو قرآن اور حدیث کی تشریح کی ہے مجھے اس پر اعتماد ہے اسکی تقلید کر رہا ہوں، اسکی اتباع کر رہا ہوں گویا اس کی تقلید امام کی تقلید نہیں ہے

وہ قرآن اور حدیث کی تقلید ہے لیکن قرآن اور حدیث کی تشریح مختلف لوگ مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ ہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح پر اعتماد کیا۔ میں ان کی تشریح پر اعتماد کر کے ان کی تقلید کرتا ہوں۔ کسی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر اعتماد کیا۔ کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح پر اعتماد کیا۔ کسی نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح پر اعتماد کیا۔

امام مسجد اور علامہ کی تقلید جائز ہے تو چار اماموں کی تقلید کیوں جائز نہیں؟

اگر آپ غور کریں! تو ہمارے غیر مقلد بھائی جو کہتے ہیں امام کی تقلید جائز نہیں ہے، ان میں سے ہر شخص نہ محدّث ہے، نہ مفسّر ہے، نہ فقیہ ہے۔ بلکہ وہ اپنی مسجد کے مولوی صاحب کی تشریح پر اعتماد کرتا ہے یا اپنے زمانے کے کسی بڑے علامہ کی تشریح پر اعتماد کرتا ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ اگر پندرھویں صدی کے کم علم اور کم عمل، کم تقویٰ والے عالم کی تشریح پر اعتماد کر کے اس کی اتباع کی جاسکتی ہے تو کیا پہلی صدی کے تقویٰ اور علم اور بصیرت میں کمال تک پہنچے ہوئے کسی عالم کی تقلید نہیں کی جاسکتی؟ تقلید تو ہر کوئی کر رہا ہے، آج کوئی بھی تقلید سے آزاد نہیں، ہر شخص محدّث نہیں، ہر شخص فقیہ نہیں، ہر شخص کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہیں، ایک ٹھیلہ لگانے والا، ایک دکان چلانے والا، ایک مزدوری کرنے والا، ایک ملازمت کرنے والا جس نے کچھ پڑھا ہی نہیں، وہ تقلید کر رہا ہے اپنے امام صاحب، اپنے خطیب صاحب، اپنے علامہ صاحب، اپنے مفتی صاحب کی، ان پر اعتماد کر رہا ہے، ان کی تقلید کر رہا ہے۔ انہوں نے جو کچھ تشریح کی قرآن اور حدیث کی اس کو صحیح مان رہا ہے تو میں اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح پر اعتماد کروں تو مجرم نہیں ہوں

،اور اگر کوئی مجھے مجرم کہے تو میں کہوں گا جو جرم میں کرتا ہوں وہ جرم آپ بھی کرر ہے ہیں۔فرق ہم دونوں میں یہ ہے کہ آپ آج کے عالم کی تقلید کرتے ہیں ،اور میں پہلی صدی کے عالم کی تقلید کرتا ہوں۔اوران کے اندر جو علم وتقوی تھا وہ آج کے لوگوں میں نہیں ہے۔یہ پہلا سوال تھا۔

تقلید مطلق اور تقلید شخصی میں کیا فرق ہے؟

ایک دوسرا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ تقلید مطلق اور تقلید شخصی میں کیا فرق ہے؟ تقلید مطلق یہ ہے کہ کسی کو معین نہ کیا جائے، کسی کی بھی اتباع کر لی جائے۔اور تقلید شخصی یہ ہے کہ کسی کو معین کر کے اس کی اتباع کی جائے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہمیں دونوں قسم کی تقلید کا ثبوت ملتا ہے۔تقلید مطلق یعنی کہ کسی کی بھی اتباع کر لی جائے۔اور تقلید شخصی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ مخصوص شخصیات کی اتباع کی جائے۔صرف ایک مثال دیتا ہوں۔

طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

خَطَبَ عُمَرُ بِالنَّاسِ بِالْجَابِيَةِ ''جابیہ'' کے مقام پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا کہ:

يَآيُّهَا النَّاسُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْئَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ

تم میں سے جو کوئی قرآن کے بارے میں سوال کرنا چاہے تو وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔گویا کہ قرآن کی تشریح میں تم اعتماد کرو تو ابی بن رضی اللہ عنہ کعب پر کرو۔

وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْئَلَ عَنِ الْفَرَائِضِ، فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ

اور جو میراث کے مسائل معلوم کرنا چاہیں تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرے، ان ہی کے فتوے پر اعتماد کرے۔

وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْئَلَ عَنِ الْفِقْهِ، فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ

اور تم میں سے جو کوئی فقہی مسائل پوچھنا چاہتا ہو تو وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے ان کی تشریح پر اعتماد کرے۔

وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْئَلَ عَنِ الْمَالِ فَلْيَأْتِنِي فَإِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِي وَلِيًّا وَالِيًا وَقَاسِمًا

اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہو، مالی تعاون چاہتا ہو تو وہ میرے پاس آئے، اس لیے کہ اللہ پاک نے مجھے اس کا والی بھی بنایا اور اللہ پاک نے مجھے تقسیم کرنیوالا بھی بنایا ہے، روپیہ پیسے کا تعاون چاہیے تو میرے پاس آؤ، فقہی مسائل پوچھنا چاہتے ہو تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، میراث کے مسائل پوچھنا چاہتے ہو تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور قرآن کی تفسیر معلوم کرنا چاہتے ہو تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔

خیر القرون میں تقلید شخصی کی مثال

ایک مثال یہ ہے کہ اہل مکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے اور ان کے قول کو ترجیح دیتے تھے، جب مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ہوتے کسی ایک مسئلے کے بارے میں تو اہل مکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا عزت عطا فرمائی، کیا بصیرت عطا فرمائی کیسا علم فقہ سے نوازا! چھوٹی سی عمر میں

جب سرورِ دو عالم ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی عمر تیرہ سال تھی اور ایک موقع پر انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت کی، وضو کا انتظام کیا تو حضور ﷺ نے خوش ہو کر دعا دی: اے اللہ! اس بچے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو علم و حکمت سے نواز دے۔ حضور ﷺ نے دعا کی تو علم و حکمت کی دعا۔ چنانچہ اللہ پاک نے ایسا نوازا کہ چھوٹی سی عمر میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مکہ والے مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور جب کوئی مجلسِ مشاورت ہوتی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس میں شریک کیا کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی علمی فضیلت

بعض بڑی عمر کے حضرات کو اشکال ہوا کہ بڑے لوگوں کی مجلس ہے، اس نوجوان کو کیوں شریک کرتے ہیں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کا کمال ان پر ظاہر کرنا چاہا۔ سب سے پوچھا: بتاؤ کہ سورۂ نصر کے اندر حکمت اور نکتہ کیا ہے؟ سب خاموش رہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم بتاؤ! سورۂ نصر میں حکمت کی بات کیا ہے؟ نکتے کی بات کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! اے امیر المومنین! اللہ نے سورۂ نصر میں اپنے نبی کی وفات کی اطلاع دی، حالانکہ اللہ نے تو سورۂ نصر کے اندر اسلام میں فوج در فوج لوگوں کے داخل ہونے کی اطلاع دی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی وفات کی اطلاع دی، کیوں کہ اللہ کہہ رہے ہیں۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ

دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝

(نصر: ۱۔۲)

اے میرے حبیب ﷺ! جب اللہ کی مدد آگئی اور آپ نے دیکھ لیا لوگوں کو کہ وہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں تو اب آپ کیا کریں پہلے تو اللہ کہتا تھا: بَلِّغْ آپ تبلیغ کریں جو میں نے وحی نازل کی اس کو دوسروں تک پہنچا ئیں اور آج اللہ کیا کہہ رہا ہے جب آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ فوج درفوج داخل ہو رہے تو آپ تسبیح وتقدیس میں لگ جائیں، ذکر ودعا میں لگ جائیں، توبہ اور استغفار میں لگ جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ نے اپنے نبی کی وفات کی اطلاع دی ہے کیوں کہ جب لوگ فوج درفوج دین میں داخل ہو رہے ہیں تو ثابت ہوا کہ اللہ کے نبی کا دنیا میں آنے کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا، پہلے تو ایسا بھی ہوتا پورا دن گزر جاتا اور ایک بھی اسلام میں داخل نہیں ہوتا تھا اور اب قبیلے کے قبیلے آتے اور کلمہ پڑھ لیتے تو مقصدِ بعثت پورا ہو چکا۔

اور دوسرا یہ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کس سے اندازہ لگایا کہ اللہ کہہ رہے اب آپ کیا کریں:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ

(نصر: ۳)

آپ اپنے رب کی تسبیح اور تحمید کریں۔ توبہ اور استغفار کریں کیوں کہ جب زندگی کی شام ہو جائے، جب بڑھاپا آجائے تو پھر ذکر ودعا اور توبہ اور استغفار کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ سید المعصومین کو حکم دے رہا ہے، جب ساٹھ سال

سے عمر آگے ہوگئی تو اللہ نے فرمایا کہ اب تسبیح وتقدیس اور توبہ اور استغفار کا زیادہ اہتمام کریں۔ اللہ اپنے نبی ﷺ کو کہہ رہے ہیں کیا ہمیں اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے؟ جب بال سفید ہو گئے، بڑھاپا آگیا اور اعضاء میں ضعف اور بینائی میں ضعف آگیا، کمر جھک گئی، موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے تو اگر آقا کے لیے حکم تھا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾

کیا ہمارے جیسے بوڑھوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔

صحابہ کے زمانہ میں بھی تقلید رائج تھی

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اہل مکہ مسائل میں اعتماد کرتے تھے اور اقوال میں ترجیح دیتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو اور اہل مدینہ ترجیح دیتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو اور اہل کوفہ ترجیح دیتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو تو یہ تقلید شخصی ہے کہ ایک معین کی تقلید، گویا کہ اہل مکہ نے تقلید کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی، اہل مدینہ نے تقلید کی مسائل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی، اور اہل کوفہ نے تقلید کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی۔

صرف آئمہ اربعہ کی تقلید کیوں ضروری ہے

ایک تیسرا سوال جو اٹھایا گیا اور یہ سوال بھی بہت اٹھایا جاتا ہے کہ صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں ضروری ہے؟ تاریخ میں علماء تو بہت گزرے ہیں، اور آج بھی ہیں، مجتہدین بھی بہت گزرے ہیں، استنباط کی صلاحیت رکھنے والے بہت گزرے

ہیں، تو صرف چار اماموں کی تقلید کیوں ہے؟

اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ تاریخ میں علماء مجتہدین بہت گزرے ہیں لیکن ان کے فقہی مذاہب مدوّن شکل میں موجود نہیں، ان کے مذاہب کے بارے میں اس طرح کی مفصّل کتابیں نہیں ملتی جیسی مفصّل کتابیں ان چار آئمہ کے مذاہب اور مسالک اور مسائل کی ملتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو انتہائی صاحب بصیرت ہیں، اپنے وقت کے مجدّد اور کم وبیش مسلمانوں کے سارے فرقے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت، ان کے علم، ان کے تقوٰی، ان کی فقاہت ان کے خلوص پر متفق ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو!

عَلِمَ اَنَّ فِي الْاُخْذِ بِهٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَهِ مَصْلِحَةً عَظِيْمَةً وَ فِي الْاِ عْرَاضِ عَنْهَا مَفْسَدَةً كَبِيْرَةً۔

ان چار مذاہب پر عمل کرنے میں، ان کی تقلید کرنے میں اللہ کی بہت بڑی مصلحت ہے اور ان کو چھوڑنے میں بہت بڑا فساد ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ نے تکوینی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ پوری امت مسلمہ میں ان چار اماموں کی تقلید ہو، میں تشریعی طور پر نہیں کہہ رہا کہ کوئی یہ سوال کرنا شروع کردے کہ کہاں قرآن میں آیا ہے کہ صرف ان چار اماموں کی تقلید ہے، کیا حدیث میں آیا کہ ان چار اماموں کی تقلید ہے۔ کہاں حدیث میں آیا کہ ان چار اماموں کی تقلید ہے میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اللہ نے قرآن میں حکم دیا یا حدیث میں اللہ کے نبی نے اس کا حکم دیا، لیکن لگتا ہے کہ تکوینی طور پر اللہ نے کچھ ایسا فیصلہ فرما دیا ہے حالانکہ اور بھی امام گزرے

ہیں، مجتہد، مستنبط، صاحب صلاحیت علماء گزرے ہیں اور ان میں سے بعض کے ماننے والے اپنے اپنے زمانے میں رہے، آج بھی بعض جگہ کچھ ہیں لیکن بہت قلیل، اللہ نے شہرت دوام عطا فرمائی ان چاروں اماموں کو اور مسلمانوں کا رجوع جو ہوا تو وہ ان چاروں کی طرف تکوینی طور پر ہوا، مجھے کسی نے نہیں کہا کہ تم حنفی بن جاؤ! ایک تکوینی فیصلہ ہے اللہ نے دل میں ڈال دیا کہ اس فقہ پر عمل کیا جائے یوں بے شمار انسانوں کے دلوں میں اللہ پاک نے اس بات کو ڈال دیا۔

تقلید شخصی نہ ہونے کا فساد

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چار فقہوں پر عمل کرنے میں امت کی بہت بڑی مصلحت ہے اور ان کو چھوڑنے میں بہت بڑا فساد ہے۔ اور پھر اس کی وجہیں بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

پہلی وجہ تو یہی ہے کہ جو میں نے ابھی بیان کی کہ چار ائمہ کی فقہ مدون شکل میں ہے، باقی اماموں کی فقہ مدون شکل میں آج اس تفصیل کے ساتھ نہیں ہے۔

سوادِ اعظم کا اتباع ضروری ہے

دوسری وجہ: حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ

سوادِ اعظم کی اتباع کرو۔

یعنی بڑی جماعت کی اتباع کرو! اب بڑی جماعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر فاسقوں کی جماعت بڑی ہو تو اس کی اتباع کرو، اور چوروں کی جماعت بڑی ہے تو اس کی اتباع کرو، بلکہ دین پر جو بڑی جماعت چل رہی ہے اس کی اتباع کرو۔

سوادِ اعظم کون ہیں؟

اب بڑی جماعتیں جن پر سوادِ اعظم کا اطلاق ہوسکتا ہے اگر آپ تاریخ کو دیکھیں، آج کے حالات کو دیکھیں، اور تقلید کرنے والوں کے رجحانات کو دیکھیں تو بڑی جماعتیں آپ کو ان چاروں اماموں کی ملیں گی، اور کسی امام کی کوئی بڑی جماعت نہیں ہے میں نے عرض کیا کہ اپنے زمانے میں تھیں جب یہ آئمہ تھے آج بھی بعض ہیں، لیکن بڑی جماعت کسی کی نہیں ملے گی، جس پر سوادِ اعظم کا اطلاق ہوسکے۔

تیسری وجہ: شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی، فرمایا کہ یہ ممکن تھا کہ بعض نفس پرست وہ ذاتی فتووں کو کسی مشہور عالم کی طرف منسوب کردیں، صرف ان چار کی تقلید اور ان کے مسائل مشہور ہیں تو اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی طرف سے مسئلہ گھڑے اور کہہ دے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کہا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کہا ہے، ہم کہیں گے لاؤ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں موجود ہیں، ان کی فقہ موجود ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں موجود ہیں، تم جو نسبت کر رہے ہو تو بتاؤ اگر دوسرے آئمہ کی بھی تقلید کی اجازت دی جائے۔ تو کوئی اپنی طرف سے کہہ سکتا تھا کسی بھی امام کا نام لے کر کہ یہ مسئلہ فلاں فقہ سے ثابت ہے، اس نے غلط کام کرلیا۔ مثال کے طور پر بیوی کو طلاق دے دی، اور اس نے کسی بھی امام کا نام لے لیا، گزرے ہوئے عالم کا نام لے لیا کہ پہلی اور دوسری صدی میں فلاں جو علامہ گزرے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے کے باوجود بھی

نکاح باقی رہتا ہے، آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟ آپ نے تو تاریخ کے سارے علماء کی کتابیں ان کے خیالات اور نظریات اور ان کی فقہ اور اجتہادات پڑھے نہیں ہیں، مطالعہ کیا نہیں ہے۔ اب اللہ نے امت کو چار اماموں پر متفق کر دیا اور ان کے مسائل، ان کی فقہ، ان کے اجتہادات مشہور اور معلوم ہیں تو کسی جاہل اور نفس پرست کی یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ اپنے خودساختہ مسئلے کو ان میں سے کسی کی طرف منسوب کر سکے۔

ایک امام کی تقلید کیوں ضروری ہے؟

چوتھا سوال وہ یہ کہ کسی ایک امام کی تقلید کیوں ضروری ہے؟ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ چلو جی مان لیا تقلید کرنی چاہیے، تقلید نہ کریں گے تو گمراہی کا شکار ہو جائیں گے، آزاد خیال بن جائیں گے، منکرینِ حدیث بن جائیں گے تو ہم مان لیتے ہیں کہ چلو چاروں اماموں کی تقلید کی جائے، لیکن کسی ایک کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ میری مرضی ہے: میں جس مسئلے میں چاہوں، کسی بھی امام کی تقلید کرلوں، کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی، کسی میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، کسی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کسی میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرلوں۔ تو مجھے اس کی اجازت ہونی چاہیے؟

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ علماء نے جو یہ کہا کہ تقلید کرنی ہے تو کسی ایک امام کی کرو اس میں تو پابندی نہیں ہے کہ تم حنفی بن جاؤ یا شافعی بن جاؤ، مالکی بن جاؤ یا حنبلی بن جاؤ۔ ان میں سے کسی کی اتباع اور تقلید کرلو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

لیکن یہ غلط ہے کہ تم ایک مسئلے میں کہو کہ میں حنفی ہوں، دوسرے میں کہو کہ میں شافعی ہوں، تیسرے میں کہو کہ میں مالکی ہوں اور چوتھے میں کہو کہ میں حنبلی ہوں۔ جو شخص ایسا کرے گا تو وہ خواہش پرستی میں مبتلا ہوجائے گا اور انسان کی یہ بڑی کمزوری ہے کہ وہ ہر وقت سہولت کی تلاش میں رہتا ہے، اپنی خواہشات کی اتباع، بعض اوقات اپنی خواہشات کی اتباع کے لیے وہ قرآن اور حدیث میں تحریف اور تبدیلی کرنے سے بھی باز نہیں آتے، جیسے کہا گیا:

ہوئے کس قدر بے توفیق فقہائے حرم
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ایسے لوگ ہیں خود نہیں بدلتے، بظاہر تو وہ کہیں گے قرآن میں یہ آیا، حدیث میں یہ آیا۔ میں ذاتی بات نہیں کر رہا لیکن اصل اپنی خواہش چھپی ہوئی ہوتی ہے، اپنا نفس جو اس کو مجبور کر رہا ہے: یہ کام کرنا ہے۔ لیکن ایک گناہ گار کرتا ہے گناہ سمجھ کر اور یہ اس کو نیکی کا لبادہ اوڑھ کر، فقہ کا لباس پہنا کر وہ کام کرنا چاہتا ہے، کہیں نہ کہیں سے اس کا جواز ثابت کرنا چاہتا ہے۔

ایک بڑھیا کا قصہ

کہتے ہیں کہ کسی بڑھیا کی کوئی گٹھری چوری ہوگئی، بہت پریشان تھی اور دعا کر رہی تھی کہ اے اللہ یہ گٹھری کسی مولوی کے ہاتھ نہ لگی ہو۔ کسی نے کہا: اماں چور تو چور ہے، چاہے مولوی ہو غیر مولوی، مولوی کی بات کیوں کر رہی ہو؟ اس نے کہا کہ اگر جاہل چور نے میری گٹھری اٹھائی ہے، دنیا میں نہیں دے گا تو آخرت میں تو

دے گا اور اگر کسی پڑھے لکھے نے میری گٹھری اٹھائی ہے تو یہ کسی نہ کسی تاویل سے حرام کو حلال کر دے گا، نہ دنیا میں کچھ ملے گا نہ آخرت میں کچھ ملے گا، یہ حلال کرلے گا، جواز ثابت کرلے گا کہیں نہ کہیں سے میرے لیے جائز ہے۔ یہ خواہش پرستی، نفس پرستی انسان کی بڑی کمزوری ہے اور اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے اس کی بڑی مذمت بیان کی ہے جیسے اللہ نے فرمایا قرآن میں:

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ط

(الفرقان: آیت ۴۳)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنی خواہشات کو شریعت کے تابع نہ کرلے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنْتُمُ الْيَوْمَ فِي زَمَانٍ الْهَوَاءُ فِيهِ تَابِعٌ لِلْعِلْمِ

فرمایا: لوگو! تم بڑے خوش نصیب ہو، ایسے زمانے میں رہتے ہو کہ خواہشات علم کے تابع ہے۔ وہ زمانہ آنے والا ہے جو علم کو خواہشات کے تابع بنالے گا، فقہ کو خواہشات کے مطابق بنالے گا، قرآن وحدیث کو خواہشات کے تابع بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

فساد کی چھ وجوہات

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا بڑا پیارا قول ہے وہ فرماتے ہیں: لوگوں پر جو فساد آیا ہے چھ راستوں سے آیا ہے:

پہلا: تو یہ کہ نیتوں میں فتور آ گیا، نیتیں خالص نہیں رہیں۔

دوسرا: یہ کہ انسانوں نے اپنے جسموں کو شہوات کے لیے وقف کر دیا، جوانی شہوات کے لیے، طاقت شہوات کے لیے، خواہشات کے لیے۔

تیسرا: جو فساد آیا فرمایا: کہ عمریں چھوٹی ہیں، لمبے لمبے پروگرام، لمبے لمبے منصوبے اور اُمیدیں۔

چوتھا: جو فساد آیا تو اس لیے کہ لوگوں نے مخلوق کی رضا کو خالق کی رضا پر ترجیح دینی شروع کر دی، خالق کی رضا پیچھے مخلوق کی رضا آگے۔

پانچویں: فساد آیا وہ اس لیے کہ وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں، اور نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیتے ہیں۔

چھٹا: جو فساد آیا فرمایا کہ جو اسلاف سے غلطیاں ہوئی ان کو اپنے لیے حجت بنا لیتے ہیں، اور اسلاف کے جو مناقب اور ان کے اعمال ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان چھ طریقوں سے امت میں فساد آیا۔ تو یہ چھ طریقے، چھ دروازے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک راستہ فساد کا وہ خواہشات کی اتباع ہے۔

ایک امام کی تقلید نہ کرنا خواہشات کی پیروی ہے

• تو جب ہم آزادی دے دیں گے کہ تم جس مسئلے میں چاہو کسی بھی امام کی تقلید کر لو تو بظاہر تو یہی کہے گا میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کر رہا ہوں، میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کر رہا ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ اپنی خواہش کی تقلید کر رہا ہوگا۔ سردی تھی جرابیں پہنی ہوئی تھی، حنفی کہتا ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، لیکن سردی تھی، صبح پاؤں

دھونے میں تکلیف محسوس ہوئی، اس نے کہا امام شافعی رحمہ اللہ بھی تو امام ہی ہے، وہ بھی قرآن اور حدیث کو سمجھنے والے ہیں، انہوں نے جرابوں پر مسح کی اجازت دی ہے، آج ان کی فقہ پر عمل کر لیتے ہیں۔ گرمی ہوئی تو حنفی بن گیا اور سردی ہوئی تو شافعی بن گیا۔

طلاق دے بیٹھا، اب پوچھتا ہے کہ کہیں یہ ثابت ہے کہ طلاق اکٹھی دے دوں، پھر بھی بیوی نہ جائے ہاتھ سے۔ کسی نے بتا دیا: ہاں ایک فرقہ ہے، ان کے نزدیک یہ ہے کہ تین طلاقیں دے دو تو ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ کہتا ہے: وہ بھی تو مسلمان ہیں، نماز پڑھنے والے ہیں، دین والے ہیں، آج ہم ان کے مسئلے پر عمل کر لیتے ہیں۔ تو یہ حقیقت میں شریعت کی اتباع نہیں یہ خواہش کی اتباع ہے۔ شریعت تو پابند کرتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ جب چاہے حلال کو حرام بنا دے، اور جب چاہے حرام کو حلال بنا دے۔ تو وہ پابندی نہیں رہے گی، وہ شریعت کی اتباع نہیں رہے گی، خواہشات کی اتباع ہو جائے گی۔ تو اس لیے یہ کہا گیا کہ ایک امام کی تقلید کرو ہر مسئلے میں الگ الگ امام کی تقلید نہ کرو، وگرنہ خواہش پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ شریعت کی اتباع کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

کیا خیر القرون میں تقلید تھی؟

پانچواں سوال جو کیا گیا کیا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین تابعین اور کبار محدثین کے زمانے میں بھی تقلید تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تقلید کرو، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کرو، اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقلید کرو۔ تو یہ ان کے زمانے میں بھی اس تقلید کا ہمیں ثبوت ملتا ہے۔

تقلید وعدم تقلید کے فوائد ونقصانات

چھٹا سوال تقلید اور عدم تقلید کے فوائد اور نقصانات کیا ہیں؟ آپ اتنا زور دیتے ہیں کہ تقلید کی جائے اور عدم تقلید سے بچا جائے۔ نقصانات تو علماء نے بہت سارے شمار کیے ہیں۔

پہلا نقصان

تو یہ کہ ترک تقلید سے انتشار اور افتراق پھیلتا ہے، ہر شخص آزاد جیسے چاہے عمل کر لے، جو اس کی سمجھ میں آئے اس پر عمل کر لے، تو انتشار پھیلے گا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ یہ ہے کہ ہمارے جو غیر مقلد بھائی ہیں، بہت ساروں نے بڑی نیک نیتی سے تقلید کو سلام کیا اور عدم تقلید کا راستہ اختیار کیا اور نعرہ یہ لگایا کہ ہم ابوحنیفہ کی تقلید نہیں کریں گے، ہم تو براہ راست محمد رسول اللہ ﷺ کی تقلید کریں گے، خوب صورت نعرہ لیکن ہوا کیا آپ ذرا دیکھیے تو: ان کے اندر اندرونی انتشار اس قدر ہے کہ جماعت اہل حدیث کو دوسرے غیر مقلد حضرات صرف گمراہ نہیں واجب القتل تک قرار دیتے ہیں۔ تو انتشار کا ذریعہ بن گیا ہر ایک نے الگ سوچ بنالی میں خود عمل کروں گا قرآن پر، حدیث پر، مجھے کسی امام کا واسطہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو جب اپنی ذات پر اعتماد کیا جائے تو انتشار اور افتراق پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا بڑا نقصان

وہ لادینیت کی اشاعت ہے۔ حقیقت یہ ہے اور اس کا اعتراف ہمارے غیر

مقلد بھائی خود بھی کرتے ہیں، بہت سارے لوگ ہیں جو انکار حدیث تک پہنچے، لیکن پہلی سیڑھی ترک تقلید ہی پہلے تقلید کو چھوڑا، امام کی ہم تقلید نہیں کریں گے، پھر ہوتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے کہ انکار حدیث کے فتنے میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ مولانا بٹالوی صاحب بہت پرانے غیر مقلد بزرگ ہیں۔ انہوں نے اپنے رسالہ: اشاعت السنۃ آج بھی اس کی فائلیں موجود ہیں اس میں انہوں نے خود اقرار کیا ہے کہ پچیس سال کے تجربے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جو لوگ مطلق تقلید کو چھوڑ دیتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ بظاہر تو انہوں نے جو عنوان اختیار کیا، بڑا خوبصورت عنوان، بظاہر تو بڑا دلکش عنوان ہے کہ میں تو کسی امام کی تقلید نہیں کروں گا میں تو براہ راست حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تقلید کروں گا۔ مولانا بٹالوی نے لکھا ہے کہ ہمارے پچیس سال مشاہدہ میں ایسے لوگ آئے جنھوں نے پہلے تو تقلید کو خیر آباد کہا بعد میں اسلام کو بھی خیر آباد کہہ دیا۔

عدم تقلید کا نتیجہ انکار حدیث

جو بڑے بڑے فتنے اٹھے ہیں جیسے انکار حدیث کا فتنہ، اگر آپ ان کی ابتداء میں، ان کے بانیوں کی ابتدائی حالات میں جائیں اور ان کا مطالعہ کریں تو ثابت ہوگا کہ وہ سب سے پہلے تقلید کے انکاری ہوئے پھر حدیث کی طرف چلے گئے۔ مثلاً عبداللہ چکڑالوی غیر مقلد ہوا، پھر منکر حدیث۔ حافظ اسلم جیراج پوری پہلے غیر مقلد ہوا، پھر منکر حدیث۔ نیاز فتح پوری پہلے غیر مقلد بنا پھر منکر حدیث۔ حتی کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس کے حالات میں ہے کہ پہلے غیر مقلد بنا اور پھر ہوتے ہوتے اتنا چڑھا کہ خود بھی نبی بن کر بیٹھ گیا تو کئی فتن نے اس سے جنم لیا۔

عدم تقلید کے نقصانات بیان کرنے سے میرا مقصد چوٹیں لگانا، ضربیں لگانا ، دل آزاری کرنا، فرقہ واریت کو ہوا دینا نہیں ہے۔ ربّ کعبہ کی قسم! ہرگز نہیں، اور ہمارے مسائل، ہمارے حالات اس کی اجازت بھی نہیں دیتے اور میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ میں کوئی گستاخی والا لفظ نہ بولوں، کوئی گالی گلوچ نہ کروں، کوئی فتوی نہ لگاؤں، کوئی انگلی نہ اٹھاؤں لیکن یہ حقیقت بیان کررہا ہوں میں یہ دعوی نہیں کرتا کہ ہر غیر مقلد ایسا ہے، کہ ہر غیر مقلد آخر میں منکر حدیث بن جائے گا، ہر غیر مقلد آخر میں قادیانی بن جائے گا نہیں معاذ اللہ! میں یہ نہیں کہتا میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں گستاخانہ لہجہ

لیکن بہت سے ہیں جو گستاخی کا بھی ارتکاب کرتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیں گے تو ایسے بولیں گے گویا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آج کی کسی چھوٹی سی مسجد کا مولوی ہے بعض تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیا تھا اس کو تو صرف سترہ احادیث یاد تھیں میں یہ ہرگز نہیں کہتا ہوں۔ بہت سے غیر مقلد ہیں لیکن دین میں بڑے متعصب ہیں، نماز کے بڑے پکے ہیں، اور شعائر اسلام کی بڑی تعظیم کرنے والے ہیں، ان میں ایسے ہی ہیں غیر مقلد ہونے کے باوجود آئمہ کا ادب واحترام کرتے ہیں، عزت سے ان کا نام لیتے ہیں۔ لیکن اکثر تو ایسے نام لیں گے جیسے ابوحنیفہ آج کی کسی چھوٹی سے مسجد کا مولوی ہے۔ بعض تو یہ بھی کہتے ہیں: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیا تھا! اس کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں ہمارے آج کے جو مدارس ہیں الحمد للہ! بعض مدارس ایسے ہیں کہ ان میں بچوں کو پوری پوری بخاری یاد ہے،

مسلم یاد ہے، سینکڑوں حدیثیں یاد ہیں۔ اور جس امام کی وہ بچے تقلید کر رہے ہیں اس کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اس کو سترہ حدیثیں آتی تھیں اور کچھ آتا نہیں تھا تو یہ گستاخانہ لہجہ بھی غلط ہے پھر، مقلدین پر فتویٰ لگادینا کہ یہ شرک کرتے ہیں، تقلید کرنے والے ابوجہل کی تقلید کرتے ہیں، یہ گمراہ ہیں اور یہ قرآن کے مقابلے میں ایک نئی شریعت بناتے ہیں یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک مجھے اور آپ سب کو حقیقت کو سمجھنے، حق کو حق سمجھنے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے، باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

مسلم معاشرے میں مسجد کا حقیقی تصور

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی تربیت میں مسجد کا کردار کیا ہے؟
- معاشرے میں مسجد کا کردار محدود کرنے پر ایک نظر
- مسجد میں دائیگی نمزا کے علاوہ اور کون سے امور سرانجام دینا ضروری ہیں؟
- مسجد کے تاریخیکر دار کو زندہ کرنے کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟
- مسجد اور دوسری عبادت گاہوں میں کیا فرق ہے؟
- مسجد کے ضروری آداب کیا ہیں؟
- مسجد کی تزئین وآرائش کہاں تک جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ والصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ ط

اَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾

(التوبہ آیت 18 پارہ 10)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

قابل صد احترام بزرگو اور دوستو، ماؤں، بہنو اور بیٹیو! قبل اس کے کہ میں ان سوالات کے جوابات عرض کروں جو اشتہار میں اٹھائے گئے ہیں ابھی آپ کے سامنے دہرائی ہوئی یہ چند آیات اور احادیث کا مختصر ترجمہ اور مفہوم بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جن میں اللہ پاک نے مسجد کا ذکر فرمایا۔

مساجد کے ذکر پر مشتمل آیات قرآنیہ:

رسول اکرم ﷺ نے مسجد کا ذکر فرمایا سب سے پہلی آیت قرآن کریم میں جس میں مسجد کا ذکر آیا ہے وہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے اللہ فرماتے ہیں؛

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ط

(سورۃ البقرہ آیت 114)

''اور اِس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام ذکر کرنے سے روکتا ہے، اور مساجد کی ویرانی میں، بربادی میں کوشش کرتا ہے''۔

ایک دوسری آیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۷ ہے جس میں اللہ فرماتے ہیں:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط

''مشرکین کو حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں جب کہ وہ خود اپنے کفر کی گواہی دے دیں'' مسجدوں کی تعمیر کرنا یہ مشرکوں کا کام نہیں ہے، نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہے، اور نہ ہی یہ کام ان کو جچتا ہے۔

تیسری آیت کریمہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۸ ہے جو خطبہ میں بھی پڑھی، اللہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

''اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے ''

اور اس سے اگلی آیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۹ میں اللہ نے فرمایا:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا یہ اس شخص کے عمل کے مساوی ہوسکتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرتا ہے کوشش کرتا ہے''

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

''اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے''

حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا ظاہر ہے کہ دنیا میں مسجد حرام سے افضل مسجد کوئی نہیں ہے، لیکن اللہ نے فرمایا کہ مسجد حرام جیسی عظیم ترین افضل ترین مسجد کی تعمیر کرنا بھی اس شخص کے عمل کے مساوی نہیں ہوسکتی جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کے دین کے لیے جہاد کرتا ہے، کفریہ طاقتوں سے لڑتا ہے، اور پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت کے منصوبے رکھتا ہے، اور اللہ کے سوا کسی سے ڈرتا بھی نہیں ہے۔

آخری آیت سورہ نور کی آیت نمبر:۳۶ ہے جس میں اللہ نے فرمایا:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝٣٦

’’ایسے گھر جن گھروں کو اللہ نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ ان گھروں میں اللہ کا ذکر کیا جائے، ان گھروں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔کون لوگ؟

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ

’’ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اور کاروبار نہ اللہ کے ذکر سے غافل کرتے ہیں، نہ نماز قائم کرنے سے غافل کرتے ہیں، اور نہ زکوٰۃ دینے سے غافل کرتے ہیں۔

مساجد کے بارے میں احادیث نبویہ

یہ تو چند آیات تھی جن میں اللہ پاک نے کسی نہ کسی حوالے سے مسجد کا ذکر فرمایا ہے۔اپنا ایمان تازہ کرنے کے لیے اور مساجد کی عظمت اور اہمیت دل میں بٹھانے کے لیے اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کی چند احادیث بھی سماعت فرمالیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں !تم میں سے جو کوئی اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھے۔

مَنْ أَحَبَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَلْيُحِبَّنِي

جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرے

وَمَنْ أَحَبَّنِي فَلْيُحِبَّ أَصْحَابِي

جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہیے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرے ،اسے چاہیے قرآن سے محبت کرے۔

وَمَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيُحِبَّ الْمَسَاجِدَ فَإِنَّهَا أَفْنِيَةُ اللهِ

''اور جو قرآن سے محبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مسجدوں سے محبت رکھے اس لیے کہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں''

تو جس کا دعویٰ یہ ہے کہ میں اللہ سے محبت کرتا ہوں اس کا دعویٰ نا تمام ہے جب تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کریں اور جس کا دعویٰ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اس کے دعوے کا اعتبار نہیں جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت نہ کرے اور جس کا دعویٰ ہے کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہوں تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا جب تک کہ وہ قرآن سے محبت نہ کرے ،اور جس کا دعویٰ ہے کہ میں قرآن سے محبت کرتا ہوں تو اس کا دعویٰ نا قابل اعتماد ہے جب تک کہ وہ مسجد سے محبت نہ کرے۔ مختصر یہ کہ جس کے دل میں اللہ کے لیے محبت ہوگی، اللہ کے رسول کی محبت ہوگی، قرآن کی محبت ہوگی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت ہوگی اس کے دل میں یقینی طور پر مسجد کی بھی محبت ہوگی، مسجد کی محبت اللہ کی محبت کی علامت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کی علامت ہے اور قرآن سے محبت کی علامت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ إِنَّ اللهَ يَقُولُ:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(التوبہ آیت 18)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد کا خیال کرتا ہے مسجد سے محبت کرتا ہے، مسجد کی نگرانی کرتا ہے، مسجد کے انتظامات میں دلچسپی لیتا ہے، مسجد کی صفائی کرتا ہے تو فرمایا کہ تم اس شخص کے ایمان کی گواہی دو، یہ صاحب ایمان ہے، اس لیے کہ اللہ نے فرمایا:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(التوبہ آیت 18)

اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

اب حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ جب تم ایسے شخص کو دیکھو کہ جسے مسجد سے محبت ہے مسجد کی آبادی کی فکر ہے مسجد کی تعمیر کی فکر ہے، مسجد کے انتظامات کی فکر ہے تم گواہی دو کہ یہ صاحب ایمان ہے، صاحب ایمان ہونے کی علامت ہے۔

ایک تیسری حدیث صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مشہور حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ایسے خوش نصیب ہے جنہیں اللہ قیامت کے دن اس وقت سایہ دے گا جب اللہ کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا ان میں سے ایک خوش نصیب وہ ہے:

رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ

جس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہے، مسجد کے ساتھ لگا رہے، مسجد سے نکل

گیا لیکن دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہے، مسجد کی طرف متوجہ ہے جب تک کہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا اس کا دل مسلسل مسجد کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر، ظہر پڑھ لے عصر کی فکر، عصر پڑھ لی مغرب کی فکر، مغرب پڑھ لی عشا کی فکر، اور عشا پڑھ لی پھر فجر کی فکر۔ مسلسل اس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہے فرمایا کہ یہ بھی وہ خوش نصیب ہے کہ قیامت کے دن اللہ پاک اسے اپنا خصوصی سایہ عطا فرماتے ہیں۔

قربت مسجد کی فضیلت:

آخری حدیث کنز العمال کی ہے رسول اقدس ﷺ نے فرمایا:

فَضْلُ الدَّارِ الْقَرِيْبَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ عَلَى الشَّاسِعَةِ كَفَضْلِ الْغَازِيْ عَلَى الْقَاعِدِ

فرمایا کہ وہ شخص جو مسجد کے قریب رہے اسے مسجد سے دور رہنے والے پر وہی فضیلت ہے جو جہاد میں لگے ہوئے غازی کو بیٹھے ہوئے شخص پر فضیلت حاصل ہے۔

ایک بات عرض کروں گا: چاہے قرآن کی آیات ہوں، چاہے رسول اکرم ﷺ کی احادیث ہوں کسی ایک کو لے کر نتیجہ نہیں نکال لینا چاہیے، کسی ایک حدیث کو لے کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے جب تک اس مضمون سے ملتی جلتی دوسری آیات یا دوسری حدیث کو بھی سامنے نہ رکھا جائے۔ اب اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی جو مسجد کے قریب ہے، اور اتنی بڑی فضیلت جتنی فضیلت مجاہد کو بیٹھنے والے پر، مصروف عمل کو بے عمل پر حاصل ہے، اللہ نے قرآن میں ذکر فرمایا:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ
وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(النساء آیت 95 پارہ 5)

وہ لوگ جو بغیر عذر کے بیٹھے ہوئے ہیں، ایک ہیں عذر والے، ان کا معاملہ الگ ہے، عذر والوں کو تو اللہ بغیر عمل کے ہی ثواب عطا فرما دیتے ہیں جب نیت سچی ہو، مگر عذر ہے عمل میں نہ لگ سکے، جنازے میں شرکت نہ کر سکے، عیادت کے لیے نہ جا سکے، دعوت میں نہ جا سکے، جہاد میں نہ جا سکے، بیمار ہے نابینا ہے معذور ہے کوئی اور عذر پیش آ گیا تو اسے تو بغیر عمل کے ہی اللہ پاک اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں جنازے میں شرکت کا ثواب، بیمار کی عیادت کا ثواب، جہاد میں جانے کا ثواب۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے سرور دو عالم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا، خود قرآن میں بھی ہے، حدیث کا مفہوم ہے: اے مجاہدو! بہت سے لوگ ہیں جو اس وقت گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں جہاد میں مصروف نہیں ہیں، لیکن اللہ پاک گھروں میں بیٹھنے والوں کو بھی اجر و ثواب عطا فرماتا ہے، اس لیے کہ وہ عذر کی وجہ سے جہاد میں نہیں نکل سکے، ورنہ ارادہ ان کا بھی تھا، اگر عذر نہ ہوتا تو ضرور نکلتے عذر کی وجہ سے نہ نکل سکے، عذر والوں کی بات تو الگ ہے، لیکن جو بغیر عذر کے بیٹھے ہوئے ہیں وہ تو ثواب سے محروم ہیں، اور جو مصروف عمل ہے اسے ثواب عطا کیا جا رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ مسجد کے قریب رہنے والے کو دور رہنے والے پر وہی فضیلت حاصل ہے جو جہاد سے بیٹھنے والے پر جہاد میں مصروف کو فضیلت

حاصل ہے۔ اب میں عرض کر رہا تھا کہ کوئی نتیجہ نکالنے سے پہلے فیصلہ کرنے سے پہلے ایک مضمون سے ملتی جلتی احادیث کو سامنے رکھنا چاہیے۔

اب ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو جتنی دور سے مسجد میں چل کر آتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کو اجر وثواب ملتا ہے، جتنے قدم اٹھا کے آئے گا جتنے قدم اٹھا کے جائے گا ہر قدم پر نوازا جائے گا۔

اب ایک تو وہ ہے جو مسجد کے پڑوس میں رہتا ہے نکلا مسجد میں داخل ہو گیا، اور ایک وہ ہے جو دور سے چل کے آتا ہے اور ہر قدم پر نوازا جاتا ہے۔ اللہ پاک نے ہم پر تو خاص کرم کیا ہے ہر محلے میں مسجد ہے، گھر میں مسجد، لیکن دنیا کے بہت سے ممالک ایسے ہیں بالخصوص مغربی ممالک اور اسلامی ممالک جہاں پر مسجد بسا اوقات ایک مسلمان کے گھر سے کئی کئی کلومیٹر دور ہوتی ہیں لیکن وہ مسجد کی محبت میں کئی کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مسجد میں پہنچتے ہیں۔ تو یقینی بات ہے اللہ پاک ان کو محروم نہیں رکھے گا، ہمیں تو قدر نہیں ہے کہ ہمارے ہاں تو مسجدیں ہی مسجدیں لیکن جن کے ہاں مسجد قریب نہیں وہ ان مساجد کے لیے ترستے ہیں۔

نعمتوں کی قدر دانی کی ضرورت

ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ ان کا تبلیغی جماعت کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا اور وہ مغربی ملک میں ہوا، فرمانے لگے کہ ایک نو مسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ملک میں کتنے فیصد مسلمان ہیں؟ میں نے تعداد بتائی، کہا: اچھا مسجدیں کتنی ہیں؟ میں نے کہا: ہر محلے میں مسجد ہے، ہر گلی میں مسجد ہے۔ کہا: بڑے خوش نصیب ہو، پانچ وقت مسجد میں حاضری ہوتی ہوگی! مدارس کتنے ہیں؟

کہا: مدارس بھی بے شمار! کتنی فیس لیتے ہیں قرآن کی تعلیم کی؟ بتایا کوئی فیس نہیں ،مفت: کہنے لگا مزے ہیں: قرآن کی تعلیم اور وہ بھی مفت! پھر پوچھا: کیا تم نے بیت اللہ کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا: دیکھا ہے، کہنے لگا: بیت اللہ کو ہاتھ لگایا؟ کون سا ہاتھ؟ میں نے بتایا تو وہ بے ساختہ دیوانہ وار میرے ہاتھ کو چومنے لگا کہ یہ وہ ہاتھ ہے جو بیت اللہ کو لگا۔اب ان کے دل میں قدر ہے اس لیے کہ اس نعمت سے محروم ہیں، ہمیں چوں کہ یہ نعمت مل گئی، وافر مل گئی، ہمارے دل میں قدر نہیں ہے ۔انسان کی فطرت ایسی ہے: بعض اوقات ایک نعمت بن مانگے مل جائے اور بہت مل جائے ہمیں قدر نہیں ہوتی۔

دوحدیثوں میں تطبیق

تو میں عرض کر رہا تھا کہ دو طرح کی حدیثیں ہیں: ایک حدیث تو وہ ہے جس میں آقا نے فرمایا کہ جو جتنا زیادہ دور مسجد کے رہتے ہیں اتنا ہی زیادہ اس کو اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔اور دوسری حدیث ہے جس میں آقا ﷺ نے فرمایا کہ جو جتنا زیادہ دور مسجد کے رہتے ہیں اتنا ہی زیادہ اس کو نوازا جاتا ہے۔تو دونوں میں تطبیق یاد رکھیے وہ شخص جس نے قصداً اور ارادتاً مسجد کے پڑوس کو اختیار کیا کہ مسجد کے قریب رہوں، پانچ وقت کی اذان میرے کان میں پڑتی رہے، اور نماز باجماعت سے محروم نہ رہوں، اللہ پاک اس کو اس نیت کا ثواب مسجد کے قریب رہنے سے عطا فرمائیں گے۔اور دوسرا جو دور سے چل کر آتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے اللہ پاک اس کو اس مشقت اٹھانے کا بھی ثواب دیں گے۔ثواب سے دونوں کو نوازا جائے گا،

یہ جو فضائل بیان فرمائے مسجد کے ہیں۔

مساجد کی تعمیر کی فضیلت

اور پھر مسجد کی تعمیر کی جو فضیلتیں ہیں وہ بھی بے شمار ہیں، وہ مشہور حدیث جس میں سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چڑیا کے گھونسلے کے برابر بھی مسجد بناتا ہے اللہ پاک اس کو جنت میں محل عطا فرماتے ہیں۔ اب چڑیا کے گھونسلے کے برابر تو مسجد ہوتی نہیں ہے، اتنی چھوٹی مسجد میں تو نماز ہوتی نہیں، مقصد تو یہ بتانا ہے کہ اپنے طاقت کے مطابق چھوٹی سے چھوٹی مسجد بنائے، یا مسجد تو بڑی بن رہی ہے اور اس میں اپنا تھوڑا سا حصہ بھی شامل کر دے۔ یا اللہ نے اسے کروڑوں عطا کیے، وہ اپنی حیثیت کے مطابق مسجد بنائے۔ اور جسے اللہ نے کروڑوں تو کیا؟ لاکھوں بھی نہیں دیے ہزاروں نہیں دیے چارے کا گزارہ بھی بڑی مشکل سے ہوتا ہے، اور اس نے اپنی حیثیت کے مطابق چھوٹی سی مسجد بنالی تو اللہ پاک اس کو بھی اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، جنت میں محل عطا فرمائیں گے، تو یہ جو مسجد کے فضائل تھے ان فضائل کی بنا پر مسلمانوں نے ہمیشہ مسجد کی تعمیر کو اہمیت بھی دی اور حیثیت بھی دی۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ مسلمان مجاہدین، مسلمان تاجر، مسلمان مبلغ کسی ملک میں پہنچے تو انہوں نے اپنے گھر بعد میں تعمیر کیے اور اللہ کا گھر مسجد پہلے تعمیر کیا۔

سب سے پہلی مسجد کی تعمیر

خود آپ جانتے ہیں ہمارے آقا ﷺ مکۃ المکرمۃ میں تھے مسجد کی تعمیر کی کوئی صورت ہی نہ تھی، مسجد حرام تھی۔ جہاں کبھی کبھی حضور اکرم ﷺ اور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز ادا فرما لیتے تھے، وگرنہ عمومی طور پر مشرکین اجازت نہیں دیتے تھے، تو کھلے عام مسجد بنانے کی اجازت تو تھی نہیں نہ بنائی، البتہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی مسجد جو مکہ میں مسجد حرام کے علاوہ تعمیر ہوئی وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعمیر کی، اگرچہ اس کو اصطلاحی مسجد نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ انہوں نے اپنے گھر ہی کے ایک حصے کو عبادت کے لیے مخصوص کر لیا تھا، وہاں وہ نماز بھی پڑھتے اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے تھے، اور جب تلاوت کرتے تھے تو روتے بھی تھے، اور جب روتے تھے تو پھر کافروں کے اہل وعیال ان سے متاثر بھی ہوتے تھے۔ اسی لیے پریشان ہو گئے کہ ابوبکر اسی طریقے سے نماز پڑھتے رہے قرآن پڑھتے رہے اور گریہ وزاری کرتے رہے تو ہمارے بچوں کو متاثر ہوئے بغیر کوئی نہیں دیکھ سکے گا تو ابوبکر پر پابندی لگائی جائے! تو یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی مسجد، مسجد حرام کے بعد مکۃ المکرمہ میں وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعمیر کی، مگر اس کو اصطلاحی مسجد نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ اس میں آپ نے یہ کیا تھا کہ ایک حصے کو عبادت کے لیے نماز کے لیے تلاوت کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔

مسجد قبا

پھر جب ہجرت کا عمل ہوا اور ہمارے آقا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے قبا میں پہنچے تو یہاں بھی سب سے پہلے آپ نے مسجد ہی تعمیر فرمائی ہے، قبا میں آپ کا قیام تقریباً چودہ دن رہا اور یہاں آپ نے سادہ سی مسجد

تعمیر فرمائی، آج بھی ہے مسجد قبا۔اور جس کی فضیلت بھی ہے کہ اس میں دو رکعت نفل ادا کرنے والے کو مقبول عمرے کا ثواب عطا کیا جاتا ہے، اور یہی وہ مسجد ہے جس کے لیے اللہ نے گواہی دی اور اللہ کی گواہی سے بڑی گواہی کوئی نہیں:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط

(سورۃ التوبہ آیت 108 پارہ 11)

وہ مسجد جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ مسجد جس کی بنیاد ریا پر نہیں، دکھاوے پر نہیں، فرقہ پر نہیں شہرت پر نہیں بلکہ اس کی بنیاد تقوے پر رکھی گئی ہے، اس مسجد میں آپ کا کھڑا ہونا آپ کا عبادت کرنا یہ زیادہ مناسب ہے اس مسجد کے مقابلے میں جس کی بنیاد منافقت پر رکھی گئی ہے۔

مسجد ضرار:

وہ مسجد جسے اللہ نے مسجد ضرار کا نام دیا اس مسجد کے بنانے والوں نے اس کا نام مسجد ضرار نہیں رکھا تھا، اللہ نے اس کا نام رکھا: مسجد ضرار:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾

(سورۃ التوبہ آیت 107 پارہ 11)

فرمایا کہ ’’وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ہے ضرار کے لیے، ضرر کے لیے،

نقصان کے لیے، اسلام کو مسلمانوں کو پیغمبر اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے"

وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

"مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے"

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ

"اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی پناہ گاہ کے طور پر، کمین گاہ کے طور پر جنہوں نے مسجد بنائی ہے اس مسجد میں میرے حبیب آپ کبھی بھی کھڑے نہ ہوں حالانکہ اللہ نے فرمایا کہ اس مسجد کے بنانے والے قسمیں اٹھاتے ہیں:

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ

"کہ ہمارا مقصد بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں"

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

"اللہ قسم اٹھاتا ہے، یہ بھی قسم اٹھاتے ہیں، اللہ بھی قسم اٹھاتا ہے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے۔ تو مسجد جیسی عظیم الشان عمارت بھی تعمیر کی جائے اور نیت صحیح نہ ہو تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ تو حضور جب تشریف لائے اور قبا میں آپ نے تین دن قیام فرمایا تو وہاں بھی سب سے پہلے آپ نے مسجد تعمیر فرمائی۔ اور جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پر بھی سب سے پہلے آپ کو مسجد کی فکر، اپنے گھر کی فکر نہیں اور اُن اصحاب کی خوش نصیبی پر قربان جاؤں جب یتیموں کی زمین کو رسول اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے منتخب فرمایا، کیا نصیب تھا سہل اور سہیل دو یتیم بچوں کا! کہ رسول اکرم ﷺ کی نگاہِ انتخاب پڑی مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے تو ان کی زمین پر، اور حضور ﷺ نے ان سے باقاعدہ زمین خریدی،

حالانکہ انہوں نے عرض بھی کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہم مسجد کی تعمیر کے لیے یہ پلاٹ مفت پیش کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! آج ہمارے وہ بھائی سوچیں جو مسجدوں کے نام پر دوسروں کے پلاٹوں پر ناجائز قبضے جمالیتے ہیں، مسجدوں کے نام پر اور خانقاہوں کے نام پر اور درگاہوں کے نام پر اور بارگاہوں کے نام پر دوسروں کی زمینوں پر قبضہ جمالیتے ہیں، اور اگر کوئی مخالفت کریں تو کفر کے فتوے لگادیتے ہیں۔ کیسا مسلمان ہے جو مسجد بھی نہیں بنانے دیتا، گویا کہ مسجد بنانے کے لیے چوری بھی جائز، ڈکیتی بھی جائز، بدمعاشی بھی جائز۔ وہ یہ کرتے ہیں اسلام کو اور مسجد کو بدنام کرنے کے لئے۔ تو حضور نے باقاعدہ قیمت ادا کی ہے اس پلاٹ کی، اور وہاں پر آپ نے مسجد نبوی تعمیر فرمائی۔ تو سب سے پہلے جو فکر ہوئی وہ مسجد بنانے کی فکر تھی۔

کیپ ٹاؤن میں مسجد کی تعمیر کا قصہ

مسلمانوں کی نظر میں مسجد کی تعمیر کی اتنی اہمیت تھی بہت سی مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندگی سے بھی پیش کی جاسکتی ہیں، مگر میں زمانہ قریب کے بعض مسلمانوں کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ کتنی عظمت تھی ان کے دل میں اور کتنی اہمیت تھی مسجد کی تعمیر کی؟ حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی کتاب ''دنیا مرے آگے'' اس میں یہ لکھا: کیپ ٹاؤن کا جو سفر کیا تو اس کے ضمن میں سترھویں صدی میں ہالینڈ کے ڈچ قوم نے جنوبی افریقہ پر اپنا قبضہ جمالیا، اسی زمانے میں ان کا اُن پر بھی قبضہ تھا، اور وہاں وقتاً فوقتاً آزادی کی تحریکیں اٹھتی رہتی تھیں۔ تو

انہوں نے یہ کیا کہ وہاں سے تین سو مسلمان مجاہدین کو پکڑا اور جنوبی افریقہ کے دور دراز کے کیپ ٹاؤن میں لاکر ڈال دیا، تاکہ ان کی تحریکوں سے نجات پاسکیں۔

اب یہ تین سو مجاہدین اپنے وطن سے کہیں دور ہالینڈ والوں کے ظلم وستم کا سامنا کرتے، ان سے دن بھر جبری مشقت لی جاتی، طرح طرح سے ستایا جاتا، نماز پڑھنے کی انہیں اجازت نہیں تھی، عبادت کی اجازت نہیں تھی، تلاوت کی اجازت نہیں تھی، لیکن ان کے ایمان کا اندازہ لگائیں کہ وہ دن بھر مشقت کرتے، مزدوری کرتے، ان کی جھڑکیاں سنتے، ان کی پٹائی سہتے اور رات کو جب ان کے نگران گہری نیند سو جاتے تو یہ مجاہدین اٹھتے اور ایک پہاڑی درے پر جاکر وہاں دن بھر کی پانچوں نمازیں ادا کرتے، قضا کرتے۔ اللہ سے کہتے ہوں گے اللہ تو جانتا ہے اگر یہ ظلم وستم نہ ہوتا تو ہم نماز کبھی قضا نہ کرتے، مگر ہم مجبور ہیں، تو ہماری قضا نماز کو معاف کردینا۔

عرصہ دراز تک ان کے ظلم وستم کا یہ سامنا کرتے رہے، کافی عرصہ کے بعد انگریزوں نے ڈچ قوم پر حملہ کیا اب انہیں اپنی بقا کی فکر ہوئی، تو بعضوں نے ان مجاہدین سے مطالبہ کیا کہ تم ہماری طرف سے ان کے ساتھ دفاع کرو ہماری طرف سے جنگ کرو، ان کے لیے بڑا نازک وقت تھا، بقا کا وقت زندگی اور موت کا مسئلہ تھا، تو ان سے مطالبہ کیا۔

یہ مسلمان مجاہدین ان کا دفاع کرنے کے لیے اور انگریزوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن انہوں نے ایک شرط لگائی آپ اندازہ کیجیے کہ وہ جس طرح مظلومانہ زندگی گزار رہے تھے اس میں وہ اپنی آزادی کی بھی شرط لگا سکتے

تھے اپنی معاشی حالات کی درستگی کی شرط بھی لگا سکتے تھے، مادی مفادات کے حصول کی شرط بھی لگا سکتے تھے۔لیکن انہوں نے شرط صرف یہ لگائی کہ جنگ کے خاتمے پر اگر تمہیں کامیابی نصیب ہوئی تو ہمیں ایک مسجد بنانے کی اجازت دے دینا، جہاں ہم پانچ وقت نماز باجماعت ادا کریں۔چنانچہ ایسا ہی ہوا جنگ کے اختتام پر انہیں مسجد بنانے کی اجازت دی گئی، اور وہ مسجد آج تک باقی ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے اور اللہ کے نبی ﷺ نے مسجد کے جو فضائل بیان فرمائے ان کی بنا پر ہر زمانے کے مسلمانوں نے مسجد کی تعمیر کو اہمیت بھی دی، اور حیثیت بھی دی۔اپنے گھر بعد میں اللہ کا گھر پہلے!

دورِ اول میں مسجد نبوی اور اس کی حیثیت

یہ تو کچھ گفتگو تھی مسجد کی فضیلت اہمیت اور تعمیر کے حوالے سے۔جہاں تک اشتہار میں دیے گئے سوالات کا تعلق ہے اس سلسلے میں ایک بنیادی بات یہ عرض کروں گا کہ ہم مسلمانوں کے لیے ایک جو آئیڈیل مسجد ہے وہ مسجد نبوی ہے، میں نے عرض کیا کہ مکۃ المکرمہ کی جو تیرہ سالہ زندگی تھی مظلومیت کی زندگی تھی جبر کی زندگی تھی اسلام کے معاشرتی سیاسی نظام ابھرنے کا سامنے آنے کا موقع نہ مل سکا، مدینہ ایک ریاست تھی، اسلامی ریاست، وہیں ہر معاشرتی، اجتماعی، سیاسی، اجتہادی احکام بھی نازل ہوئے تو ہم مسجد نبوی کو ایک آئیڈیل حیثیت دے سکتے ہیں، اپنے لیے ایک نمونہ بنا سکتے ہیں کہ مسجد نبوی کا کیا کردار تھا مسلم معاشرے میں؟

اگر آپ مسجد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کریں آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ مسجد نبوی میں صرف پنج وقتہ نماز کی ادائیگی کے لیے نہ تھی، صرف جمعہ نہیں پڑھا جاتا

تھا، بلکہ مسجد نبوی ایک ہی وقت میں مسجد بھی تھی اللہ کی عبادت ہوتی تھی، سجدہ گاہ تھی، تہجد سے لے کر رات تک نمازیں پڑھی جاتی تھیں، وہ مسجد نبوی مدرسہ بھی تھی، وہاں آنے والے اور نئے اسلام قبول کرنے والوں کو قرآن کی اور اسلام کے ضروری مسائل کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

اسی مسجد کے ایک حصے میں مدرسہ بھی تھا جسے شاید تاریخ اسلامی کا پہلا مدرسہ ہونے کا شرف حاصل ہے، جسے عام طور پر صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، وہاں غریب الدیار مسافر طلبہ رہتے تھے اور ان کی گزر بسر مدینہ کے انصار کے تعاون سے ہوتی تھی، تو مسجد بھی تھی مدرسہ بھی اور خانقاہ بھی۔ تربیت اور تزکیہ اور اسلام کے جتنے بھی مراحل ہیں وہ اسی مسجد میں سرانجام دیے جاتے تھے۔ یہ مسجد عدالت بھی تھی جو اختلافی معاملات ہوتے تو ان کے فیصلے مسجد نبوی ہی سے ہوتے تھے۔ ایک جہادی مرکز بھی تھا جہاد کے لیے لشکر مسجد نبوی سے روانہ کیے جاتے تھے ۔بعض اوقات مسجد نبوی کے صحن میں جہادی مشقیں بھی ہوتی تھی، یہ مسجد ایک رفاعی ادارہ بھی تھی، غریب مسلمانوں کے ساتھ تعاون کی مہم بھی یہیں سے چلائی جاتی تھی ۔ایسا بھی ہوا کہ بعض اوقات ایک شخص انتہائی غریب فقیر خستہ حال آیا اور رسول اکرم ﷺ نے بڑے باعزت طریقے سے اس کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا، اور ہر ایک نے حسب حیثیت اس کے ساتھ تعاون کیا اس نے خود سوال نہیں کیا یا مانگا۔ کہیں اس واقعے سے وہ پیشہ ور لوگ استدلال نہ کرنے لگیں جو آج کل مسجدوں میں بھیک مانگتے ہیں، بلکہ خود رسول اکرم ﷺ نے اس کی طرف مسلمانوں کو باعزت طریقے سے متوجہ فرمایا۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ عبادت گاہ بھی تھی، مدرسہ بھی تھا، خانقاہ بھی تھی، عدالت بھی تھی، جہادی مرکز بھی تھا، رفاعی ادارے کا کام بھی یہیں سے ہوتا تھا، غریب مسلمانوں کے ساتھ تعاون بھی یہی سے ہوتا تھا، سیاسی اور معاشرتی اور جہادی مسائل کے بارے میں بھی مشورے ہوتے تھے باہر سے آنے والے وفود کا استقبال رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں کرتے تھے، بنو ثقیف کا وفد آیا تو رسول اقدس ﷺ نے مسجد نبوی کے صحن میں ان کے لیے خیمے لگوائے۔ طائف والے آئے وہی طائف والے جنہوں نے پتھر مار کر سرور دو عالم ﷺ کو زخمی کر دیا تھا، وہی طائف والے جب آئے تو حضور ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، بنو اوس کے بعض زخمی آئے تو مسجد نبوی میں ان کی مرہم پٹی کی گئی۔ ایک جنگی قیدی کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھا گیا۔

مسجد میں کاروباری بات کرنا

بعض اوقات مسلمانوں کے جو کاروباری مسائل ہوتے تھے ان کے بارے میں صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں گفتگو ہوتی تھی۔ بہت سے لوگوں کے لیے تعجب کی بات ہوگی جو یہ سمجھتے ہیں کہ شاید مسجد میں کسی کے لیے بھی کسی قسم کی کاروباری گفتگو کرنا جائز نہیں۔ آپ سن لیجیے! آج بھی ہماری فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جو شخص اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ہو وہ مسجد میں بیٹھ کر اپنے کاروبار کو چلا سکتا ہے، خرید و فروخت کر سکتا ہے، لیکن سامان کو مسجد میں لانے کی اجازت نہیں ہے، لیکن کاروباری بات کر سکتا ہے۔ ایسا شخص جو اعتکاف کی حالت میں مسجد میں ہو تو مسجد نبوی بیک وقت ان سارے کاموں کے لیے استعمال ہوتی تھی، اور قربان جایئے اپنے آقا ﷺ کی قدموں کی خاک پر کہ ایسی سادہ سی

مسجد جس میں نہ دفاتر تھے، نہ اس سے ملحق رہائش گاہیں، نہ ہوٹل، نہ ہاسٹل، کوئی سہولیات نہیں تھی، ایک چھپرا اور اس مسجد سے جس میں بیک وقت مدرسہ، خانقاہ، جہادی مرکز، رفائی ادارے کا کام سرانجام دیا جاتا تھا۔ اس مسجد سے ایسے بے مثال انسان تیار ہوئے جس کی مثال دنیا کا بڑے سے بڑا مدرسہ، جامعہ، کالج اور یونیورسٹی پیش نہیں کر سکی۔ اقبال کا ایک شعر ہے، انہوں نے مدرسہ اور خانقاہ کے حوالے کہا تھا:

اٹھا میں مدرسہ اور خانقاہ سے نم ناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

لیکن رسول اکرم ﷺ کی جو مسجد تھی، مدرسہ اور خانقاہ، وہاں کے فیض یافتہ طلبہ کے اندر زندگی بھی تھی محبت بھی تھی، معرفت بھی تھی نگاہ بھی تھی، جہاں تک اسلام کی اشاعت کا تعلق ہے تو اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی تربیت میں سب سے مؤثر کردار اِس مسجد کا رہا، اور یہ گواہی صرف مسلمانوں کی نہیں خود غیر مسلموں کی مشہور کتاب میں ہے جو ایک غیر مسلم کی لکھی ہوئی ہے۔

جس کا اردو میں ترجمہ ہوا "اشاعت اسلام" کے نام سے اس میں اس نے لکھا: (اشاعت اسلام کے اسباب لکھتے ہوئے) یہ مسلمان جہاں جاتے ہیں وہاں سب سے پہلے مسجد بناتے ہیں اور یہ مسجد اسلام کی اشاعت کا مرکز بنتی ہے۔ بہت سے غیر مسلم ایسے بھی تھے جنہوں نے مسجد میں آکر مسلمانوں کی مساوات کو دیکھا کہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

مساوات کے منظر کو دیکھا، محبت کو دیکھا، اجتماعیت کو دیکھا اور یہی چیز اسلام کے پھیلنے کا سبب بن گیا، اسی مسجد میں منصوبے بنتے تھے، اسلام کی اشاعت کیسے کی جائے اور کفر کا توڑ کیسے کیا جائے، اسی مسجد میں آج عمارتیں ہی عمارتیں ہیں۔ شاید سب سے زیادہ سرمایہ مسلمانوں کا پتھر، چونے اور سیمنٹ میں لگا ہو لیکن حاصل کچھ نہیں عمارتیں ہی عمارتیں، سب سے پہلے عمارت کا کام بعد میں، اور بسا اوقات ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں، شان دار عمارتیں، لیکن کام زیرو۔ سب سے پہلے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے عمارت بنانے کے لیے لیکن کام کچھ نہیں ،اور قرون اولیٰ میں ایسا ہوا عمارت نہیں کام۔ مساجد نے اسلام کی اشاعت میں ہر ملک اور ہر علاقے میں ایک کردار ادا کیا۔

آج مسجدوں کا کردار محدود کیوں؟

دوسرا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ معاشرے میں مسجد کا کردار محدود کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ میری ناقص سوچ یہ ہے: پہلا جواب تو اس کا یہ ہے کہ دین کا ناقص تصور مسجد کا کردار محدود کرنے کا سبب ہے۔ بہت سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ دین اسلام بس چند عبادات کے مجموعے کا نام ہے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ چند عبادات کے مجموعہ کا نام بس دین اسلام ہے۔ اور دین کا دنیا سے بالخصوص حکومت سیاست اور اور بین الاقوامی امور سے دین کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اگر مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے بارے میں مسجد میں گفتگو کی جائے ، بین الاقوامی مسائل پر گفتگو کی جائے تو بعض لوگوں کو سخت تعجب ہوتا ہے اچھنبا ہوتا ہے: مسجد میں ایسی باتیں! مسجد میں یہودیوں پر تنقید! مسجد میں امریکی سازشوں

کا ذکر! مسجد میں ٹریفک کے مسائل کا ذکر! مسجد میں محلوں کی گندگی کا ذکر! تو اس کو یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد میں ایسی باتیں کرنا مناسب نہیں تو دین کا ناقص تصور یہ سبب ہے معاشرے میں مسجد کے کردار کو محدود کرنے کا۔

دوسرا جواب اس سوال کا یہ ہے کہ حکمران طبقہ مسجد کے کردار کے زندہ ہونے سے خوف زدہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ اگر مسجد کا کردار زندہ ہو گیا مسجد سے امر بالمعروف کیا گیا نہی عن المنکر کیا گیا، تو عوام میں اشتعال پھیلے گا عوام میں۔ چنانچہ وہ چاہتے ہیں نماز پڑھو، ذکر و تلاوت کرلو فضائل بیان کرلو۔ بس! اس حد تک اجازت دیتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔ بعض ممالک اور بعض جگہیں تو ایسی ہیں کہ وہاں درس قرآن پر پابندی، درس حدیث پر پابندی، آزادی سے بیان کرنے پر پابندی۔ بلکہ بعض تو ایسے بدنصیب بھی ہیں جن کو مسجد کے نام سے الرجی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی مسجد سے دوری:

گزشتہ دنوں ایک ساتھی نے بتایا عرب ریاست میں سے ایک ریاست سے آئے تھے، کہا کہ میں نے خود اخبار میں ایک اشتہار دیکھا جو ایک تعمیراتی کمپنی کی طرف سے ہے کہ ہم نے ایک ایسی بستی بسائی ہے کہ اس میں صاف لکھا مسجد سے پاک علاقہ! غیر مسلموں کو خوش کرنے کے لیے، اور ان کو مطمئن کرنے کے لیے، اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اشتہار میں دے رہے ہیں ایسا علاقہ جو مسجد سے پاک ہے۔ اسلامی ملک ہو کوئی ایسا علاقہ، کوئی ایسا محلہ، کوئی ایسی بستی معاذ اللہ! جو مسجد سے محروم ہو، اس سے بڑی بدنصیبی کوئی نہیں۔ تو مسجد کے کردار کے زندہ

کرنے سے خوف زدہ ہیں۔ مسلمان عبادت تک محدود رہے لیکن یہ کہ ان کے اندر پوری امت کی سوچ ہو اور ان کی سازشوں پر نظر ہو، ان کے توڑ کے حوالے سے بات کی جائے۔ اس کو برداشت کرتے ہیں۔

تیسرا سوال کیا گیا وہ یہ کہ مسجد میں نماز کی ادائیگی کے علاوہ اور کون سے امور سرانجام دینا ضروری ہیں؟ نماز کی ادائیگی کے علاوہ سب سے زیادہ توجہ جس چیز پر کرنے کی ضرورت ہے وہ دعوت وتبلیغ ہے، مسجد دعوت وتبلیغ کا مرکز ہو، بیان سے دین کی دعوت دی جائے اور دعوت قرآن کی بنیاد پر، یہ دعوت کا مرکز ہو، اجتماعیت کا ذریعہ ہو، یہاں سے امر بالمعروف ہو، نہی عن المنکر ہو، امت کے اجتماعی مسائل پر توجہ ہو، اور مسلمانوں کے اندر جو اخلاقی کمزوریاں ہیں، عملی کمزوریاں ہیں ان کی نشاندہی ہو، ان کی اصلاح کی فکر ہو۔

مسجد کے تاریخی کردار کو زندہ کرنے کی ضرورت

چوتھا سوال جو کیا گیا وہ یہ کہ مسجد کی تاریخی کردار کو زندہ کرنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی اپنی رائے اپنی اپنی سوچ۔ میری ناقص سی سوچ یہ ہے کہ مسجد کی تاریخی کردار کو زندہ کرنے کے لیے ہر مسجد میں درس قرآن، درس حدیث کا حلقہ قائم کرنا ضروری ہے، مسجد ہے ہی قرآن کے لیے، مسلمان اور مسجد، اسلام اور مسجد، یہ لازم اور ملزوم ہیں، اور مسجد اور قرآن یہ لازم اور ملزوم ہیں، ایسی مسجد کا تصور نہیں ہوسکتا جس مسجد میں قرآن کی تعلیم نہ ہو، اور صرف الفاظ کی تعلیم نہیں معانی کی بھی تعلیم، گویا کہ تعلیم بھی ہو تفہیم بھی ہو۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ ہر محلے میں، ہر شہر میں، پورے ملک میں اور پوری دنیا میں درس قرآن کے حلقے قائم

کیے جائیں۔

آپ مساجد کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں مساجد کے اندر قراء کے حلقے ہوتے تھے قاریوں کے حلقے آج ہمارے ہاں قاری صرف اس کو کہتے ہیں جو مخارج کی صحیح ادائیگی کرسکتا ہو، تلفظ کی صحیح ادائیگی کرسکتا ہو: ق، ک، ع، غ، ت، ث، ت، ط، میں فرق کرسکتا ہو، جب کہ قرون اولیٰ میں قاری اس کو کہا جاتا تھا جو قرآن کے الفاظ بھی پڑھ سکتا ہو، قرآن کریم کے معانی سمجھ سکتا ہو۔ تو قراء کے اور مواعظین کے حلقے ہوتے تھے۔ بعض اوقات انفرادی طور پر بعض اوقات حکومت کی طرف سے۔ جن حلقوں میں قرآن پڑھا جاتا تھا، قرآن کا درس دیا جاتا تھا، قرآن سمجھایا جاتا تھا اس دنیا کی بقا قرآن سے وابستہ ہے۔

مساجد میں درس کے حلقے قائم کیے جائیں

مسجد کے کردار کو زندہ کرنے کے لیے سب سے پہلے میری نظر میں عبادات کے نظام کے علاوہ جس چیز کی ضرورت ہے۔ ادھر سے قرآن کے حلقے، ادھر سے حدیث کے حلقے، درس فقہ کے حلقے۔ ائمہ کرام کو اس مقصد کے لیے خصوصی طور پر تربیت دی جائے۔ دوسری چیز جس کی میں سمجھتا ہوں ضرورت ہے کہ ہر مسجد میں ایسے لوگ ہوں جو محلے کے اور بالخصوص نمازی ساتھیوں کے غریب افراد پر نظر رکھیں اور ان کے ساتھ مالی تعاون کریں۔

نبی اکرم ﷺ تو یہ فرماتے ہیں، اگر تم پیٹ بھر کر کھاؤ اور تمہارا پڑوسی بھوکا ہو تو تم مومن نہیں ہو، ایک ہی صف میں نماز پڑھ رہے ہیں، ایک کروڑوں کا مالک ہے اور دوسرا قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، اور اس کو اس کے حالات کی کوئی

اطلاع بھی نہیں ہے، اور کوئی فکر بھی نہیں۔

اور تیسری چیز جس پر نظر رکھنا ضروری ہے کہ محلے کے اندر لوگوں کو مسجد کے قریب کرنے کے لیے نمازی بنانے کے لیے ایک اجتماعی جدوجہد کی جائے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت آئے اور وہ آکر محلے والوں پر محنت کریں، غیر روایتی انداز میں بھی لوگوں پر لازم ہے کہ پورے محلے میں دینی فضا بنانے میں وہ محنت کریں۔ مسجد کو ایک مرکز بنائیں۔

مساجد میں مسلمین کے معاملات بھی حل ہونے چاہئیں

چوتھی چیز میں جو سمجھتا ہوں ہم اپنے حالات میں کر سکتے ہیں کاش! اللہ کا کوئی بندہ اٹھے اور اللہ کے بندے اٹھیں اور اس کو زندہ کریں کہ بہت سارے جو باہمی تنازعات ہیں، بعض اوقات ازدواجی تنازعات، بعض اوقات کاروباری تنازعات، اگر مسجد کی سطح پر ان تنازعات کے حل کرنے کا کوئی انتظام کیا جائے تو بہت سے تنازعات عدالتوں میں جانے سے پہلے مسجد کی سطح پر حل ہو سکتے ہیں۔ گزشتہ دنوں میں نے ایک اخبار میں خبر پڑھی، بڑا متاثر ہوا اس سے، ایک صاحب نے پنجاب میں کیا، اور مسجد کو مرکز بنا کر کیا، انہوں نے یہ عزم کیا کہ میں اپنے شہر کے مسلمانوں کو سود سے نجات دلا دوں گا۔ یہ عزم کر کے اٹھے مسجد کو بنیاد بنا کر، غالباً تین سو سالہ پرانی مسجد کو بنیاد بنایا، مرکز بنایا، اور عزم یہ کیا کہ پورے شہر کے مسلمانوں کو سودی قرضوں سے نجات دیں جو واقعی رزق حلال کمانا چاہتے ہیں ان کو غیر سودی قرضے فراہم کیے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے جو تفصیل پڑھی اس کے مطابق وہ ایک شہر کو اور ایک شہر کے مسلمانوں کو سودی قرضے سے نجات

دلانے میں کامیاب ہوگیا۔ کتنا اجر و ثواب ملا ہوگا اس شخص کو؟ سود کے خلاف تقریر کرلینا تو آسان اور باتیں کرلینا تو آسان! لیکن عملی طور پر مسلمانوں کو سود سے نجات دلانے کے لیے کوئی پروگرام پیش کرنا یہ مشکل تو ہے لیکن بہت بڑا عمل ہے۔ اور اب ان کا ارادہ ہے کہ میں دوسرے شہر کے مسلمانوں، تیسرے شہر کے مسلمانوں کو اسی طریقے سے سودی قرضوں سے نجات دوں گا، لیکن بنیاد بنایا مسجد کو۔ یہ مسائل حل ہوں، مسلمانوں کو سود سے نجات دی جائے، ان کے اختلافات کو ختم کیا جائے، تنازعات کا حل کیا جائے، یہ ساری چیزیں ہوں، لیکن بنیاد مسجد ہو، مرکز مسجد ہو۔ تو یہ جو مسلمان بے رخی کیے ہوئے ہیں مسجد سے یہ سمجھ کر کہ مسجد کا ہمارے مسائل سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، وہ بھی مسجد کی طرف متوجہ ہوں گے اور مسجدوں میں آئیں گے۔

مسجد اور دیگر عبادت گاہوں میں کیا فرق ہے؟

چوتھا سوال جو کیا گیا مسجد اور دوسری عبادت گاہوں میں فرق کیا ہے؟

اصولی بات کہ اسلام جیسے مسجد کے تحفظ کی تعلیم دیتا ہے، اسی طریقے سے اسلام کسی بھی غیر مسلم گروہ کی عبادت کو تحفظ دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ یہودیوں کے عبادت خانے یا عیسائیوں کے عبادت خانے یا ہندوں سکھوں اور مجوسیوں کے عبادت خانوں کو مسمار کریں، بے حرمتی کریں، مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے زمانے میں غیر مسلموں کو اسلامی شہروں میں اپنی اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت دی، صرف اجازت نہیں دی بلکہ ان کو باقاعدہ تحفظ دیا، باقی جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو شاید ایک بات یہ کہی

جا سکے کہ بہت سی عبادت گاہوں میں شرک ہوتا ہے۔ الحمدللہ! مسجد میں شرک نہیں ہوتا، بہت سی عبادت گاہوں میں مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے مساجد میں ایسا نہیں ہوتا، بہت سی عبادت گاہوں میں موسیقی اور ناچ گانا گویا کہ ان کی پہچان بن گئی ،الحمدللہ! ابھی تک مسجدیں اس سے پاک ہیں، الا یہ کہ میں شکوہ کرتا رہتا ہوں یہ موبائل کی صورت میں ہم نے میوزک بجانے کا جو مذموم سلسلہ شروع کیا ہے خدارا! مسجد کو اس سے پاک رکھنے کی کوشش کریں۔ بہت سی عبادت گاہیں ایسی بھی ہیں جن میں فحش تصاویر ہیں لیکن الحمدللہ! مساجد قیامت تک تصاویر سے پاک رہیں۔

مسجد کے آداب

چھٹا سوال جو کیا گیا وہ یہ کہ مساجد کے آداب کیا ہیں؟ تو آداب تو بہت سارے ہیں۔ چند آداب بیان کرنے کے بعد میں ان چیزوں کی طرف توجہ کروں گا جن آداب سے ہم محروم ہیں۔

پہلا ادب

مسجد کے اداب میں سے پہلا ادب جو کہ ہر عمل کے لیے ہے وہ یہ کہ نیت صحیح ہو مسجد میں چودھراہٹ کے لیے نہیں جائے، مسجد میں تو صرف اللہ کی عبادت کے لیے جائے، سر اکڑا کر نہیں جائے، سر جھکا کر جائے۔

میں نے اپنے بچپن میں دیکھا اور آپ نے بھی دیکھا یہ منظر ہمارے گاؤں کی جو مسجد تھی اس کا دروازہ بہت چھوٹا اور لوگ نبے لمبے تھے۔ میں نے کہا یہ چھوٹا کیوں رکھا ہے؟ کہتے ہیں تا کہ ہر شخص سر جھکا کر مسجد میں داخل ہو، مجبور ہو جائے سر جھکانے میں

،یعنی سرا کڑانے کی وہاں گنجائش ہی نہ تھی، تو مسجد میں جانے کی نیت صحیح ہو۔

دوسرا ادب

دوسرا ادب اللہ توفیق دے تو باوضو ہو کر جائے، ایسا نہیں کہ مسجد ہی میں جا کر استنجا کرنا ہے اور مسجد ہی میں جا کر وضو کرنا ہے، گھر سے باوضو ہو کر جائے بشارتیں اس کے لیے ہیں۔ ہمارے بعض مسلمان تو ایسے ہیں کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ پیشاب پاخانہ مسجد ہی میں کرنا ہے، یہ اچھی جگہ بنی ہے۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے اگر نماز کا وقت نہ ہو اور کوئی تم سے پوچھے کہ مسجد کہاں ہے تو سمجھ لو کہ بے چارے کو پیشاب پاخانہ ستا رہا ہے، یعنی مسجدوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے مجھے تو سخت غیرت آتی ہے اس بات پر کہ اللہ کے گھر کو اس مقصد کے لیے استعمال کریں نماز کے لیے نہیں آتے صرف استنجے کے لیے آتے ہیں۔ آپ استنجا خانے الگ بنائیں۔ مسجد کو کیوں اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں ممکن ہو تو باوضو ہو کر مسجد چلا جائے، اور گھر سے چلے باوضو ہو کر مسجد میں داخل ہو۔ اور جب داخل ہو تو دایاں پاؤں پہلے اور بایاں بعد میں رکھے۔ اور کیا پیاری دعا ہے موقع کی مناسبت سے! اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور نکلے تو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ پڑھے:

تیسرا ادب

تیسرا ادب یہ بھی ہے کہ اگر کسی کی عبادت میں خلل نہ ہو تو داخل ہونے والا

سلام کرے ''السلام علیکم '' بہترین طریقہ حضور کا طریقہ ہے حضور جب گھر میں دیر سے تشریف لاتے تو اس طریقے سے سلام کرتے کہ اگر کوئی جاگ رہا ہے تو سلام سن لے اور جواب دے دیں اور سو رہا ہے تو اس کی نیند میں خلل نہ ہو۔ تو اس طریقے سے سلام کرے کہ اگر کوئی عبادت کر رہا ہے تو خلل نہ ہو تو اور نہیں کر رہا تو سلام سن لے اور جواب دے دیں۔ بعض کو تو دیکھا وہ سلام کرتے ہی نہیں ہے اور بعض کو دیکھا بڑے زوردار لہجے میں ''السلام علیکم'' چاہے لوگ نماز بھی پڑھ رہے ہوں دونوں طریقے غلط ہیں۔

چوتھا ادب

اور چوتھا ادب یہ ہے اور یہ مٹی ہوئی سنت ہے وہ یہ کہ تحیۃ المسجد کا اہتمام کرے، ہمارے ہاں نہیں پڑھتے، عربوں کے ہاں اس کا بڑا اہتمام ہے حتیٰ کہ ہم نے دیکھا کہ جو مزدور مسجد نبوی، مسجد حرام میں صفائی کے لیے آتے ہیں، بجلی فٹنگ کرنے کے لیے آتے ہیں، کسی دوسرے کام کے لیے آتے ہیں، وہ بھی داخل ہوتے ہوئے سب سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں، پھر کوئی کام کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں وقت ہوتا ہے وقت سے پہلے آجاتے ہیں، تحیۃ المسجد نہیں پڑھتے ۔یہ مٹی ہوئی سنت ہے اس کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

پانچواں ادب

اور پانچواں ادب یہ کہ منہ سے بھی بدبو نہ آئے ایسی چیز نہ کھا کر آئے جس سے بدبو آتی ہو، کچا پیاز، کچا لہسن، مولی وغیرہ۔ اور ایسا لباس پہن کر بھی نہ آئے

جس سے بدبو آتی ہے جسم بھی اتنا گندا نہ ہو جس سے بدبو آتی ہے، اس کو پسند نہیں کیا گیا، پاک صاف آئے کسی کو ہماری وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی کو ایسا نزلہ، کھانسی ہو بار بار بلغم خارج ہوتی ہے اور دوسرے نمازیوں کو تکلیف کا خطرہ ہے تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس شخص کے لیے اجازت ہے گھر میں نماز پڑھ لے۔ اللہ پاک اس کو وہیں پر ثواب عطا فرما دے گا، مسجد میں نہ آئے کہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، مسلمان کی اذیت کا اس کے جذبات کا خیال کرنا بہت ضروری ہے۔ ہم اگر عبادت کرتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ چوں کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا سب لوگوں کو چاہیے کہ میری ہر طرح کی تکلیف کو، تنگی ترشی کو برداشت کریں۔ یہ سوچ غلط ہے، یہ عبادت میرے لیے ہے، یہ احسان میرے لیے ہے، کسی پر میرا احسان نہیں ہے، نہ کسی بندے پر احسان ہے، نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر احسان ہے۔ مسلمان کو تکلیف سے بچانا یہ برحق ہے اپنی بدبو سے، اپنے بلغم سے۔

ایک خاص چیز وہ یہ کہ بعض سادہ لوح ہوتے ہیں وہ تیز قسم کا عطر لگاتے ہیں ، اور جتنے گھٹیا عطر ہیں یہ بڑے تیز ہوتے ہیں، سخت تکلیف ہوتی ہے لوگوں کو الرجی ہو جاتی ہے۔ آج کل بہت ہے کھانسی، نزلے کی بیماری، بہت سے لوگوں کو بے چاروں کو چھینکیں آنے لگتی ہیں، اور یہ خوش ہے کہ میں نے ایسا عطر لگایا کہ پوری مسجد مہک رہی ہے، اور بعض تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ زبردستی دوسروں کو لگانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اکثر وہ سستا عطر ہوتا ہے کوئی اچھا عطر نہیں لگاتا یہ سوچ بھی غلط ہے میں تو ان کو بھی بدبو کا حکم دیتا ہوں جس سے دوسروں کو تکلیف

ہوتی ہے۔

اور ایک خاص چیز سے جس سے میں متوجہ کرتا ہوں کہ اکثر مسجدوں کے باتھ روم از حد گندے ہوتے ہیں، کوئی نفاست پسند آدمی وہاں جانا برداشت نہیں کرتا، کئی لوگوں کو دیکھا ہے میں نے، وہ جانے لگتے ہیں تو پہلے بے چارے اپنے ناک منہ کو خوب اچھی طرح لپیٹتے ہیں، پھر جاتے ہیں، وہ مسجد کے باتھ روم اتنے گندے جہاں کوئی صفائی کے لیے جا ہی نہ سکے، اس کی طرف متوجہ ہونا بہت ضروری ہے اور اس کی صفائی کا اہتمام کرنا، بلکہ ایسی مسجدیں میں نے دیکھی کہ باتھ روموں کی بد بو مسجد میں آرہی ہے۔

ایک صاحب نے لکھ کر بتایا کہ میں نے چاکی واڑہ میں ایک جگہ دیکھی وہاں باتھ روموں کے ساتھ معاذ اللہ! مقدس اوراق کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا، تو جگہ بنادی گئی فضول سی۔

ایک صاحب نے بڑے دکھی دل کے ساتھ مجھے خط لکھا کہ مولوی صاحب میں نے یہ دیکھا ہے ایسا ہورہا ہے تو باتھ روموں کی طرف بھی توجہ دیں اسلام صفائی کا مذہب ہے، باتھ روم بھی مسجد کا حصہ ہے۔ پھر عجیب سوچ کیوں؟ الحمدللہ! آپ حضرات تو جانتے ہیں مسجد تعمیر کی اور ہم نے اس میں ان ساری چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے، تو میں نے دیکھا بعض لوگ پیسے دیتے ہیں مولوی صاحب اس سے محراب بنوادیں، شاندار محراب، کوئی پیسے دیتا ہے اس سے ممبر بنادیں بڑا عالی شان ممبر، فلاں چیز بناؤ، وہ چیز جو نظر آئے، لیکن میں نے کوئی نہیں دیکھا جو کہے کہ اس سے باتھ روم بنالیں صاف ستھرے سے، خیال یہ ہے کہ

محراب بنانے کا ثواب ہے، مینار بنانے کا ثواب ہے، اور باتھ روم بنانے کا تو ثواب ہی نہیں ہے۔ایک غلط سوچ دل میں راسخ ہے جبکہ ثواب برابر ہے۔

چھٹا ادب

چھٹا ادب جو عرض کرنا چاہوں گا یہ آداب وہ ہیں جو کہ لوگ جانتے ہی نہیں ہیں، وہ یہ کہ اسپیکر کے ذریعے سے بعض لوگ تکلیف دیتے ہیں مسلمانوں کو اسپکر کو ذریعہ بنالیا ایذاء مسلم کا جو کام کرنا ہے اسپیکر ہی میں کرنا ہے، ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ ان کو اگر ڈکار مارنا ہو تو ڈکار بھی اسپیکر میں مارتے ہیں، ہر کام اسپیکر میں، ذکر کرنا ہو تو اسپیکر میں، تلاوت کریں تو اسپیکر میں ، درود شریف پڑھنا ہے تو اسپیکر میں۔ارے اللہ کے بندو! کوئی عبادت اللہ کے لیے بھی کرلو، قرآن خوانی کرنی ہے تو اسپیکر میں۔

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب ہیں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے لیے قرآن خوانی کرتے تھے اسپیکر میں، پوری رات میں قرآن پڑھتے مگر اسپیکر میں، اب اسپیکر میں کیوں؟ ایک تو لوگوں کو پتا چلے کہ فلاں کے لیے قرآن پڑھا جارہا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ دوسری پارٹی بھی شرکت کرے کہ ہمارے مردے کے لیے قرآن پڑھا جائے،تو اسپیکر کو ذریعہ بنالیا گیا مسلمانوں کی تکلیف کے لیے۔

نبی اکرم ﷺ کتنا خیال کرتے تھے لوگوں کے جذبات کا، آپ فرماتے کہ بعض اوقات ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز مختصر کردیتا ہوں۔ہم

نہ بیماروں کو دیکھتے ہیں، نہ بوڑھوں کو دیکھتے ہیں، نہ گھر کی خواتین کو۔ ماہ مبارک میں خاص طور پر رمضان کا مہینہ خود یہ ساری چیزیں میرے مشاہدے سے گزری ہیں۔ عشاء کی نماز اسپیکر میں، بلکہ اس سے پہلے شروع ہو جاتا ہے، سلسلہ تراویح اسپیکر میں اور کچھ دیر کھانے پینے کے بعد نعت خوانی کا سلسلہ اسپیکر میں۔ کیوں بھائی مبارک مہینہ ہے، اور سحری کا وقت ہے پانچ بجے، اور مولوی صاحب نے دو بجے ہی سے تلاوت اور نعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور کوئی اختلاف کرے تو اس پر فتویٰ کہ یہ تو گستاخ قرآن ہے، قرآن سے محبت نہیں ہے، قرآن کا دشمن ہے، ساری رات لوگوں کو سونے نہیں دیتا، مبارک مہینہ ہے اور مبارک رات ہے۔ تو سونے بھی نہیں دیتے اور عبادت کرنے بھی نہیں دیتے۔ بارہا ایسی مسجدوں میں کوشش کی ان کے قریب میں ہم دعا کرسکیں لیکن نہیں کر سکے۔ ایسے لگتا ہے کہ اسپیکر ہمارے کان میں لگا ہوا ہے۔

اور بعض لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اسپیکر کا رخ خاص طور پر اپنے مخالف فرقے کی مسجد کی طرف کریں، تاکہ ان کو تکلیف ہو تو یہ بھی غلط اور حرام ہے۔

مسجد کی صفائی

مسجد کے آداب میں سے ایک اہم ادب مسجد کی صفائی ہے نا صرف مسجد کی صفائی بلکہ گرد و پیش کی بھی صفائی ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا اتنی گندی دریاں بڑی مشکل ہوتی ہے ان پر نماز پڑھنا، پھر ٹوپیاں، مسئلہ بنا دیا کہ پھٹی ٹوپی مسجد میں رکھی جائے، تاکہ کوئی ننگے سر نماز نہ پڑھ سکے۔ اب پھٹی ہوئی ٹوپیاں ہیں، اور تیل

سے گندی ہو چکی ہیں، میل کی تہہ لگی ہوئی ہیں، لیکر رکھی ہے مسجد میں، جو آیا اس نے جوؤں والی ٹوپی اٹھا کر اپنے سر پر رکھی حتیٰ کہ یہ بیماری پھیلتی چلی گئی۔ میں نے خود دیکھا آدھی ٹوپی پھٹی ہوئی آدھی باقی ہے، وہ آدھی سر پر رکھی ہوئی ہے، اور نماز پڑھ رہا ہے، جیسے سکھ کھلاڑی بعض اوقات اپنی پگڑی کے نشانی کے طور پر چھوٹی سی پگڑی رکھ لیتے ہیں سر پر تو چھوٹی سے ٹوپی ہے، چاہے بال ڈھکے بھی نہ جائیں۔ آدھی پھٹی ہوئی آدھی سر پر جمالی کہ سر پر کچھ ہونا چاہیے۔ تو مسجد کو صاف رکھیں گندی ٹوپیوں سے، گندی دریوں سے صاف رکھیں، گرد وپیش کو صاف رکھیں، اور یاد رکھیں مسجد کی صفائی کا حکم اللہ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا، اور ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام کو دیا تھا:

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

(سورۃ البقرہ آیت 125 پارہ 1)

میں آپ سے کہہ رہا ہوں مسجد کو خادموں پر نہ چھوڑیں، مسجد کی صفائی کیا کریں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں میں چودھری، میں وڈیرا میں کیسے مسجد کی صفائی کروں؟ تھوڑی سی گندگی ہو بلاتے ہیں خادم کو ادھر آؤ یہ صفائی کیوں نہیں کی؟ ارے! آپ کیوں نہیں کرتے؟ رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں تھوک دیکھا، ارے میرے آقا ﷺ نے اپنے دست مبارک سے صاف کیا، کسی کا ہاتھ میرے آقا ﷺ کے ہاتھ سے نفیس اور قیمتی ہوسکتا ہے؟ ہمارے بزرگوں میں ایسے صالح کہ مساجد اور مدارس کے باتھ روم خود اپنے ہاتھوں سے صاف کیے، نمازیوں کو طلبہ کو تکلیف نہ ہو۔ اتنے اونچے نہ بنیں اتنے دماغ خراب نہ کریں،

کبھی کبھی خود صفائی کیا کریں۔ جو مسجد کی صفائی کرے گا اللہ اس کے اندر کی صفائی کرے گا۔

مسجد کی تزیین وآرائش کہاں تک جائز ہے؟

آخری سوال مساجد کی تزیین وآرائش یہ کہاں تک جائز ہے؟ ایسی آرائش جو خشوع پر اثر انداز نہ ہو وہ جائز ہے، اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ سامنے کی جو دیوار ہے اس پر پھول بوٹے بنانا اور آیات وغیرہ لکھنا یہ مناسب نہیں کہ بعض اوقات توجہ ان کی طرف چلی جاتی ہے جو خشوع پر اثر انداز ہوتی ہے، ایسی آرائش جو خشوع وخضوع پر اثر انداز نہ ہو وہ جائز ہے اور ایسی آرائش جس میں فخر اور دکھاوا نہ ہو، وہ بھی جائز ہے۔ فخر اور دکھاوا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر فخر کریں گے ہم نے اپنی مساجد کی آرائش زیادہ کی ہے وہ کہتا ہے ہم نے اپنے مساجد کی آرائش زیادہ کی ہے۔

اور تیسری شرط یہ کہ وقف کا مال نہ ہو اس مقصد کے لیے نہ تو کسی سے کہیں کہ یہ مال مسجد کی آرائش کے لیے چاہیے، یا اپنی جیب سے لگائیں اور آرائش کریں، تو صحیح ہے۔ اب لوگوں نے مال دیا ہے مسجد کی بنیادیں بھرنے کے لیے، دیواریں بنانے کے لیے اور چھت ڈالنے کے لیے، اور یہ اس سے پھول بوٹے بنا رہا ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

بعض لوگ مسجد کو خوب صورت بنانے کے مطلق خلاف ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کے زمانے میں اور حضور کے زمانے میں مسجدیں سادہ ہوتی

تھی، یہ تو دیکھتے ہیں کہ مسجدیں سادہ ہوتی یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے گھر بھی سادہ ہوتے تھے۔ آج آپ اپنے گھر حضور ﷺ جیسے بنالیں، صحابہ جیسے بنالیں، تو ٹھیک ہے مسجد بھی ویسے رہیں۔ اپنے گھروں پر تو کروڑوں خرچہ کریں، اور مسجد چاہو کہ اسی طریقے سے ہونی چاہیے جیسے مسجد نبوی تھی، چھپر کی چھت ہو، اور کچی دیواریں ہوں، یہ سوچ غلط ہے۔ جب وسعت آتی گئی مسلمانوں نے مساجد کو مضبوط بھی بنایا، وسیع بھی بنایا، خوب صورت بھی بنایا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو مساجد کی محبت عطا فرمائے، اور مساجد کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے ،اور مساجد کو آباد کرنے کی اللہ پاک ہم کو توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اسلام کا نظامِ وراثت

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- شریعت کی اصطلاح میں علم میراث کو علم فرائض کہا جاتا ہے۔
- نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ وہ نصف علم ہے اور بلا شک وہ بھلا دیا جائے گا اور میری امت سے یہی علم سب سے پہلے سلب کیا جائے گا۔
- نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم فرائض کو ایسے اہتمام سے سیکھو جیسے قرآن کو سیکھتے ہو۔
- نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! میں تم میں ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ فرائض سیکھ لو اور لوگوں کو سکھاؤ، وہ وقت قریب ہے کہ وحی کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ اور (پھر) علم کے معدوم ہونے کا وہ زمانہ (بھی) آئے گا کہ دو آدمی ایک ضروری مسئلہ میں جھگڑتے ہوں گے لیکن کوئی (شریعت کے مطابق) فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ والصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْہُ اَوْ کَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

(سورۃ النساء آیت نمبر 7، پ 4)

قابلِ احترام بزرگو اور دوستو، بہنو اور بیٹیو!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہمارے آج کے اس درس کا موضوع ''اسلام کا نظام وراثت'' ہے۔

فرائض کے لغوی معنی کئی سارے ہیں

علم وراثت کو علم الفرائض بھی کہا جاتا ہے فرائض لغت میں فریضہ کی جمع ہے۔ فرائض کے کئی معنیٰ آتے ہیں۔اس کا پہلا معنیٰ ہے متعین کرنا جیسا کہ اللہ پاک نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ‌ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰىؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ‏ ۝۲۳۷

(سورۃ البقرۃ 237 آیت پ 2)

اگر تم رخصتی سے پہلے ہی خواتین کو طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کیا تھا، تو جتنا مقرر کیا تھا اس کا نصف انہیں دے دو۔

تو یہاں فرض کا لفظ متعین کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

اس کا دوسرا معنیٰ ہے "بیان کرنا" جیسا کہ اللہ پاک نے سورۃ النساء میں فرمایا نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝۷ ہر ایک کے حصہ کو بیان کر دیا گیا طے کر دیا گیا۔

فرض کا تیسرا معنیٰ ہے واجب اور لازم ہونا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے سورۃ التحریم میں فرمایا:

قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَـكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ‌ ۚ وَاللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ‏ ۝۲

(سورۃ التحریم آیت 2 پ 28)

اللہ نے تم پر لازم کر دیا اپنی قسموں کو توڑنا، کھولنا۔

فرض کا چوتھا معنیٰ ہے اتارنا جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ

(سورۃ القصص آیت 85، پ 20)

وہ اللہ جس نے آپ پر قرآن نازل کیا وہ آپ معاد کی طرف لوٹائے گا۔

یہ تو لغت میں فرض کے معنیٰ ہیں۔

علم الفرائض کا اصطلاحی معنیٰ

اور اصطلاح میں علم الفرائض ایسے علم کو کہا جاتا ہے جس میں شریعت کی روشنی میں مرنے والے کی میراث کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

یہ تو میں نے علم فرائض کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ بیان کیا ویسے آج کی اس نشست میں جو چیزیں اپنے موضوع سے متعلق نمایاں کرنا چاہتا ہوں اس میں سب سے پہلی چیز وہ فرائض کی اور میراث کی شریعت میں اہمیت ہے۔

اس کی اہمیت جاننے کے لئے ہمیں قرآن اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

میراث کی اہمیت اور تاکید

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو آپ سب سے زیادہ جو میراث کا بیان وہ سورۃ النساء کے اندر پائیں گے، سورۃ النساء کی آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ

مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦

(سورۃ النساء آیت 7 پ 4)

والدین یا قریبی رشتہ دار جو کچھ چھوڑ کر مرجائیں تو اس میں سے مردوں کو بھی حصہ ملے گا اور عورتوں کو بھی حصہ ملے گا۔

میراث کھا جانے والوں کے لئے وعیدیں

پھر آگے چل کر آیت نمبر ۹ میں ان لوگوں کو ڈرایا جو میراث کی تقسیم میں کمزوروں اور بالخصوص بچوں کا حق دبا جاتے ہیں، فرمایا کہ:

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨

(سورۃ النساء آیت نمبر 9 پ 4)

جو لوگ ضعیفوں، یتیموں، بچوں کا حق میراث دبا جاتے ہیں وہ ڈریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دنیا سے چلے جائیں اور ان کے بچے یتیم ہوجائیں۔

اگر بالفرض ایسا ہوجائے کہ وہ خود مرجائیں اور ان کے بچے یتیم ہوجائیں تو ان کے احساسات اپنے بچوں کے بارے میں کیا ہونگے۔

تو جو احساسات ان کو اپنے بچے کے بارے میں ہیں وہی احساسات وجذبات دوسروں کے بچوں کے بارے میں بھی ہونے چاہیے۔

انسان کچھ دیر کے لئے تصور کرلے میں اپنے بچوں کو چھوڑ کر جارہا ہوں اور بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ہزاروں وسوسے دل ودماغ میں آئینگے کہ ان کا کیا بنے گا، کہیں دردر کی ٹھوکریں انہیں نہ کھانی پڑیں۔

کہیں بڑوں کے دھکّے انہیں نہ سہنے پڑیں اور کہیں ایک ایک لقمہ کے لئے ان کو ترسانہ پڑے، کہیں یہ بے گھر نہ ہوجائیں۔ ہزار طریقوں سے آدمی اپنے بچوں کے بارے میں سوچتا ہے۔تو اللہ فرماتے ہیں جیسے تم اپنے بچوں کے بارے میں سوچتے ہو ایسے ہی دوسرے کے بچوں کے لئے بھی سوچنا چاہئے۔

یتیم کا مال کھانے والے کے متعلق سخت وعید

اور اس کے بعد آیت نمبر ۱۰ میں فرمایا کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

(سورۃالنساءآیت10،پ4)

جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اپنے پیٹ میں کھانا بھر رہے ہیں بلکہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا کہ جنہوں نے یتیموں کا مال کھایا ہوگا، قیامت کے دن ان کے منہ سے ان کے پورے جسموں سے آگ کی لپیٹیں نکلیں گی۔ قیامت کے دن جو کچھ اندر ہوگا یہ باہر آجائے گا اور قیامت کے دن جو کچھ اس نے جمع کیا ہوگا یا تو جنت کے پھولوں کی شکل اختیار کرلے گا یا پھر جہنم کی آگ یا جہنم کے اژدھوں یا جہنم کی زنجیروں کی شکل اختیار کرلے گا۔

وصیت کسے کہتے ہیں؟

اس کے بعد آیت نمبر ۱۱ میں حصے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو لفظ ارشاد فرمایا کہ!

لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾

(سورۃ النساء آیت نمبر 11، پارہ 4)

اللہ تمہیں وصیت کرتا ہے۔ وصیت کسے کہتے ہیں؟ وہ حکم جو خیر خواہی کے ساتھ دیا جائے، گویا اللہ یوں کہتے ہیں کہ میں تمہیں جو حکم میراث کے بارے میں دے رہا ہوں وہ خیر خواہی پر مبنی ہے۔ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ اسی میں بھلائی ہے کہ تم میراث کو اس طریقے سے تقسیم کرو جس طریقے سے میں نے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اپنی عقل نہ دوڑاؤ کہ اسے زیادہ دینا بہتر ہے یا کم دینا بہتر ہے۔ یہ میرے لئے زیادہ نفع بخش ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ میری زیادہ خدمت کرسکتا ہے۔ فرمایا کہ نہیں ان چیزوں کو نہیں سوچو کہ بیٹا میری زیادہ خدمت کرلے گا یا بیٹی میری زیادہ خدمت کرلے گی۔ ان چیزوں کو نہ سوچو:

لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾

(سورۃ النساء آیت 11، پ 4)

تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہیں زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

بیٹا یا بیٹی یہ تم نہیں جانتے، میں جانتا ہوں۔

بسا اوقات امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں

بسا اوقات انسان بیٹوں سے امیدیں رکھتا ہے خدمت کی، نفع رسانی کی، وفا کی لیکن بیٹے بے وفائی کرتے ہیں، خدمت کے بجائے جفا کرتے ہیں آپ کی نظر سے بھی گزرا ہوگا کہ ایک نوجوان بیٹے نے اپنے بوڑھے باپ کو برائی سے منع کرنے پر زندہ جلادیا۔ اور منع اس نے کس چیز سے کیا؟ جوئے سے۔

بیٹے کی ولادت پر لوگ زیادہ خوشی مناتے ہیں، بیٹے کی حسرت دل میں زیادہ ہوا کرتی ہے، بیٹے سے توقعات بھی زیادہ ہوتی ہیں، میرے کاروبار کی لاٹھی بنے گا ،میرے کاروبار کو، میرے گھربار کو سنبھالے گا۔

لیکن بسا اوقات اس کے برعکس ہوجاتا ہے بیٹا بے وفا اور بیٹی وفادار ثابت ہوتی ہے۔ بیٹی اس کی خدمت کرتی ہے بیٹا اس کے تکلیف اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

(سورۃ النساء آیت نمبر 11، پ 4)

تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

ایک اہم نکتہ

توجب ہم میراث کی اہمیت کی بات کریں گے اور قرآن کریم کا مطالعہ کریں گے تو یہ آیات ہمارے سامنے آئیں گی اور یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ نظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب مقدس میں جہاں نماز جیسی اہم عبادت کا ذکر کیا تو اجمالی طور پر تفصیلی نہیں قرآن میں ہے، اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو، یہ بھی ہے اِرْکَعُوْا رکوع کرو، یہ بھی ہے اُسْجُدُوْا، سجدہ کرو۔ یہ احکامات تو قرآن میں ہیں۔ لیکن تفصیل کے ساتھ اللہ نے نماز کی جزئیات کو بیان نہیں کیا۔ آپ روزے کو دیکھ لیں۔ روزہ کے احکام اللہ نے اجمالی طور پر بیان کئے لیکن تفصیلی طور پر نہیں، شَهْرُ رَمَضَانَ اور

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ آیت 183، پ2)

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

(سورۃ البقرۃ آیت 187، پ2)

یہ اجمالی طور پر تو اللہ تعالیٰ نے بیان کئے لیکن تفصیل کے ساتھ روزہ کے احکام اللہ نے بیان نہیں کئے، حج کا اللہ پاک نے اجمالی طور پر تو ذکر کیا حج کی فرضیت کا ذکر کیا، صفا مروہ کا ذکر کیا اور عرفات کا ذکر کیا۔

لیکن حج کے جو تفصیلی مسائل ہیں وہ اللہ پاک نے ذکر نہیں کئے، زکوٰۃ کو آپ دیکھ لیجئے! کتنا اہم فریضہ ہے زکوٰۃ کہ جس کے لئے سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جنگ کے لئے تلوار اٹھائی۔ لیکن قرآن نے زکوٰۃ کا حکم اجمالی طور پر دیا ہے تفصیل سے اسکے مسائل بیان نہیں کئے۔ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کہہ دیا زکوٰۃ ادا کر دو۔

لیکن اس کا نصاب کیا ہوگا اس کو ذکر نہیں کیا، قرآن نے بیان نہیں کیا، اس کے

جزوی مسائل کیا ہیں قرآن نے بیان نہیں کئے۔

لیکن جب میراث کا اللہ نے حکم دیا تو میراث کے جزوی احکام بھی اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائے ہیں۔

میراث کی اہمیت حدیث کی روشنی میں

اسی طریقے سے علم میراث کی اہمیت جاننے کے لئے ہمیں حدیث کا مطالعہ کرنا ہوگا جب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں دار قطنی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ؛

تَعَلَّمُو الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْ هَا النَّاسَ وَ تَعَلَّمُو الْفَرَائِضَ وَ عَلَّمُوْ هَا

فرمایا قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور فرمایا فرائض کا علم، میراث کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

اول تو آپ یہ بات دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الفرائض کو ذکر فرمارہے ہیں علمِ قرآن کے ساتھ، پہلے حکم دیا قرآن کے سیکھنے کا اور سکھانے کا اور پھر حکم دیا فرائض کا علم سیکھنے اور سکھانے کا۔ اور فرمایا کہ؛ دیکھو میں تو عنقریب اٹھا لیا جاؤں گا، میں تو، انتقال کر جاؤں گا اور فرمایا کہ علم بھی اُٹھ جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔ یہاں تک کہ ایسا ہوگا کہ میراث کے بارے میں فرائض کے بارے میں دو آدمیوں کا اختلاف ہوگا لیکن فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔

علم میراث کو نصف علم کیوں کہا گیا ہے؟

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تَعَلَّمُوا اَلْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ فرائض کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ یہ نصف علم ہے، فَاِنَّهٗ نِصْفُ الْعِلْمِ نصف علم کہا گیا، آدھا علم اس کو اللہ کے نبی ﷺ نے کیوں قرار دیا۔

علماء کہتے ہیں کہ انسان کی دو زندگیاں ہیں، ایک دنیا کی زندگی اور ایک مرنے کے بعد کی زندگی۔ بقیہ جتنے مسائل ہیں طہارت کے مسائل، نماز کے مسائل، روزہ اور حج کے مسائل اور جتنے بھی مسائل ہیں ان کا تعلق دنیا کی زندگی کے ساتھ ہے اور میراث کا تعلق مرنے کے بعد کی زندگی کے ساتھ ہے تو اللہ کے نبی ﷺ نے اسے نصف علم، آدھا علم قرار دیا اور فرمایا؛

وَهُوَ اَوَّلُ شَيْءٍ يُنْسٰى وَهُوَ اَوَّلُ شَيْءٍ يُنْتَزَعُ مِنْ اُمَّتِیْ

یہ پہلی شیٔ ہے جس کو بھلا دیا جائیگا اور یہ پہلی شیٔ ہے جس کو میری اُمت سے اٹھا دیا جائے گا، لے لیا جائے گا، سلب کرلیا جائے گا۔

تقسیمِ میراث میں اسلام کی امتیازی حیثیت

دوسری چیز ہے میراث کی تقسیم دیکھئے دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ظاہر ہے کہ ہر مذہب میں مرنے والے کی میراث تقسیم کرنے یا ٹھکانے لگانے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہے۔

لیکن جب ہم دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر اسلام کو دیکھتے ہیں تو

الحمدُللہ ہمارا دل شکر سے بھر جاتا ہے۔جس طرح دوسری چیزوں، میں عبادات میں اسلام ہمیں دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے تو میراث کی تقسیم میں بھی اسلام ہمیں دوسرے مذاہب سے امتیازی حیثیت دیتا ہے۔

پہلی امتیازی خوبی

سب سے پہلی چیز جو اسلام کے نظام میراث کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کہتا ہے کہ مرنے والوں نے جو کچھ چھوڑا ہے اسے میراث میں تقسیم کردو قرآن کہتا ہے کہ: مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ۔ تھوڑا ہو یا زیادہ اسے میراث میں تقسیم کردو۔ یہاں تک کہ اہل علم کہتے ہیں کہ اگر مرنے والے نے ایک سوئی بھی چھوڑی ہو اسے بھی ورثہ میں تقسیم کردو۔

جب ہم دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض مذاہب میں مرنے والے نے جو جامد اور نفع دینے والی چیزیں چھوڑی ہیں ان کو تقسیم کیا جاتا ہے لیکن جو مرنے والے کے استعمال کی چیزیں ہوتی ان کو تقسیم نہیں کیا جاتا۔ زمین تقسیم کی جاتی ہے، مکان تقسیم کئے جاتے ہیں لیکن مرنے والے کے استعمال کے کپڑے، سواریاں، زیورات تقسیم نہیں کئے جاتے۔

میت کی استعمالی چیزوں کے بارے میں بعض قوموں کا عجیب نظریہ

بعض قومیں تو ایسا کرتی ہیں کہ مرنے والے کے ساتھ قبر میں ان کی چیزوں کو بھی دفنا دیتی ہیں ان کا خیال یہ تھا کہ اگلی زندگی میں یہ چیزیں انکے کام آئیں گی۔

آج جو مصریوں کی پرانی قبریں دریافت ہوئیں تو ان میں غلہ، گندم، شہد یہ چیزیں بھی پائی گئیں ان کا خیال تھا کہ اگلی زندگی میں یہ چیزیں ان کے کام آئیں گی۔

اور بعض قومیں تو یہ کرتی تھیں کہ ان اشیاء کو جلا دیتی تھیں۔ اور بعض قومیں تو یہ کرتی تھیں کہ ان چیزوں کو یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھ دیتی تھیں۔ لیکن اسلام نے یہی کہا کہ مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا وہ اس کا مکان ہو یا اسکی سواری ہو یا اس کے استعمال کے کپڑے ہوں یا اس کے ہاتھ کی گھڑی ہو یا اس کے ہاتھ کا لکھنے والا قلم ہو یا وہ اس کے سر کی ٹوپی اور عمامہ ہو، فرمایا کہ سب کچھ میراث میں تقسیم کیا جائے۔

دوسری امتیازی خوبی

ایک دوسری امتیازی حیثیت جو ہمیں اسلام کے نظامِ میراث میں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے صنف کے امتیاز ہونے کے بغیر مرنے والے کے ہر قریبی رشتہ دار کو میراث میں حصہ دار تسلیم کیا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو چھوٹا ہو یا کہ بڑا ہو۔

جبکہ زمانہ جاہلیت میں ایسا نہ تھا ایک تو عورتوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی میراث سے محروم کیا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے ایک اصول تھا گویا کہ انہوں نے ذاتی طور پر مَعاذَ اللہ! جو شریعت گھڑ رکھی تھی وہی تھی۔

زمانہ جاہلیت میں ایک مسلمہ اصول

ان کی من گھڑت شریعت کا ایک مسلمہ اصول تھا کہ مال غنیمت کا مستحق کون ہوگا۔

مَنْ حَازَ الْغَنِيمَةَ وَقَاتَلَ عَلٰى ظُهُورِ الْخَيْلِ

جو مال غنیمت جمع کرسکتا ہو اور گھوڑے کی پشت پر جنگ کرسکتا ہو اور چونکہ عورت اور بچہ مال غنیمت جمع نہیں کرسکتے اور جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے۔ لہٰذا یہ مال

غنیمت کے مستحق بھی نہیں ہوں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا انہوں نے اپنے پیچھے دو نوجوان بیٹیاں چھوڑیں اور ایک نابالغ بیٹا۔ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی آئے اور انہوں نے حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ساری میراث پر قبضہ کرلیا، بے چاری بیوہ روتی دھوتی رہ گئی کہ میرے بچوں کا بھی خیال کرو، میری نوجوان بیٹیوں کا بھی خیال کرو لیکن ان کا دل نہ پسیجا، ایک اصول چلا آرہا تھا کہ بچیوں کو خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ اور نابالغ بچوں کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔

تو اس اصول کے مطابق ساری میراث پر انہوں نے قبضہ جمالیا، نہ بیوہ کو کچھ حصہ دیا، نہ بیٹیوں کو کچھ حصہ دیا اور نہ ہی نابالغ بیٹے کو کچھ حصہ دیا۔ یہاں تک کہ مجبور ہوکر حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوہ نے انہیں یہ پیشکش کی کہ کم از کم تم میری نوجوان بیٹیوں سے شادی ہی کرلو تاکہ یہ اپنے گھر کی بن جائیں، میں ان کو کیسے بیاہوں گی جبکہ میرے پاس کچھ نہ ہوگا۔ لیکن نہ تو وہ حصہ دینے کے لئے تیار ہوئے اور نہ ہی ان بچیوں سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوئے۔

وہ کہاں جاتیں ایک ہی تو دربار تھا، جہاں مظلوم آتے تھے، جہاں ستم رسیدہ آتے تھے، جہاں زمانے کے ستائے ہوئے آتے تھے، جہاں یتیم آتے تھے، جہاں بیوائیں آتی تھیں، جہاں کمزور آتے تھے اور وہ دربار تھا میرے آقا ﷺ کا، وہ روتی دھوتی آئیں اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے ساتھ زیادتی ہوگئی شوہر کا انتقال

ہو گیا اور اس کے مکان اور ساری جائیداد پر اس کے چچا زاد بھائی قابض ہو گئے، میں بھی بے سہارا اور میری نوجوان بیٹیاں اور یتیم بچہ بھی بے سہارا۔

حضور ﷺ تڑپ اُٹھے لیکن آپ نے کچھ نہیں فرمایا اس لئے کہ انتظار تھا آسمان سے وحی نازل ہونے کا، اللہ کے حکم کے نازل ہونے کا۔ چنانچہ اللہ کا یہ حکم نازل ہوا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

(سورۃ النساء آیت 7، پ 4)

مردوں کے لئے بھی حصہ اور عورتوں کے لئے بھی حصہ جو کچھ قریبی رشتہ دار چھوڑ جائے تو عورتوں کو بھی حصہ اور مردوں کو بھی۔ تو یہ دوسری امتیازی خصوصیت تھی اسلام کے نظامِ میراث کی۔

تیسری امتیازی خوبی

تیسری امتیازی خصوصیت جو اسلام کے نظام میراث نے بتائی وہ یہ کہ اسلام میں جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا تو اس میں قریبی رشتہ دار کا حق ہوگا۔ اجنبیوں کا حق نہیں ہوگا۔

جبکہ اسلام سے قبل مرنے والے کے مال میں کبھی تو حصہ ملتا تھا پڑوسی کو، کبھی حصہ ملتا تھا دوست کو اور کبھی حصہ ملتا تھا اس شخص کو جس کے ساتھ زندگی میں اس نے معاہدہ کیا ہوتا تھا۔ کہ میں مروں گا تو تم میرے مال کے وارث ہو گے اور تم اگر مرو گے تو میں تمہارے مال کا وارث ہوں گا۔ تم اگر قتل کرو گے تو اس کا تاوان میں بھروں گا

میں اگر قتل کر دوں تو اس کا تاوان تم بھرنا۔ چنانچہ مرنے کے بعد اس قسم کے لوگ وارث قرار دیے جاتے تھے۔ اسلام نے اس قسم کے تمام لوگوں کا حق ختم کر دیا اور فرمایا کہ نہ دوست حقدار، نہ پڑوسی حقدار اور نہ وہ شخص جس کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا بلکہ حقدار وہ ہے جس کا مرنے والے کے ساتھ قریبی رشتہ ہے۔

عورت کی میراث کے بارے میں جتنی تاکید قرآن نے کی کسی اور آسمانی کتاب نے نہیں کی

آج کے درس میں میں تیسری بات جو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ مرنے والے کے مال میں عورت کا حق ہے، یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ میراث کے معاملے میں عورت کے حق کے بارے میں جتنی تاکید قرآن نے کی ہے کسی دوسری آسمانی کتاب میں آپ کو ایسی تاکید نہیں ملے گی۔

اور میری بہنیں اور بیٹیاں! اس بات پر غور فرمائیں بالخصوص وہ جو اس میں مخالف لوگوں کے اس پروپگنڈہ میں آجاتی ہیں کہ اسلام معاذ اللہ! عورت کے حقوق کو دباتا ہے یا کم کرتا ہے۔

دوسرے مذاہب نے عورت کے حقوق کو کم کیا اس کو مرد کے مقابلے میں کم تر قرار دیا۔ اسلام نے بہت سے معاملے میں عورت کو مرد کے برابر لا کھڑا کیا۔ جب میراث کا وقت آیا تو اس موقع پر بھی اسلام نے عورت کا حق مرد کے معاملے میں زیادہ تاکید کے ساتھ بتایا۔

ایک تو آپ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷ سن چکے، جس میں اللہ نے مردوں کا بھی

حصہ اور عورتوں کا بھی "وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ" کہہ کر ارشاد فرمایا، اللہ یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ مرنے والے کی میراث میں رشتہ داروں کا حصہ ہوگا۔ مطلقاً یوں کہہ دیتے؛ لیکن اللہ نے مردوں کا الگ ذکر کیا اور عورتوں کا الگ ذکر کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ظلم کرنے والے مرد پرانی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کے حصّے کو دبا جائیں۔

قرآن نے لڑکی کے حصہ کو اصل قرار دیا

دوسری بات قرآن کریم نے جو حصے بیان کئے تو لڑکی کے حصہ کو اصل قرار دیا اور لڑکے کے حصے کو اس پر قیاس کرنے کا حکم دیا ایسا نہیں کہ لڑکے کے حصہ کو اصل قرار دیا ہو اور لڑکی کے حصہ کو اس پر قیاس کیا ہو۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ

(سورۃ النساء آیت نمبر 11، پ4)

لڑکے کو کتنا ملے گا دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر گویا اصل جو حصہ ہے اس کے دو۔ ہم دیکھیں گے کہ لڑکی کو کیا ملے گا تو لڑکے کو اسکے مقابلے میں دوگنا۔ اب یہ جو اللہ فرمارہے ہیں کہ لڑکی کا حصہ اس کے ساتھ بیوی کا حصہ اور بیٹی کا حصہ بھی بیان کیا اور مردوں کا حصہ بھی بیان کیا۔

اور جان لیجئے! جو مرنے والے کی بیویوں کو یا ان کی بیٹیوں کو یا جو بھائی اپنی بہنوں کو میراث سے محروم رکھتے ہیں وہ سخت گناہ گار ہیں۔

میراث میں آج کا مسلمان مشرکین والا ظلم کر رہا ہے

حیرت کی بات یہ ہے! کہ یہ ظلم زمانہ جاہلیت کے مشرک کرتے تھے اور آج کا

مسلمان یہی ظلم کرتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے مشرک بیویوں کو، بہنوں کو، ماؤں کو اور عورتوں کو میراث سے محروم رکھتے تھے اور آج کا مسلمان عورتوں کو میراث سے محروم رکھتا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ فروعی مسائل پر جان لڑا دیتے ہیں مثال کے طور پر رفع یدین ہونا چاہئے یا نہیں ہونا چاہئے۔ آمین بلند آواز سے یا آہستہ آواز سے، پگڑی کا رنگ سبز یا سفید، یہ نعرہ لگانا چاہئے وہ نعرہ لگانا چاہئے اس قسم کے فروعی مسائل پر جان لڑا دیتے ہیں لیکن قرآن کا جو قطعی حکم پامال ہو رہا ہے اور ہر فرقہ کے لوگ اس کو پامال کر رہے ہیں اُس پر کوئی کچھ بھی نہیں بولتا، ہر فرقہ کے لوگ میں نام نہیں لیتا ہوں لیکن حقیقت میں میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا اس ظلم پر سارے فرقے متفق ہو گئے ہیں۔ جو اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں وہ بھی وہی کچھ کر رہے ہیں جو بدعتی کر رہے ہیں جو کہ سخت ترین ظلم ہے۔

حقِ میراث دبا لینا حرام ہے

اور جان لیں! کہ حرام کھانے پر جتنی بھی وعیدیں آئی ہیں وہ وعیدیں اُس شخص کے لئے بھی ہیں جو بہنوں کا یا بھائیوں کا یا عورتوں کا میراث میں حق کھا جاتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ رشوت لینا تو حرام ہے اور جھوٹ بول کر کمانا تو حرام ہے اور ملاوت کر کے کمانا تو حرام ہے اور میراث میں سے حصہ دبا جانا یہ جائز ہے یہ غلط سوچ ہے اور پھر یتیموں کا حق دبا کر، بہنوں اور بیٹیوں کا حق دبا کر، حج اور عمرے کرنا یا مسجدوں اور مدرسوں میں چندے دینا کوئی ثواب نہیں ہے اس مال میں سے ایصال ثواب کی مجلسوں کا اہتمام کرنا قطعاً کوئی ثواب نہیں۔

بعض لوگ تیجے کے نام پر، دسویں کے نام پر، چالیسویں کے نام پر لاکھوں

اُڑا دیتے ہیں اور میراث میں سے حصہ نہیں دیتے۔

میت کے مال میں شدید احتیاط

جبکہ صورت یہ ہے کہ علماء کہتے ہیں میراث کی تقسیم ہونے سے پہلے اگر جائز طریقے سے صدقہ خیرات کرلے تو وہ بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ میراث کے اندر بڑوں کا بھی حصہ ہوگا، چھوٹوں کا بھی حصہ ہوگا نابالغ بچوں کا بھی حصہ ہوگا اور یتیموں کا بھی حصہ ہے اور اگر بالفرض نابالغ بچہ اجازت بھی دے دے کہ میری طرف سے صدقہ کردینا اس کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں ہے تو آپ کیسے؟ یعنی صدقہ خیرات جائز طریقے سے کررہے ہیں وہ جائز نہیں ہے، آپ تیجے کررہے ہیں، دسویں کررہے ہیں، چالیسویں کررہے ہیں جن کا کوئی ثبوت ہی نہیں نہ قرآن سے، نہ حدیث سے، نہ فقہ سے، نہ امت کے عمل سے ثبوت ہے۔

تو عرض کررہا تھا کہ حرام کھانے پر جو وعیدیں ہیں وہی وعیدیں اس شخص کے لئے بھی ہیں جو میراث کے حق دار کا بالخصوص چھوٹے یتیم بچے کا حق کھا جاتے ہیں۔

جنت میں اپنے حصہ سے محرومی

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر! جس شخص نے اپنے وارث کے حصہ کو دبالیا، اس کو کھالیا تو اللہ پاک نے جنت میں اُس شخص کے لئے جو حصہ رکھا ہے اللہ پاک اس حصہ سے جنت میں اس کو محروم کردے گا۔

یعنی جو اپنے وارث کا حصہ دبا جاتے ہیں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ

قیامت میں جنت میں جو اس کا حصہ ہے اس سے محروم کردیں گے۔

ہر شخص کا جنت اور جہنم میں حصہ رکھا گیا ہے

یہاں ضمنی طور پر ایک بات یاد رکھیں! ہم میں سے ہر ایک کا حصہ دوزخ میں بھی ہے اور جنت میں بھی ہے اللہ اکبر! ہر ایک کی جگہ جنت میں بھی ہے اور دوزخ میں بھی لیکن کوئی تو ایسا ہوگا کہ ایسی زندگی گزارے گا کہ اُس پر جنت کا حصہ حرام کردیا جائے گا۔ جہنم میں جو اُس کا حصہ تھا وہ اسے دے دیا جائے گا اور دوزخ کو اس پر حرام کردیا جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ دوزخ کو اس پر حرام کردیا جائے گا اور جنت کو اس پر لازم کردیا جائے گا۔

جہنمی کے غم میں اضافہ

اور حدیث میں آتا ہے اور قرآن میں بھی ثابت ہے کہ قیامت میں اللہ جہنمی سے اس کے غم میں اضافہ کرنے کے لئے جنت کو دکھائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ دیکھ جنت میں تیرے لئے میں نے یہ جگہ رکھی تھی۔ میں نے جنت میں تیرے لئے یہ جگہ رکھی تھی لیکن تو اپنے آپ کو اپنے اعمال سے اس جگہ کا حقدار ثابت نہ کرسکا تو آج دوزخ تیری جگہ ہے۔

جنتی کی خوشی میں اضافہ

اور اللہ تعالیٰ جنتی سے اس کی خوشی میں اضافہ کرنے کے لئے جہنم کو دکھائیں گے اور فرمائیں گے کہ یہ دوزخ میں تیری جگہ تھی لیکن تو نے اپنے اعمال اور ایمان کی وجہ سے اپنے آپ کو اس جگہ سے بچالیا اور اپنے آپ کو جنّت کا حقدار بنالیا۔

سات زمینوں کے اندر دھنسایا جانا

بات یہ کہہ رہا تھا کہ حرام کھانے پر جتنی وعیدیں ہیں تو ان وعیدوں کا یہ شخص بھی مستحق ہوگا جس نے وارث کا حق دبایا۔ ایک وعید سناتا ہوں۔ وعیدیں تو بے شمار ہیں میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ناحق دبالی، ہتھیالی تو اللہ پاک قیامت کے دن اس شخص کو سات زمینوں کے اندر دھنسائے گا۔ کس کو دھنسایا جا رہا ہے اس شخص کو جس نے ناحق کسی کی زمین ہتھیالی ہو اور میراث میں حصہ کھا جانے والے کو۔

ایک غلط فہمی

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم نے بہن بیٹی کو جہیز دے دیا لہٰذا اب میراث میں سے ان کو حصہ دینے کی ضرورت نہیں۔ سن لیجئے! اول تو جہیز کوئی نبی ﷺ کی سنت نہیں ہے۔ جہیز کوئی قرآن کا حکم نہیں ہے۔ آج کا جہیز تو لعنت ہے لعنت۔

ایک لعنت ہے کہ منہ پھاڑ کر بیٹی والوں سے جہیز مانگتے ہیں۔ لعنت کے مستحق ہیں یہ لوگ۔ میں اکثر کہتا رہتا ہوں اور یہاں بھی کہہ رہا ہوں کہ وہ لوگ جو بیٹی والوں سے منہ کھول کر جہیز مانگتے ہیں وہ کراچی کے چوراہوں پر بھیک مانگنے والے بھکاریوں سے بڑے بھکاری ہیں۔

اول تو آپ شادی کرتے سادگی کے ساتھ لیکن جب اتنا خرچہ کر لیا تو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں، لیکن میراث میں اس کو کیوں محروم کر رہے ہیں شرعی اعتبار سے۔ میراث میں اس کا حصہ ہوگا۔

میراث میں عورت کو حصہ کم کیوں دیا جاتا ہے؟

یہاں یہ بھی سن لیجئے! ایک یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ میراث میں عورت کو حصہ کم کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کے جوابات اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔

پہلا جواب

مسلمان ہونے کی حیثیت سے اتنا جواب کافی ہے کہ میرے اللہ نے بس اتنا حصہ ہی مقرر کیا۔ ہمیں حکمتیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں مشیت دانوں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ بس میرے اللہ نے حصہ کم مقرر کیا ہم صرف اسی کو مانیں گے اور آپ یہ تو سن چکے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو محروم رکھا جاتا تھا اور حد یہ کہ عورت کو بھی مال کی طرح تقسیم کیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات یہ کہ سوتیلا بیٹا ماں کا حقدار قرار دیا جاتا تھا۔ یعنی اس کے حصے میں ماں آتی تھی۔ اللہ اکبر! ماں تقسیم میں کس کو ملتی؟ سوتیلے بیٹے کو۔ آپ تفسیر کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے یہ اسلام تھا جس نے عورت کو اس کا حق دیا، اس کو اس کا حصہ دیا۔ اب اسلام نے معاشی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی یہ مرد پر ڈالی۔ لہٰذا اگر اسے کم حصہ ملے تو یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں۔ اور شادی شدہ عورت کو ایک طرف تو ترکہ میں اپنے باپ کی طرف سے حصہ ملتا ہے اور دوسری طرف سسرال میں شوہر کی میراث میں سے حصہ ملتا ہے۔

میراث تقسیم کرنے کا رواج نہیں ہے۔ ہم میں سے بعض چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ پورا معاشرہ پورا خاندان اس کے مخالف ہے۔ تو آپ اس

معاشرے اور اس ماحول کا ذرا اندازہ کیجئے! جس معاشرے کے اندر اور جس ماحول کے اندر قرآن نے عورت کے حق کو بیان کیا تھا۔ وہ خاندان کس قدر مخالف تھا۔ عورت کی میراث میں حصے کا۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی جو جاہلی شریعت تھی۔ جاہلی شریعت اس کا گویا کہ اصول تھا، تسلیم شدہ مسئلہ جس پر کسی کا بھی اختلاف نہیں تھا۔ کہ میراث کا حقدار کون ہوگا۔ مَنْ حَا ذَالْغَنِيمَةَ جو مال غنیمت کو جمع کر کے لائے۔ وَقَاتَلَ عَلٰى ظُهُوْرِ الْخَيْلِ اور جو گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر جنگ میں حصہ لے۔ عورت نہیں، بچہ نہیں، کیونکہ نہ وہ قتال میں حصہ لے سکتے ہیں اور نہ جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اور نہ ہی مال غنیمت جمع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایک تو اس بات کو ملحوظ رکھیں۔

دوسرا جواب

اور دوسرا اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ اسلام نے معاشی کفالت کی ذمہ داری مرد پر رکھی ہے عورت پر نہیں۔ آج قدم قدم پر اس اصول کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے ہمیں اشکالات پیش آتے ہیں۔ اس لئے کہ مغرب کی گندی تہذیب نے ہمارے دل و دماغ میں یہ بات ڈالنی شروع کر دی اور بہت سے فرقوں میں تو یہ بات آ بھی چکی کہ مرد کو بھی کمانا چاہئے اور عورت کو بھی کمانا چاہئے۔ مرد کو بھی ملازمت کرنی چاہئے عورت کو بھی ملازمت کرنی چاہئے۔ ہمارے بعض بگڑے ہوئے بھائی، راستے سے بھٹکے ہوئے بھائی جب مغربی تہذیب کو دیکھ کر آتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت بھی ملازمت کرے تو ان کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔ ان کی نظریں اور ان کی عقلیں دھوکہ کھا جاتی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اصل زندگی تو یہی ہے کہ مرد بھی کمائے اور عورت بھی

کمائے۔ تا کہ ان کی معیار زندگی بلند سے بلند تر ہو اور بلندی کیا ہے؟ کہ نئے نئے ملبوسات خریدے جا سکیں، نئے نئے جوتے اور نئی نئی ماڈل کی گاڑیاں خریدی جا سکیں اور اونچی سے اونچی سوسائٹی میں تعلقات، اور خوبصورت محلات رہائش کے لئے اور تقریبوں میں زیادہ سے زیادہ خرچ اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں کھانے کا پروگرام اور اعلیٰ سے اعلیٰ میک اپ کا سامان یہ ہے معیار زندگی کی بلندی اور نمود و نمائش کے لئے ہوٹلوں میں کھانے کا انتظام، یہ ہے ہمارے نزدیک بلند معیار زندگی، یہ جھوٹی مصنوعی زندگی ہے۔ اصلی زندگی جو ہے اس کی طرف آئیں اس دھوکے والی زندگی سے نکل آئیں۔ اصل معیار زندگی وہ ہے جو ہمارے آقا ﷺ نے بتائی، سادگی والی زندگی، اگر ہم اس زندگی کو اختیار کریں تو عورت کو کمانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مرد کی کمائی ہی پر گزارا ہوگا اور جو لوگ اس کے حامل ہیں حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اس چیز کی زیادہ حمایت کرتے ہیں وہ اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ جہاں عورت کو کمانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ایک فیشن کے طور پر، عورت کو جھوٹی آزادی دینے کے طور پر وہ عورت کو کمانے کے لئے نکالتے ہیں۔

تو اسلام نے عورت کے اوپر کسی کا خرچہ نہیں رکھا، نہ مرد کا، نہ اولاد کا۔ تو جب یہ بات ہے تو اگر میراث میں عورت کو حصہ کم دے دیا تو کیا ہوا۔ اور مرد کے اوپر تو عورت کا خرچہ بھی ہے۔

تیسرا جواب

تیسری بات جو ذہن میں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ شادی شدہ عورت کو ایک طرف تو والدین کی طرف سے حصہ ملتا ہے اور دوسری طرف شوہر اگر دنیا سے چلا جائے تو

اس کے مال میں سے بھی حصہ دیا جائے گا۔ یعنی دو جگہوں سے حصہ ملے گا۔

میراث کو کس ترتیب سے تقسیم کیا جائے؟

ایک اور بات آج کے درس کی وہ یہ کہ مرنے والے نے جو ترکہ چھوڑا اس کے تقسیم کی ترتیب کیا ہوگی؟ اس کی تقسیم کی ترتیب یہ ہوگی کہ سب سے پہلے مرنے والے کے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا پھر اگر میت پر کسی کا قرضہ ہے تو اس کے مال میں سے قرضہ ادا کیا جائے گا۔

قرض کی اہمیت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اس میت کی نمازِ جنازہ پڑھاتے جس پر قرضہ نہ ہوتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ پڑھانے سے پہلے پوچھتے تھے اگر میت پر قرضہ ہوتا تو نمازِ جنازہ ادا نہیں فرماتے تھے۔

اندازہ کیجئے! بعد میں جب خوشحالی کا دور آیا تو پھر اپنے مال میں سے میت کا قرضہ ادا فرماتے۔ لیکن اس سے پہلے یہی عادت مبارکہ تھی۔ کہ قرض دار میت کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔ کتنی اہمیت ہے قرض کی۔

ایک موقع پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شہید ہوگیا تو مجھے کیا ملے گا؟ فرمایا سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جنت ملے گی۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ جانے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا۔ کہ جنت ملے گی لیکن قرض معاف نہ ہوگا۔ شہید کو بھی قرض معاف نہیں ہوگا۔ آج رسومات کی فکر ہے حقوق واجبہ کی فکر نہیں۔ میرے بھائیو میری بہنو! ہم کہاں جا رہے ہیں۔ چالیسویں

کی تو فکر ہے اگر آپ چالیسواں نہیں کریں گے تو لوگ باتیں بنائیں گے۔

ابھی کچھ دن پہلے میں اپنے گاؤں گیا وہاں ایک صاحب کی والدہ کا انتقال ہوا۔ انہوں نے جو انتظام کیا تھا صرف چالیس من بکرے کا گوشت وہ بھی گاؤں میں صرف اس لئے کہ میری چودھراہٹ خراب نہ ہو جائے، میری ناک اونچی ہو جائے۔ اب اگر اس سے بڑے چوہدری کے ہاں میت ہو جائے تو وہ ۸۰ من گوشت کا انتظام کرے گا صرف اپنی ناک اونچی کرنے کے لئے، صرف اپنی چودھراہٹ کو برقرار رکھنے کے لئے تو رسموں کی تو فکر ہے لیکن دوسرے کے قرضہ کی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں۔

کل ہی مجھے ایک مزدور بتا رہا تھا کہ میرا ایک ٹھیکیدار ہے جس نے مجھ سے کھدائی کا کام کروایا تھا اور میرے پیسے روکے تھے انہوں نے بلایا تھا جب میں گیا تو مجھے پتا چلا کہ انہوں نے حلیم اور کھچڑے کی دعوت کی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ ٹھیکیدار صاحب آپ نے دعوت کی ہے سرمایہ داروں کی حلیم اور کھچڑے کی اور ثواب کی امید کرتے ہیں اگر مجھ غریب کے چند ہزار روپے دے دیتے تو میں آپ کے لئے دعا کرتا اور آپ کو اس سے زیادہ ثواب ملتا۔ لاکھوں روپے خرچ کئے تھے اس ٹھیکدار نے وہ مزدور بتا رہا تھا۔

آج ہم نے غیر اہم کو اہم سمجھ رکھا ہے

تو آج ہم نے غیر اہم چیزوں کو اہم سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں اہم ہیں ان کو ہم نے غیر اہم سمجھ رکھا ہے۔ یعنی بالکل ترتیب الٹ دی۔

دن کا نام رکھ دیا رات اور رات کا نام رکھ دیا دن بالکل الٹ۔ یعنی جو چیزیں شریعت میں نہ فرض ہیں نہ واجب اور نہ مستحب بلکہ سراسر بدعت ہیں تو اس کو تو

فرض کا درجہ دے دیا اور جو چیزیں فرض ہیں واجب ان کو مستحب کا درجہ بھی نہیں دیا۔

میرے ایک جاننے والے دور کے رشتہ دار ہیں تقریباً ۵۰ سال ان کی عمر ہوگی وہ تبلیغ میں نکلے اور ان کی زندگی میں تبدیلی آئی میں بڑا خوش ہوا کہ چلو ان کی زندگی بدل گئی۔

انہوں نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا بڑے دھوم دھام سے یہ بتانے کے لئے کہ پہلے میں دیندار نہ تھا، اب دیندار ہوگیا ۵۰ سال کی عمر میں۔

کافی کھاتے پیتے آدمی ہیں، لیکن انہوں نے بھول کر بھی نام نہ لیا زکوٰۃ کا، اور عشر کا جو وہ پچھلے کئی سالوں سے ادا نہیں کر رہے تھے۔

اب عقیقہ کیا ہے، فرض ہے واجب ہے سنت موکدہ ہے کیا ہے؟ صرف نفلی صدقہ ہے کہ شکر کے طور پر اگر عقیقہ کیا جائے تو مستحب ہے۔ تو عرض کر رہا تھا کہ غیر اہم چیزوں کو ہم نے اہم سمجھ لیا ترتیب ہی الٹ دی۔

میت نے اگر بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

تو دوسری چیز تھی قرض اب قرض کے ضمن میں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اگر مرنے والے نے اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تو وہ بھی قرض میں شمار ہوگا۔ اور ادا کرنا ہوگا۔ بہت سے لوگ شادی کرتے ہیں اور لاکھوں روپے کا مہر مقرر کرتے ہیں اور ادائیگی کی فکر نہیں ہوتی۔

بلکہ ایسی عورت کو بد تہذیب، لالچی، خودغرض سمجھا جاتا ہے جو اپنے مہر کا مطالبہ کرے۔

ارے بھائیو! یہ اس کا حق ہے۔ اور بہت سے لوگ عورت سے مہر معاف

کرواتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مرد ہونے کا مزہ آگیا۔ یعنی یہ کہہ رہا ہے کہ میں غریب ہوں، فقیر ہوں، کنگلا ہوں مجھے مہر معاف کردیں اور اگر عورت معاف نہ کرے تو ماتھے پر بل آجاتے ہیں۔

وصیت کو فرض پر کیوں مقدم کیا؟

ترتیب کے اعتبار سے تیسری بات یہ ہے کہ وصیت یعنی مرنے والے نے اگر وصیت کی کہ میرے مال میں مدرسہ والوں کو یا مسجد میں یا شفاخانہ میں اتنی رقم دے دینا تو اس وصیت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا لیکن ایک تہائی مال میں، اور عجیب بات آپ کو بتاؤں کہ اللہ پاک نے قرآن میں وصیت کا ذکر کیا قرضہ کا بھی ذکر کیا لیکن وصیت کا ذکر پہلے کیوں کیا؟

اس لئے کہ قرض خواہ تو بہت ہیں وہ اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لئے پہلے آجائیں گے کہ بھائی! ہمارا حق دو۔ لیکن وصیت والے کوئی نہیں آئیں گے، یعنی مدرسے والے نہیں آئیں گے، مسجد والے نہیں آئیں گے۔ لہٰذا وصیت کا ذکر پہلے فرمایا ورنہ قرض تو اس سے زیادہ اہم ہے۔

کیوں؟ اس لئے کہ وصیت مانگنے والا کوئی بھی نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ

اللہِ ؕ وَاللہُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾

(سورۃ النساء آیت نمبر 12 پ 4)

وصیت کو پہلے ذکر فرمایا اور وصیت بھی ایک تہائی مال میں۔

مشہور حدیث ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بڑے چہیتے صحابی ہیں۔ شدید بیمار ہوگئے۔ حضور ﷺ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ صحابی کہنے لگے، یارسول اللہ ﷺ! میرا کوئی وارث نہیں میری صرف ایک بیٹی ہے۔ دل چاہتا ہے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کردوں، وصیت کرجاؤں۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا قربان جاؤں! میں اپنے آقا کے قدموں کی خاک پر اللہ اکبر! فرمایا پورا مال وصیت کرنے کی اجازت نہیں پھر پوچھا کہ ایک تہائی کی اجازت دے دیں، فرمایا ہاں ایک تہائی کی اجازت ہے لیکن یہ بھی زیادہ ہے، جائز ہے لیکن زیادہ ہے۔

اسلام میں انسانی جذبات کی قدر

اسلام نے انسانی جذبات کا لحاظ رکھا اور حیرت کی بات ہے کہ اس بیماری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال نہیں ہوا۔ بعض اوقات انسان تیاری کر لیتا ہے لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے۔ تو اسلام نے وارثوں کو محروم نہیں کیا۔ اگر ذوی الفروض نہیں تو دور کے رشتہ دار تو ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذوی الفروض سے جو مال بچ جاتا ہے وہ پھر دور کے رشتہ داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اصول یہ ہے کہ آقا ﷺ کے منہ مبارک سے نکلی ہوئی بات سنت بن جاتی ہے، قانون بن جاتا ہے اس لئے آقا ﷺ نے منع فرمادیا کہ پورے مال کی وصیت جائز

نہیں، ایک تہائی کی اجازت دے دی۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تو صرف ایک بیٹی تھی لیکن اگر اجازت دے دی جاتی تو ممکن تھا کہ دوسرے مسلمان اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے اور انکی اولاد میراث کے حق سے محروم ہو جاتی۔

تو اس وجہ سے اجازت نہیں دی اور وصیت وارث کے حق میں جائز نہیں۔ یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میرا فلاں بنگلہ میرے مرنے کے بعد میرے فلاں بیٹے کو یا فلاں بیٹی کو دے دیا جائے تو یہ وصیت جائز نہیں۔

اس لئے صراحتاً آ گیا:

اِنَّ اللہَ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ

فرمایا کہ حق حق والے کو اللہ نے دے دیا اب اگر اس کو وصیت والی چیز دے دی جائے تو دوسرے کے حق میں یہ زیادتی ہوگی۔ ہاں اگر زندگی میں مرنے والا اپنی کوئی ہبہ کرے تو پھر یہ جائز ہے، لیکن زندگی میں، مرنے کے بعد نہیں۔

وراثت کے متعلق چند اہم مسائل

آخر میں چند موٹے موٹے مسائل کا ذکر کر کے بات کو ختم کرتا ہوں۔

پہلا مسئلہ:

پہلا مسئلہ یہ جان لیجئے! کہ اگر کسی نے وارث کو زندگی میں کوئی چیز ہدیہ کر دی تو اب مرنے کے بعد اسے اتنا ہی مال ملے گا جتنا کہ اسے ہدیہ نہ کرنے کی صورت میں ملتا، کمی نہیں کی جائے گی۔

دوسرا مسئلہ:

دوسرا اہم مسئلہ یہ کہ بعض والدین اپنی اولاد کو عاق کر دیتے ہیں اخبارات میں بھی اشتہارات چھپتے ہیں کہ میں نے اپنے فلاں بیٹے کو عاق کر دیا تو اس طرح عاق کرنے سے وہ عاق نہیں ہوگا بلکہ اس کو پورا پورا حصہ ملے گا۔

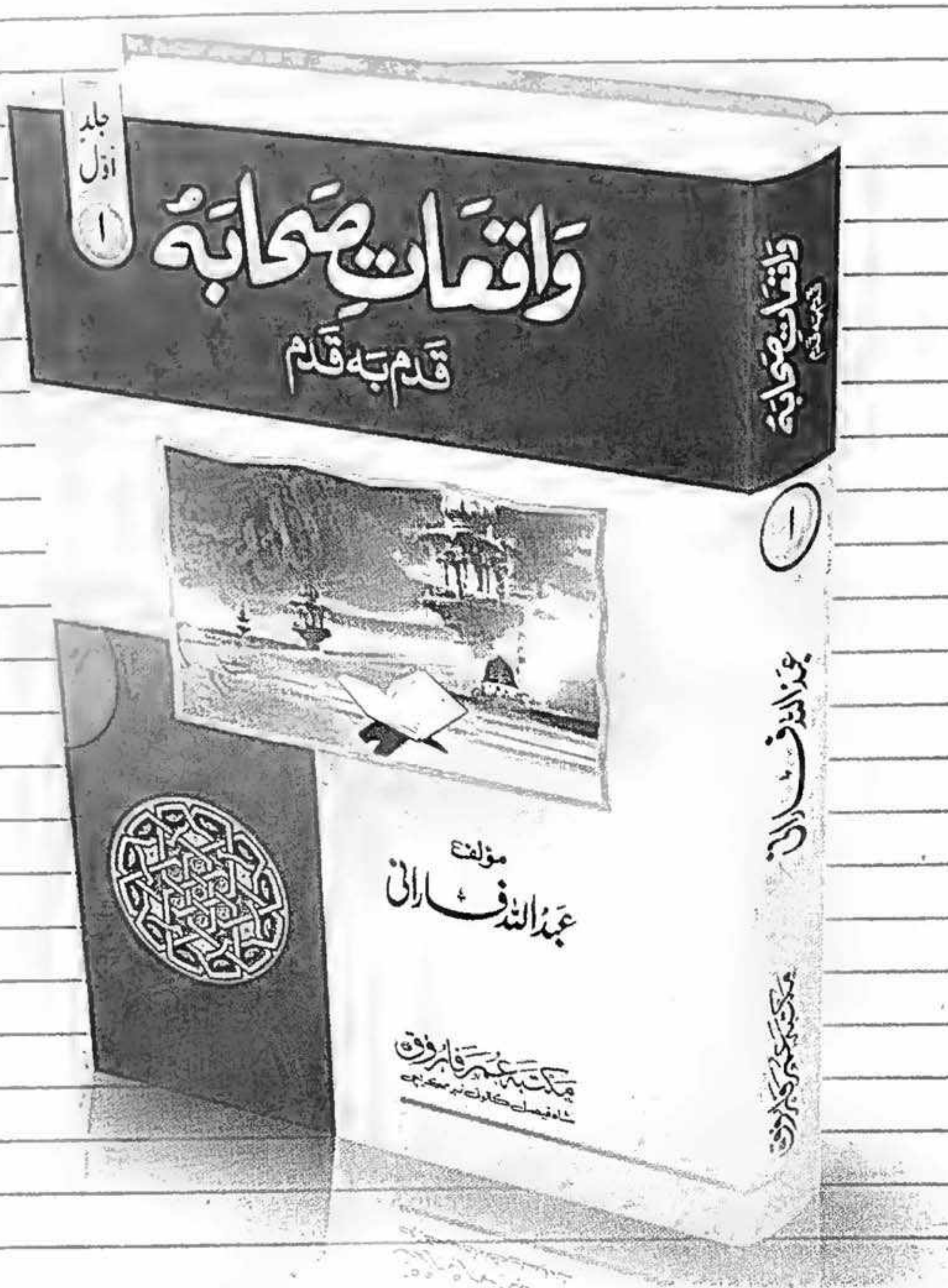
تیسرا مسئلہ:

تیسرا مسئلہ یہ جان لیجئے! کہ وارث کے معاف کرنے سے بھی اس کا حق معاف نہیں ہوگا وہ جب چاہے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس کو پورا پورا اختیار ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے تو معاف کر دیا تھا۔ وہ جب چاہے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس کو اختیار ہے۔

آخری بات یہ سن لیں! کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیماری ہے اور موت قریب ہے اور مرنے کے بعد میری اولاد خون خرابہ نہ کرے، لہٰذا میراث کو تقسیم کر دوں۔ تو اگر زندگی ہی میں کوئی میراث تقسیم کرلے تو ایسا کرنا بھی جائز ہوگا۔

اللہ پاک مجھے اور آپ کو سب کو میراث کے احکام جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



مکتبہ عمر فاروق
4/491-شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34604566 Cell: 0334-3432345
Designed & Printed by: Luminar Graphics Ph: 021 32727728